سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) نمبر ۱۹۰

اخبارِ مجموعہ

اسلامی اندلس کی ایک جامع عربی تاریخ

مترجمہ

مولوی محمد زکریا صاحب مائلؔ

شایع کردہ

انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی

سنہ ۱۹۴۲ء
پہلا اڈیشن

قیمت مجلد [illegible]، بلا جلد [illegible]

فہرست

صفحہ
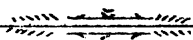
مرزا حاجی محبوب بیگ صاحب نے محبوب المطابع دہلی میں چھاپا

اور

مینیجر انجمنِ ترقیِ اردو (ہند) دہلی نے شائع کیا

مقدمہ

اِس کتاب میں جس ملک کے حالات درج ہیں وہ یورپ کے جنوب و مغرب میں ایک جزیرہ نما کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے کئی نام ہیں۔ آئی بیریا، ہسپانیہ، اسپین اور اُندلس۔ ان میں سب سے زیادہ قبولیت آخری نام کو حاصل ہے جس کا نہایت شان دار ماضی دنیا کی سب سے زیادہ ممتاز قوم مسلم سے وابستہ ہے۔

اِس ملک کی آب و ہوا نہایت معتدل اور پاکیزہ ہے۔ زمینیں زرخیز اور میدان سرسبز و شاداب ہیں۔ پیداوار کی کثرت اور شادابی کے لحاظ سے یہ ملک مصر و شام سے مشابہ ہے۔ اس کا طول مشرق سے مغرب کی جانب ۶۳۵ میل اور شمال سے جنوب کی سمت میں عرض ۵۱۰ میل کے قریب ہے۔

اُندلس کی حدود یہ ہیں۔ شمال میں خلیج بسکی اور جبل البرتات (پای رے نیز)، مشرق میں بحرِ روم یا بحرِ متوسط، جنوب میں بحرِ متوسط، آبنائے جبل الطارق اور بحرِ ظلمات اور مغرب میں بحرِ ظلمات واقع ہیں۔

مسلمانوں سے پہلے اس ملک کی کیا حالت تھی؟ اس کی

خاطر خواہ تفصیل کا نہ یہاں موقع ہے نہ اس مختصر مقدمے میں اس کی گنجائش، مگر جب تک نور سے پہلے ظلمت کا مشاہدہ نہ ہو نور کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہوتی۔ اشیا کا تعارف اضداد پر موقوف ہے اس لیے کوشش کی جائے گی کہ اُندلس کی قبل از اسلام حکومت کا ایک سرسری خاکہ الفاظ میں کھینچا جا سکے۔

مسلمانوں سے پہلے اندلس میں کئی قومیں حکومت کر چکی ہیں لیکن ان میں جن اقوام کو زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ فینشا اور رومہ کی قومیں ہیں۔ رومی قوم سنہ ۳۹۵ء کے قریب دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ایک کا دارالسلطنت شہرِ روم تھا اور دوسری کا قسطنطنیہ، یہ دونوں سلطنتیں مشرقی و مغربی روم کے نام سے موسوم تھیں۔ رومیوں کے اسی دورِ تفریق میں گاتھ یا عربوں کی زبان میں قومِ قوط نے وسطی و مشرقی یورپ سے نکل کر اُندلس پر حملے شروع کیے۔ اس زمانے میں رومی تن آسانی و عیش پرستی کا شکار ہو چکے تھے۔ ان میں اتنی سکت باقی نہ تھی کہ گاتھ جیسی مستعد و جفاکش قوم کے مقابلے میں ٹھیر سکتے اس لیے گاتھ آہستہ آہستہ تمام اُندلس پر قابض ہو گئے

تھوڑے دن گزرنے پر رومیوں کی طرح قوطی بھی دو جماعتوں میں منقسم ہو گئے اور مشرقی و مغربی گاتھ کے نام سے موسوم ہوئے۔ چوں کہ مغربی گاتھ نے حکومت اور مذہب ساتھ ہی حاصل کیا تھا اس لیے وہ عیسائی ہو کر بھی روم کے مذہبی پیشوا کے محکوم نہ رہے انھوں نے اپنا مذہبی اقتدار علیحدہ قائم کیا اور قبولِ عیسائیت کے

کچھ دن بعد سے یہ اقتدار روز بہ روز ترقی کرتا رہا۔

گاتھ حکومت سنہ ۵۰۰ء کے قریب مکمل ہوئی اور دو سو سال تک قائم رہی۔ اِس مدت میں ان کی جفاکشی اور جنگ جوئی تن آسانی اور عیش پرستی سے بدل گئی۔ قوطی اب وہ پہلے سے جنگ جو قوطی نہ رہے تھے۔ عیش و عشرت کی بیماری ان میں سرایت کر گئی تھی۔ اہلِ اندلس کی طرب نوازیاں انھیں اچھی طرح بھا چکی تھیں اور وہ دل کھول کر رنگ رلیاں منانے میں منہمک تھے۔ عیش و نشاط میں دیوانہ بننے کے سوا ان میں تنگ دِلی بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ یہودیوں کے ساتھ حد سے زیادہ ذلت آمیز سلوک ہو رہا تھا۔ یہودی بُری طرح ذلیل ہوتے اور قوطیوں کے نو بہ نو مظالم کا شکار بنتے رہتے تھے۔

اگر یہ مظالم یہودیوں تک محدود رہتے تو بھی غنیمت تھا مگر آہستہ آہستہ اس جبر و تعدی کا دائرہ بہت وسیع ہوتا گیا۔ عموماً تمام رعایا غیر مطمئن اور حکمراں قوم کے وحشیانہ سلوک سے نالاں نظر آتی تھی۔ نصف سے زیادہ آبادی ملک کے متمول زمیں داروں اور دولت مند جاگیرداروں کی غلام بنی ہوئی تھی۔ پھر ان کے ساتھ حد سے زیادہ بے رحمانہ سلوک ہوتا تھا۔ بات بات پر غریبوں کی جان لینا معمولی بات سمجھی جاتی تھی، خیر و شر کا امتیاز بالکل اُٹھ گیا تھا۔

رعایا کی اس تباہ حالی کا قوطیوں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی حالت سے موازنہ کیجیے تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ قوطیوں کے گھر عشرت کدے اور پیشواؤں کے مسکن پری خانے بنے ہوئے

تھے۔ عیش پرستیوں اور فحاشیوں کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ حکمراں قوم کا ہر فرد ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک انھی بے عنوانیوں اور بے اعتدالیوں کا شکار ہو رہا تھا۔ اور تو اور خود رزدریق، قوطیوں کے آخری بادشاہ کی حالت پر غور کیجیے کہ اسی نوے برس کا بڈھا ہونے کے باوجود سیہ مستیوں میں مبتلا تھا۔ اس کی یہ بداعمالیاں اتنی ترقی کر گئی تھیں کہ سابق بادشاہ غیطشہ کی نواسی، کاونٹ جولین کی لڑکی فلورنڈا اس کی بہیمیت کا شکار ہو گئی۔ اس واقعے نے بارود میں چنگاری کا کام کیا اور یہ خبر وبا کی طرح ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گئی۔ کاونٹ جولین بادشاہ کا دشمن بن گیا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ساری دنیا کو معلوم ہے۔ جب کسی ملک کی اندرونی خرابیاں حد سے زیادہ گزر جاتی ہیں تو انقلاب کے لیے زمین ہموار ہو جاتی ہے۔ یہی حالت اُندلس کی تھی۔ ملک کی اخلاقی اور معاشرتی ابتریاں بغیر کسی زبردست تبدیلی کے علاج کی دسترس سے باہر نظر آتی تھیں۔ ملک انقلاب کے لیے یکسر آمادہ تھا۔ صرف اشارے کی دیر تھی۔ فلورنڈا کا واقعہ ایک حیلہ بن گیا۔ اگر یہ نہ ہوتا تب بھی اندلس میں انقلاب ہو کر رہتا۔ غرض یہ کہ انقلاب ہوا اور ایسا ہوا کہ خدا ہر بگڑے ہوتے ملک کے دن ایسے ہی پھیرے جیسے اُندلس کے دن پھیرے تھے۔ حق پسند اور انصاف آشنا نگاہوں کی نظر میں اندلس کا اسلامی تسلط اہلِ اندلس کے لیے رحمت تھا۔ جس کا اعتراف اس گئے گزرے زمانے میں بھی وقتاً فوقتاً اغیار کی زبانوں سے سننے میں آتا ہے۔

یہ سرگزشت اس وقت کی ہے جب کہ اندلس کی سرزمین بے آئین بنی ہوئی تھی اور مدنیت وشائستگی اور تہذیب و حضارت کی روشنی سے کوسوں دور تھی۔ اب دورِ اسلام پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

عرب میں اسلام کا ظاہر ہونا تھا کہ اہلِ عرب اطرافِ عالم میں پھیلنے اور روز افزوں فتوحات حاصل کر کے دنیا سے اپنا لوہا منوانے لگے۔ جہاں پہنچے فتح وظفر ان کے ہم رکاب رہی۔ زیادہ مدت نہیں صرف تین صدی کے اندر ان کی فتوحات کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا جس کی نظیر دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت پیش کرنے سے قاصر ہے۔

عرب اپنے ملک سے نکلے تو انھوں نے مصر، افریقیہ، بلادِ بربر اور ملک اندلس میں قدم جمائے۔ خصوصاً اندلس میں تو ایسی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی جس کی بہ دولت اسلامی تمدن نے سب سے زیادہ فروغ پایا۔

شمال مغربی افریقیہ میں مسلمان سب سے پہلے ۵۰ھ میں حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے عہدِ خلافت میں پہنچے۔ اس گروہ کے قائد حضرت عقبہ بن نافع تھے جنھوں نے شہر قیروان کی بنا ڈالی۔ مسلمان ان کی سرکردگی میں افریقہ کے بربری علاقے میں پھیل گئے جہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر ۸۲ھ میں ولید بن عبدالملک نے افریقیہ کی ولایت موسیٰ بن نصیر کو تفویض کی۔ موسیٰ قیروان میں اُترے اور بربری قبائل کو مطیع کیا۔ پھر طنجہ کی طرف بڑھے اور اسے فتح کیا۔ غرض اس طرف کے تمام علاقے ان کی حکومت میں آگئے اور ان کے باشندے مسلمان ہو گئے جن میں

اہلِ طنجہ بھی شامل ہیں۔

اب موسیٰ نے اپنا ایک لشکر طارق بن زیاد کی قیادت میں دیا جو ان کے غلام تھے اور جب اہلِ اسپین کے باہمی مناقشات اور اندرونی خرابیوں سے مطلع ہوئے تو اس ملک کو فتح کرنے کی ٹھانی۔ پہلے خلیفہ سے اجازت طلب کی پھر ۹۱ھ میں اُندلس کے ساحل پر اسلامی فوجیں اتار دیں۔ ۹۲ھ میں طارق بن زیاد اپنا لشکر لیے ہوئے سمندر کو عبور کر گئے اور اس پہاڑ پر اترے جو انھی کے نام سے موسوم ہے اور جبل الطارق کہلاتا ہے۔ یہ گویا فتح کا پہلا قدم تھا اس کے بعد مسلمان پورے اُندلس پر چھا گئے۔ قدم جمنے کی دیر تھی کہ عربوں کے ہر خاندان اور ہر قبیلے کے لوگ اندلس میں آنے اور مقیم ہونے لگے تقریباً تمام عدنانی اور قحطانی قبائل کے لوگ، مع دیگر عربوں کے یہاں آ بسے، عدنانیوں میں وہ قرشی اور ہاشمی خاندان شامل ہیں جن کی حکومت بنی حمود کے نام سے مشہور ہے۔ انھی میں بنی مخزوم ہیں جن میں ابو بکر مخزومی ایک نابینا شاعر بہت نام وری حاصل کر چکا ہے۔ یہی حال وزیر ابنِ زیدون کی شہرت کا ہے، انھی میں فہری خاندان ہے جس کا مشہور فرد عبدالرحمٰن فہری ہے اسی سے عبدالرحمٰن الداخل بانیٔ دولت بنی امیۂ اندلس نے حکومت حاصل کی۔

قحطانی یا یمنی قبائل نسبتہً زیادہ بڑھے اور پھیلے۔ ان میں ایک قبیلہ کہلان نامی بھی تھا جس میں محمد بن ہانی مشہور شاعر گزرا ہے۔ بنی ازد انھی قحطانیوں میں شامل ہیں اور ان کا جم غفیر بھی اندلس

میں رہ چکا ہے۔

ان کے علاوہ مصر و شام اور عراق سے بھی بہت سے لوگ اندلس پہنچے، ادھر مراکش اور شمالی افریقیہ سے بربریوں کی ایک جماعت داخل ہوگئی۔ یہ سب کے سب اندلس کے اصل باشندوں میں گھل مل گئے جن میں قوطی اور دوسری قوم کے لوگ شامل تھے۔ دوستی، شادی بیاہ اور ہر قسم کے روابط نے وسعت پائی اور ان سب کو اسلام نے جمع کر کے ایک قوم بنا دیا۔ مگر تھوڑی ہی مدت بعد عربی عصبیت رنگ لائی۔ اور آہستہ آہستہ ان کی منظم شیرازہ بندی میں شر و فساد نے گھر کر لیا طرح طرح کے جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے، مدتوں کے سوئے ہوئے فتنے بیدار ہونے لگے۔ یمنیوں اور مصریوں کے درمیان لڑائیاں چھڑ گئیں اور یہ لوگ حکومت حاصل کرنے کے لیے مسابقت پر اُتر آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں فریقوں نے علیحدہ علیحدہ امارت قائم کرنے کی کوشش کی اور تھوڑے دن امیر کا انتخاب نوبت بہ نوبت ہوا کیا۔ ایک سال یمنیوں کا امیر ہوتا تو دوسرے سال مصریوں کا۔ جب امارت کا دور ختم ہوا تب بھی یہ مناقشات کسی نہ کسی رنگ میں نمایاں رہے۔ خلفائے بنی اُمیّہ بھی حکومت کے استحکام کے لیے بعض قبائل سے مدد لیا کرتے تھے۔ ان کا رجحان یمنی قبائل کی طرف زیادہ تھا جنھوں نے معرکہ مرج مراہط میں بنی اُمیّہ کو مدد دی تھی۔ ان حالات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جب سے عربوں نے اس سرزمین پر قدم رکھے قریب قریب اسی زمانے سے ان میں تفریق شروع ہوگئی اور اس کے بعد جب تک اسلامی حکومتیں اس سرزمین

میں باقی رہیں اس وقت تک برابر یہ فتنے برپا رہے۔ کسی کا قول ہے "سرزمینِ اندلس میں کوئی قطعہ ایسا نہ ملے گا جو مسلمانوں کے خون سے سیراب نہ ہوا ہو"۔ مسلمانوں مسلمانوں میں اور مسلمانوں اور عیسائیوں یا یہودیوں کے مابین آئے دن لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے تھے اور ان سے اسلامی حکومت میں ضعف پیدا ہوتا تھا۔

یہ سب کچھ تھا پھر بھی اندلس میں مسلمانوں کا عہد بجا طور پر ایک زرّیں عہد کہلانے کا مستحق ہے۔ ان کے دور کی تابناکیاں دنیا کو خیرہ کیے ہوتے تھیں۔ ان کی طباعیاں اور کوششیں ایسے ایسے پھل لائیں کہ آج بھی بڑی بڑی مہذب قومیں ادب و احترام کے ساتھ ان کا ذکر کرتی ہیں ان مساعی میں عربوں کی عقلی جلا اور ترقی کی جانب فطری میلان پوری قوت کے ساتھ نمایاں ہے۔ غالباً مذکورۂ بالا مسابقت بھی ان کے ہر جہتی ترقی و ترفّع کا ایک سبب تھی۔ کیوں کہ ہر امیر اور خلیفہ یہی چاہتا تھا کہ اپنی حکومت کو علوم و معارف کی اشاعت سے مستحکم کرے اور ان شعبوں میں پہلے سے زیادہ نام ور ہو۔

اندلس میں مسلمانوں کے متعدد ادبی و تاریخی دور گزرے ہیں۔ تاریخی دوروں میں پہلا دور اُمرا کا ہے جو آغاز فتح سے ۱۳۸ھ تک رہا۔ اس دور میں بیس امیروں نے حکومت کی جو چھیالیس سال رہی یعنی ۹۲ھ سے ۱۳۸ھ تک۔ یہ امارتیں مشرق کے اموی و عباسی خلفا کی تابع رہیں۔ لیکن یہ چھیالیس سال کی مدت بے چینی اور اضطراب سے بھری ہوئی تھی۔ اس دور میں نزاع و اختلاف برابر قائم رہا۔ جب عبدالرحمٰن ابن معاویہ ابن ہشام ابن عبدالملک ابوجعفر منصور کے

ظلم سے پناہ لینے کے لیے فرار ہوئے تو انھوں نے اندلس کے یمنی اور مصری قبائل کی مسابقت و منافست کا حال سُن کر بلادِ بربر کا رُخ کیا اور اپنے پرردوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر اُندلس پہنچے اور وہاں ۱۳۸ھ میں بنی اُمیہ کی حکومت قائم کی جس کو استقلال و استواری ۱۴۱ھ میں نصیب ہوئی۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ نے یمنیوں کی مدد سے قرطبہ پر فتح پائی اور اب صحیح معنوں میں ایک ایسی اموی حکومت کی تشکیل ہوئی جس کا زمانہ علم و ادب و مدنیت کی تمام قسموں کے لحاظ سے سب سے زیادہ درخشاں تھا۔ یہ حکومت دوسو چوراسی سال قائم رہی۔ اس میں ۴۲۲ھ تک ۱۹ خلفا نے حکم رانی کی۔ عبدالرحمٰن الثالث یا الناصر کے عہد میں بنی اُمیہ کا یہ دَور انتہائے عروج کو پہنچ گیا تھا۔ اس دَور نے مشرق کی عباسی حکومت کا ساتھ دیا۔ یعنی عباسی خلافت بھی صحیح معنوں میں ۳۳۵ھ تک قائم رہی۔ اس طرح اسلامی مدنیت کا نور مشرق و مغرب سے برابر جگمگاتا رہا۔ عبدالرحمٰن الداخل ابوجعفر منصور کے زمانے سے ہارون الرشید کے زمانے تک زندہ رہا ہے۔ (۱۳۲ - ۱۸۲) حکم ابن ہشام مامون کے معاصر تھے (۱۸۰ - ۲۰۶)۔ اس لیے یہ دونوں حکومتیں علوم و شائستگی کے میدان میں سرگرم مسابقت رہیں اور قرطبہ و بغداد علما کا کعبہ اور علوم و فنون کا سرچشمہ بنے رہے۔

اموی حکومت کے زوال کے بعد اندلس کے لوگ جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ چوں کہ اندلس میں بہت سے ملک یا مستقل صوبے تھے اس لیے ہر صوبے یا ملک کا ایک ایک بادشاہ ہو گیا۔ یہ سب بادشاہ ملوک الطوائف کہلائے۔ طوائف الملوکی کا یہ دَور

بیش تر بے اطمینانی اور اضطراب ہی میں گزرا۔ کتاب "معجب" کا مصنف اس دور پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے "بنی اُمیہ کی حکومت کے زوال کے بعد اہلِ اندلس فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور ہر طرف زبردستوں اور متغلبوں نے تسلط پیدا کر لیا۔ سب نے اپنے لیے خلفا کے القاب بانٹ لیے۔ کوئی معتضد کہلایا، کسی نے اپنے آپ کو مامون کہا۔ اسی طرح مستعین، مقتدر اور معتمد وغیرہ کے نام والقاب اختیار کیے گئے۔ ابو علی حسن بن رشیق نے ذیل کے اشعار میں اس طرف اشارہ کیا ہے:۔

ممایزہدنی فی ارض اندلس   سماع مقتدر فیہا و معتضد
القاب مملکتہ فی غیر موضعہا   کالہر یحکی انتفاخا صولۃ الاسد

(اندلس میں جس بات سے مجھے نفرت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہاں مقتدر اور معتضد جیسے نام سنے جاتے ہیں۔ سلطنت کے القاب اور لیسے خلاف موقع! بالکل ایسی بلّی کی طرح ہیں جو پھول پھول کر شیر سے مشابہ ہونے کی کوشش کرتی ہے)

اس اضطراب و بے اطمینانی کے باوجود پہلے دور کی طرح طوائف الملوکی کا دور بھی ترقیِ علوم کے لیے بہت بابرکت ثابت ہوا۔ ملوکِ طوائف کی توجہ بھی اشاعتِ علم کی طرف بہت تھی۔ ابن الافطس جو المظفّر کے نام سے ملقّب ہے، علومِ ادب کے جمع کرنے پر بہت حریص تھا خاص کر نحو، لُغت، شعر، نوادر اخبار اور مآخذِ تاریخ سے بہت شغف رکھتا تھا۔ اس کے لیے ان شعبوں میں جو مواد فراہم کیا گیا تھا اس سے ایک بڑی کتاب مرتّب ہوئی جو اسی کے نام سے موسوم ہے اور "المظفّری" کہلاتی ہے۔ اس کی پچاس جلدیں تھیں۔ اس

کا بیٹا المتوکل بھی نظم و نثر پر ماہرانہ قدرت رکھتا تھا بنی منظفر کی نسبت یہ شہرت عام ہے کہ وہ اہلِ ادب کا ملجا و ماویٰ تھے۔ وزیر ابو محمد عبدالمجید بن عبدون کا مشہور قصیدہ انھی کی مدح میں ہے۔ بنی ہود سر قسطہ کے فرماں روا تھے یہ خود اہلِ علم اور حامیِ علم تھے۔ ان میں المؤتمن بن المقتدر باللہ علومِ ریاضیہ میں بہت ماہر تھا اور اس فن میں اس کی بہت سی تالیفات ہیں۔ جن میں سے ایک کتاب "الاستکمال والمناظر" ہے۔ اس خاندان میں ابوالقاسم المعتمد علی اللہ بن عباد سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ بڑا شاعر و ادیب تھا۔ یہ کسی ایسے شخص کو اپنا وزیر نہ بناتا تھا جو ادیب و شاعر نہ ہو۔ اس کے وزرا میں مشہور کاتب ابن زیدون اور کاتب ابن عمار ہیں۔ ملوکِ طوائف میں یہ سب سے بڑا تھا۔ جب تک اس نے یوسف بن تاشفین سے مدد نہ لی اس کی حکومت قائم رہی۔ یوسف بن تاشفین نے مدد دینے کے ساتھ ہی اس پر غلبہ بھی حاصل کر لیا اور افریقیہ میں اسے قید رکھا۔ اسی زمانے (۴۸۳ھ) سے اسپین پر بربری قابض ہو گئے اور مرابطین کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس دوٗر میں اندلس افریقیہ کا ماتحت ملک بن گیا۔ اندلس پر یوسف بن تاشفین کی حکومت قائم ہو گئی اور یوسف اور اس کا بیٹا اکابرِ ملوک میں گنا گیا۔ یہ باپ بیٹے علم و ہنر کے بڑے مربّی تھے۔ جو اہلِ علم اُن کے پاس پہنچتا اسے اپنے یہاں جگہ دیتے۔ ان کا دربار بنی عباس کے ممتاز دوٗر سے مشابہ تھا۔ ان کے یہاں بڑے بڑے نامور اہلِ قلم اور شاعر جمع ہو گئے تھے۔ مشہور ہے کہ اہلِ علم کا ایسا اجتماع کسی دوٗر میں نہیں ہوا تھا۔

لیکن ان باپ بیٹوں کے علاوہ مرابطین کے اور لوگ اپنے پیش رووں کا عکس ثابت ہوئے۔ حکومت پر قدرت پاتے ہی ان میں جہالت نے زور کیا اور دینی مسائل میں تعصب بہت بڑھ گیا۔ عقلی و ذہنی قویٰ میں انحطاط پیدا ہوگیا۔ لُغت اور علوم کی ترقی رُک گئی۔ علی بن یوسف بن تاشفین کے زمانے میں مالکی مذہب کے ساتھ تعصب نے بڑی ترقی کی۔ اس خصوصیت میں اتنا غلو ہوا کہ علمِ کلام کی کتابیں رکھنا جُرم قرار پایا۔ عقائد پر بحث و اعتراض کی ممانعت ہوگئی امام غزالیؒ کی کتابیں جلانے کا حکم صادر ہوا۔ اس کے بعد شورش و بدامنی عام ہوگئی۔ ۵۲۰ھ کے بعد سے مسلمانوں کا حال ابتر ہوگیا اور عورتیں عام معاملات میں دخیل ہوگئیں۔ اس کے بعد ہی موحدین کی حکومت وجود میں آئی جو چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں مراکش میں قائم ہوئی تھی۔

موحدین نے اقتدار حاصل کرکے علوم و فنون اور صنائع میں عہدِ بنی اُمیہ کی عظمت تازہ کرنا چاہی چنانچہ اُن کے زمانے میں علما، شعرا اور فلاسفہ کا ایک گروہ بہت نامور ہوا۔ اس خاندان کے اُمرا میں علم کا شوق بہت تھا یعقوب بن یوسف بن عبدالمومن علم دوستی اور علمی مشاغل میں بہت مشہور ہوا۔ یہ کتابیں بہت جمع کرتا تھا مشہور فلیسوف ابنِ رشد سے اس کی لاگ ڈاٹ رہتی اور دونوں علم میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی سعی کرتے تھے۔ ابنِ رشد کا قول ہے کہ "یہ یعقوب ہی تھا جس نے مجھے حکیم ارسطاطالیس کی کتابوں کی تلخیص پر آمادہ کیا۔"

یہاں تک اسلامی اندلس کے تاریخی دوران پر ضروری بحث کی گئی۔ اب مسلمانانِ اندلس کی حیاتِ عقلی پر کچھ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے، مسلمان اندلس میں داخل ہو کر وہاں کے اصل باشندوں میں گھل مل گئے۔ محبت، راہ رسم اور شادی بیاہ کے تعلقات بڑھائے۔ پھر دائرۂ اسلام میں بہت سے غیر عرب بھی داخل ہوئے۔ ان سب کے میل جول سے ایک دوسرا رابطہ وجود میں آیا جو ایک ہی جگہ کے اجتماعی رابطے سے مختلف تھا اور یہ دینی رابطہ تھا۔ خون میں اختلاط ہونے کے ساتھ اس آمیزش کا اثر عقلوں پر بھی ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں ایک نیا عقلی میلان پیدا ہو گیا۔ وسیع اور سرسبز و زرخیز شہروں کی تلاش نے اس جذبے کو اور چمکایا۔ دنیا کسی ایسی قوم کی منتظر تھی جو سابقہ فرسودہ مدنیت کو موت کے چنگل سے چھڑائے اور پھر سے علم و عرفان کا نور برسائے۔ اس عہد میں عرب ہی مدنیت کے مربی و رہ نما بنے۔ انھی نے اس کی نظامت کا شرف حاصل کر کے دنیا کی باگ اپنے ہاتھ میں لینا چاہی۔ مگر وہ خوب جانتے تھے کہ یہ بات عقلوں کے ارتقا اور علوم کی ترقی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ نہ کوئی حکومت علم کے سوا کسی اور بنیاد پر قائم ہو سکتی ہے۔ جو قوم زندہ رہنا چاہتی ہے اس کی زندگی کا سہارا علم ہی ہو سکتا ہے اس لیے عبدالرحمٰن الداخل نے چاہا کہ مغرب میں بنی اُمیہ کی حکومت مشرق میں بنی عباس کی حکومت سے زیادہ استوار ہو اور عظمت و پائے داری میں شامی حکومت سے بڑھ جائے۔ ان کی اسی نیت کا ثمرہ تھا کہ اس عہد میں رفاہیت و مدنیت کے وسائل پیدا ہو گئے۔ عبدالرحمٰن نے

یں تھیں اور کتابوں کی تعداد دو لاکھ جلدوں تک پہنچ گئی تھی۔ ان سب کو افریقیہ، فارس اور دوسرے تمام شہروں سے جمع کیا تھا۔ اس شوق و اہتمام کے اثر سے راعی کا شوق رعایا میں بھی منتقل ہوا اور کتابیں جمع کرنے کا مذاق لوگوں میں عام ہوگیا۔

الحکم علم کا زبردست حامی و معاون تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اس کے باپ عبدالرحمٰن ثالث نے بڑے بڑے کامل و ماہر اساتذہ کی نگرانی میں اسے تعلیم دلائی تھی اور اس وقت کے مشہور فاضل ابو علی قالی اس کی تدریس و تربیت کے ذمے دار تھے۔ جب الحکم برسرِ اقتدار ہوا تو اس نے علامہ احمد بن عبد ربہ صاحب عقد الفرید کی تالیفات اپنے صرفِ خاص سے شائع کرائیں اور قرطبہ کا مذکورۂ بالا کتب خانہ قائم کر کے اپنے بھائی عبدالعزیز کو اس کا محافظ و مہتمم مقرر کیا۔ الحکم اخبار و انساب کا بڑا عالم تھا۔ اسے مطالعے سے بہت محبت تھی۔ مشہور ہے کہ اس کے کتب خانے میں مشکل ہی سے کوئی ایسی کتاب ہوگی جس پر خود الحکم کی کوئی یادداشت یا تحشیہ موجود نہ ہو۔ اس کا دستور تھا کہ وہ کتاب کے مؤلف کا سنہ ولادت و وفات وغیرہ لکھنے کے علاوہ ایسی معلومات درج کرتا جو اس کے سوا اور کہیں نہ مل سکتیں۔ اس نے اپنے یہاں صنعتِ نسخ اور جلد بندی وغیرہ کے بڑے بڑے ماہر جمع کر رکھے تھے اور ان پر بے دریغ دولت خرچ کرتا تھا۔ اس طرح اس کا گھر ایک بیت العلما سے زیادہ مشابہ تھا۔ وہ کتابیں فراہم کرنے کے لیے دور دراز شہروں اور ملکوں میں تجار روانہ کرتا اور کتابیں خریدنے کے لیے انھیں نقد روپیہ دیتا۔ اس کی ان مساعی سے اندلس میں کتابوں کا بے مثل ذخیرہ جمع ہوگیا جو شاہانِ بنی عباس

کے مدتوں کے جمع کیے ہوئے ذخیرے سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ اس نے علم کی ترویج اور نشر و اشاعت کے لیے ہر فن کے علما کی خدمات حاصل کیں۔ ان میں مشہور و معروف وراق بھی تھے جو خوش نویسی اور کتابوں کے ضبط و تہذیب کے فن میں کمال رکھتے تھے۔ اس نے کتاب الاغانی کے مؤلف ابوالفرج اصفہانی کو ایک ہزار دینار زرِ خالص کے بھیجے۔ اس لیے ابوالفرج نے اپنی کتاب خلافتِ بغداد میں پیش کرنے سے پہلے الحکم کے حضور میں روانہ کر دی۔

اسی طرح اور خلفا بھی علما کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ المنصور بن ابی عامر رعیت کے قومی و جذباتی اختلاف سے بے نیاز ہو کر علوم کی اشاعت و ترقی میں سرگرم رہتا تھا۔ مدارس کا خود معائنہ کرتا تھا۔ طلبا سے ملاقات کرتا، اساتذہ کی ستایش کرتا اور تلامذہ کو ان کی محنت پر امداد دیتا تھا۔ علما کی مجالس میں بیٹھ کر بحث و مذاکرے میں حصہ لیتا اور ان میں سے جو بہت زیادہ فاضل و ماہر ہوتے اُنھی کو قاضی، قاری اور خطیب کے عہدوں پر مامور کرتا تھا

ان حالات سے بہ آسانی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ عربوں کی توجہ تعلیم پر سب سے زیادہ تھی۔ وہ جب کوئی قصبہ یا شہر فتح کرتے تو پہلے وہاں مسجد اور مدرسے کی تعمیر شروع کر دیتے۔ صرف عبدالرحمٰن الداخل کے عہد میں قرطبہ میں چار سو نوّے مسجدیں تھیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مذہب اور علم دونوں کو ساتھ ساتھ پھیلانا قوموں کی تہذیب و شایستگی کے لیے لازم ہے۔ ان کی رائے میں جس طرح نفوس کی تربیت دین سے ہوتی ہے اسی طرح عقول کی تربیت علوم و معارف سے ہوتی ہے۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں کا نظام یورپ نے انھی سے اخذ کیا ہے۔

اندلس کے شہروں میں کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں کوئی بڑا مدرسہ موجود نہ ہو بلکہ معمولی قریوں میں بھی قرآن مجید اور نوشت و خواند کی تعلیم کے لیے مدرسے قائم تھے۔ شہری آبادی کا بہت بڑا حصّہ نوشت و خواند سے آگاہ تھا۔ یہ حالات اس وقت کے ہیں جب کہ یورپ کے عوام لکھنے پڑھنے سے قطعاً ناواقف تھے کیوں کہ وہاں تعلیم پادریوں تک محدود تھی۔ علم ان کے گروہ سے باہر نکلنے ہی نہ پاتا تھا۔ بہت بڑھا اور پھیلا تو بعض اُمرا و اغنیا کو تھوڑا بہت پہنچ گیا۔

اندلس کی درس گاہیں علما و فضلا سے معمور تھیں۔ ان کے مدیر و نگراں وہ لوگ ہوتے تھے جن کا مرتبہ تدبّر و تفکّر میں بھی بہت بلند ہوتا تھا۔ ان میں بڑے بڑے مفکّر تھے۔ اندلس کے سربر آوردہ علما و مؤلّفین کی تعداد بہت تھی۔ حافظ ابو محمد ابن حزم نے اپنے ایک طویل رسالے میں ہر علم و فن کے فاضلوں اور مصنّفوں کے نام گنائے ہیں جن میں سے چند کے نام لیے جاتے ہیں۔ مورّخین میں ابو مروان حیان بن خلف (۳۷۷ھ۔ ۴۶۹ھ) بہت زیادہ مشہور ہیں جن کی کتاب المتین او المبین فی تاریخ الاندلس ساٹھ جلدوں میں ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ٹیونس کی جامع زیتونہ میں موجود ہے۔ کتاب المقتبس فی تاریخ الاندلس بھی انھی حیان بن خلف کی تالیف ہے اور دس جلدوں میں ہے۔ اس کا ایک نسخہ ٹیونس اور اکسفورڈ میں ہے۔ قاضی ابوالقاسم صاعد بن احمد طلیطلی بھی مورّخین میں کچھ کم شہرت نہیں رکھتے۔ ان کی کتاب التعریف بہ اخبار علماء الامم من العرب والعجم اور جغرافیے میں کتاب معجم بہت مشہور ہے۔ طبقات الامم بھی انھی کی تالیف ہے جس کا اُردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ منجمین میں

سب سے زیادہ شہرت ابراہیم بن آدم اسرائیلی کو ہوئی جو پانچویں صدی ہجری کے اکابر میں بہت ممتاز تھا۔ انھی میں ایک صاحب کمال جابر اشبیلی ہے جس نے بطلیموس کی کتاب المجسطی کا اختصار کیا۔ ابوالولید محمد بن رشد القرطبی فیلسوف تو گویا بقائے دوام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابن رشد ہی کو سورج میں داغوں کی موجودگی کا خیال پیدا ہوا۔ یہ سب علومِ ہندسہ، مساحت، جبر و مقابلہ اور تمام علومِ ریاضیہ میں کمال رکھتے تھے۔

پانچویں صدی میں ابو محمد علی بن حزم جیسا نامور فلسفی ہوا ہے۔ جس کی کتاب "الفصل بین اہل الاہواء والنحل"، کتاب "اخلاق النفس" اور کتاب "مراتب العلوم" وغیرہ سے کم و بیش ہر اہلِ علم واقف ہے۔ فلاسفہ میں ابن ماجہ سرقسطی بھی ہے جو چھٹی صدی کے لوگوں میں ابن الصائغ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا شمار فلسفہ، ریاضی، طب اور موسیقی کے چوٹی کے عالموں میں تھا۔ انھی میں ابن طفیل بھی ہے جو ابن الصائغ کا معاصر ہے۔ مشہور ہے کہ سب سے پہلے اسی شخص نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ حیوان ترقی کرتے کرتے بہ تدریج انسان بنا ہے۔ ابوالولید بن رشد اسی کا شاگرد تھا جو اندلس کا سب سے بڑا فلسفی کہلایا۔ اس نے طب میں کتابیں لکھیں اور امزجہ و علل اور حمیات پر جالینوس کی بعض مؤلفات کی تلخیص کی۔

اندلس میں طب کی تعلیم کے لیے چار بڑی درس گاہیں تھیں جن میں ہر قوم و ملت کے اساتذہ و تلامذہ موجود تھے۔ یہ چاروں مدرسے قرطبہ، اشبیلیہ، طلیطلہ اور مرسیہ میں تھے۔

اندلس کے اطبا بہت مشہور ہوتے خصوصاً بنو زہر کا گھرانا بہت

نام در ہوا، ابوالعلا بن زہر، ابومروان عبدالملک اور ابوبکر اسی خاندان کے سپوت ہیں۔ انھی عبدالملک نے کتاب التیسیر اور کتاب الاغذیہ تصنیف کی جسے مشرق و مغرب میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے علاوہ ابن البیطار نے جڑی بوٹیوں کی پہچان میں کمال پیدا کیا اور بلادِ یونان و روم اور مغرب کے ملکوں کا سفر کرکے اس فن کے جاننے والے ماہروں سے ملا اور وہ مقامات دیکھے جہاں خاص خاص بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان پر تحقیقات کرکے نتائج مرتب کیے۔ ابوالقاسم خلف بن عباس الزہراوی (۴۰۰ھ) بھی اپنے زمانے کے اطبا میں بہت مشہور تھا۔ یہ کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف کا مصنف ہے۔ خلف بن عباس پہلا شخص ہے جس نے فنِ ولادت میں پہلی مرتبہ کتاب لکھی اور اپنی کتاب میں آلاتِ جراحت کے نقشے درج کیے۔

علمائے لغت و ادب تو اتنی بڑی تعداد میں تھے جن کا شمار ممکن نہیں معلوم ہوتا۔

اس بیان سے اندلس میں علمی و ادبی ترقیوں کا تھوڑا سا خاکہ ذہن میں آسکتا ہے۔ ان لوگوں کے میلاناتِ علمی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور ان کی کثرتِ معلومات اور حضارت و مدنیت کا درجہ سمجھ میں آسکتا ہے۔ اوپر جن علما کا ذکر کیا گیا ہے ان میں زیادہ تعداد ادیبوں اور فقیہوں کی تھی۔ علومِ لغت و دین کی طرف ان کی خاص توجہ تھی اور اس کا سبب یہی تھا کہ ان کی عقلی تربیت انھی دونوں شعبوں پر مبنی تھی۔ اسی لیے مغرب یعنی اندلس اور افریقیہ وغیرہ کے جو علما ریاضی اور طبیعیات میں خصوصی مہارت رکھتے تھے ان میں سے بیشتر لغت و دین میں بھی

بہت مشہور تھے۔ مثلاً ابو عبیدہ مسلم بن احمد جو ابن السمینہ کے نام سے مشہور ہے اور قرطبہ کا رہنے والا ہے، حساب و نجوم میں باکمال ہونے کے علاوہ نحو، لغت، عروض، معانیِ شعر، فقہ، حدیث، اخبار وجدل میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ حافظ ابوالولید ہشام، ہندسہ، آرائے حکما، نحو، لُغت، معانیِ شعر، عروض، صناعتِ کتابت، فقہ، شروط اور علم الفرائض اپنے زمانے کے لوگوں میں سب سے زیادہ جانتے تھے۔ چوں کہ فنونِ شرعیہ اور علوم لغت پر ہی ان کی عقلی تربیت کا اساس تھا اسی لیے ان میں کوئی عالم، فیلسوف یا منجم ایسا نہ ملے گا جو شعر، عروض اور لغت کا علم نہ رکھتا ہو۔ ان کی نظم و نثر میں جہاں بلاغت کے اعلیٰ نمونے نظر آتے ہیں وہیں اس علمی و فلسفی تربیت کی نشانیاں بھی بہت واضح معلوم ہوتی ہیں۔

عربی زبان اور اس کے آداب ملک کے ہر گوشے میں شائع ہو چکے تھے اور ہر خاص و عام کو بیان کا ملکہ حاصل تھا۔ ایک مورخ کا قول ہے:۔

"اسپین کے لوگوں نے لاطینی زبان ترک کر دی۔ عربی لغت و آداب میں اتنے محو ہوئے کہ جو کچھ لکھتے تھے عربی ہی میں لکھتے تھے یہاں تک کہ ان میں سے ایک مشہورِ عالم کو شکایت کے انداز میں کہنا پڑا "ہمیں عربی ہی کے شعر اور افسانے پسند آتے ہیں ہم دینی مسائل اور اسلامی فلسفہ اس لیے عربی میں پڑھتے ہیں کہ ہمیں پاکیزہ زبان اور بلیغ عبارت پر قابو مل جائے اور ہم بھی اسی طرح لکھنے پڑھنے لگیں۔ عنقریب ہم میں سے لاطینی زبان میں کتبِ مقدسہ پڑھنے والے ناپید ہو جائیں گے

ہمارے جتنے ذکی نوجوان ہیں عربی زبان و عربی آداب کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں۔ وہ عربی کتابیں پڑھتے ہیں اور بڑی توجہ کے ساتھ ان کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ان کتابوں سے زیادہ شغف ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عربوں ہی کے آداب کو پسند کرنے لگتے ہیں۔ اگر ان سے کسی لاطینی کتاب کا ذکر کیا جائے تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ کتاب لائق التفات نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عیسائی اپنی زبان بھول بیٹھے۔ اب ہزاروں میں سے ایک بھی ایسا بمشکل ملے گا جو لاطینی زبان میں ایک رسالہ لکھ سکے۔ برخلاف اس کے جب عربی میں لکھنے بیٹھتے ہیں تو ان میں سے بہت سے ایسے مل جاتے ہیں جو بلیغ عبارتیں شایستہ اسلوب کے ساتھ لکھنے میں خود عربوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ شعر گوئی اور قافیہ پیمائی میں بھی عربوں سے پیچھے نہیں رہتے"۔

اس صورت سے عربی الفاظ اسپین کی زبان میں داخل ہو گئے اور ملکی زبان کی شکل بدل دی۔ شارل رچارلس) کے زمانے میں جسے عرب شارل الصلع (گنجا) کے نام سے یاد کرتے ہیں اسپینی زبان نے ایک نیا لہجہ پیدا کر لیا تھا۔ جیسیں فرماریس کیلی لکھتا ہے:-

"نویں صدی کے اوائل میں عربی زبان ہی سرکاری و دفتری زبان تھی۔ اسی زمانے میں اہلِ اشبیلیہ کے ایک پادری نے اپنے شاگردوں کے لیے تورات کا عربی میں ترجمہ کیا تو اس کے ایک ہم مذہب عالم نے اسے تہمت لگائی کہ "تم عربی زبان کی نشر و اشاعت میں مدد دیتے ہو اور لاطینی ترک کرا رہے ہو" قرطبہ اور طلیطلہ میں ایک زمانۂ دراز تک یہی حالت رہی یہاں تک کہ پادری لاطینی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے

کنیسہ کی کتابیں عربی زبان میں منتقل کرنے پر مجبور ہوئے۔ گیارھویں صدی ہجری کے اواخر یعنی ۱۰۸۵ء میں الفانسو ششم کے طلیطلہ پر قابو پانے کے بعد تک یہی حالت رہی۔

کانڈے کے اس کلام سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ " اہلِ اسپین کا ادب عرب کے ادب سے ماخوذ اور متاثر ہے۔ بلاشبہ اہلِ اسپین اپنے آداب، زبان اور علوم فلسفیہ میں عربوں کے رہینِ منت ہیں "

ادب اور موسیقی وغیرہ کے فنون میں ان کا اہتمام بہت مشہور رہا۔ تفریح اور لہو ولعب کے اوقات اور خلفا و اُمرا کی مجالس میں انھیں ان چیزوں کی بہت حاجت تھی۔ یہ فنون ان کے لیے بہت آسان اور ان کے مذاق وطبیعت کے لیے بہت محبوب و مرغوب تھے۔

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ کتاب زیرِ نظر (اخبارِ مجموعہ) کی حدود کو ملحوظ رکھا جائے تو ہمیں اپنا مقدمہ بھی " الناصر " کے دور پر ختم کر دینا چاہیے تھا مگر کچھ تو حکایت کی لطافت نے بیان میں درازی پیدا کر دی اور کچھ اس خیال نے کہ اگر اصل کتاب اندلس کے پورے اسلامی دور کا خاکہ پیش کرنے سے قاصر ہے تو کم از کم مقدمہ نگار ہی اس کی ہلکی سی جھلک دکھانے کی سعی کرے، اس افسانے کو کسی قدر بڑھا دیا۔ امید ہے کہ قارئین اسلامی اندلس کا تصور اپنے ذہن میں کسی حد تک قائم کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

اب اندلس کی تواریخ پر ایک سرسری نظر ڈال کر خود کتاب زیرِ نظر کی اہمیت پر توجہ دلانا اور اس کے متعلق چند ضروری امور لکھنا باقی ہے۔

اندلس کی ابتدائی تاریخ پر جو تصانیف بہم ہو سکتی ہیں ان میں

سب سے بڑی اور اہم چیز "المکتبۃ الاندلسیہ" ہی جو کئی مختلف کتابوں کا مجموعہ ہی۔ اس کی نسبت "یوسف الیان سرکس" نے معجم المطبوعات العربیہ (جلد سوم صفحہ ۱۷۸۳۔ صفحہ ۱۷۸۴) میں لکھا ہی کہ "یہ بعض اندلسی عرب علما کی تالیفات کا مجموعہ ہی جسے استاذ کودیرا اسپینی نے جمع کیا ہی۔ یہ مجموعہ ۱۸۸۳ء سے ۱۸۹۲ء تک مجریط (میڈرید) میں شائع ہوا ہی۔ اس میں حسبِ ذیل کتابیں شامل ہیں:۔

۱۔ کتاب الصلہ فی تاریخ ائمۃ الاندلس و مشاہیرہم (لابن بشکوال) ۲ جلدوں میں۔

۲۔ کتاب التکملۃ لکتاب الصلۃ (لابن الابار) ۲ جلدوں میں

۳۔ المعجم فی اصحاب الامام القاضی ابی علی الصدفی (لابن الابار) ایک جلد میں۔

۴۔ کتاب بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال الاندلس (لابن عمیرۃ الضبی) ۲ جلدوں میں۔

۵۔ کتاب تاریخ علماء الاندلس (لابن الفرضی) ۲ جلدوں میں۔

۶۔ فہرست مارواہ عن شیوخہ ابن خلیفۃ الاشبیلی الاموی ۲ جلدوں میں"

یہ نادر مجموعہ واقعی نادر ہی اور مشکل سے ہندستان میں گنتی کے خوش نصیب اہلِ علم اس کے خزینہ دار ہوں گے۔ غالباً ایک ہی ایڈیشن نکلا اس کے بعد طبع ہونے کی نوبت نہ آئی۔

اس کے بعد ابوالعباس احمد بن محمد یا علامہ مقری کی مشہور تصنیف نفح الطیب ہی جو اندلس کی سب سے بڑی تاریخ ہی۔ اس کا ذکر مقدمے میں بھی آچکا ہی۔ ان کے علاوہ المراکشی کی معجب ابن اثیر کی

تاریخ کامل اور ابن خلدون کی تاریخ میں بھی اندلس کے حالات ملتے ہیں۔ ابن خلدون نے الدول الاسلامیہ بالمغرب کے نام سے ایک مستقل تاریخ بھی دو جلدوں میں لکھی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسلامی اندلس کے ابتدائی واقعات جس شرح وبسط کے ساتھ "اخبارِ مجموعہ" میں ہیں کسی اور کتاب میں نہیں ملتے اور یہی اس کتاب کا نمایاں ترین امتیاز ہے۔

ابن عذاری المراکشی کی کتاب البیان المُغرب، ابن الابار کی کتاب "اخبار دولت بنی الاغلب، لسان الدین ابن الخطیب الغرناطی کی کتاب "الاحاطہ فی اخبار غرناطہ، ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم زرکشی کی کتاب تاریخ "دولۃ الموحدیہ" اور احمد بن زینی دحلان (المتوفی سنہ ۱۳۰۴ھ) سے بھی اندلس کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے مگر اس واقعے کی تردید ممکن نہیں کہ سنہ ۱۳۰ھ سے پہلے خصوصاً دولتِ بنی اُمیہ کے قیام کے سلسلے میں جو واقعات پیش آئے ان کا سب سے زیادہ احصا اسی اخبار مجموعہ نے کیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اخبارِ مجموعہ اسلامی اندلس کے ابتدائی سلسلۂ تاریخ کی سب سے زیادہ اہم کڑی ہے۔

کتاب زیرِ ترجمہ کا پورا نام " اخبارِ مجموعہ فی فتح الاندلس وذکر امرائہا رحمہم اللہ والحروب الواقعۃ بہا بینہم " ہے۔ یہ سنہ ۱۸۶۷ء میں شہر مجریط میں طبع ہوئی ہے۔ جس مطبع میں چھپی ہے اس کا نام مطبع ربَدَ نیرَ ہے۔

اس کتاب کے ساتھ اس کا اسپینش ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔ جو دو سو پینسٹھ صفحات میں ہے۔ اس ترجمے میں دیباچہ، مقدمہ، حواشی، انڈکس وغیرہ سب کچھ ہے مگر افسوس ہے کہ ہم اس سے استفادہ نہ کر سکے۔

اس کتاب کے مصنّف کا کوئی حال معلوم نہ ہو سکا۔ سرورق پر کسی مُصنف کا ذکر ہی نہ دیباچے وخاتمے میں۔ صاحب معجم المطبوعات العربیہ نے لافوانتی القنطری الامیلو Lafuente j Alcantera Emilia المتوفی ۱۸۶۸ء کا ذکر کرکے اس کی طرف جو دو کتابیں منسوب کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہی۔ مگر اس کی کوئی توضیح نہیں کہ لافوانتی القنطری اس کتاب کا مؤلف ہی یا مرتب۔ جہاں تک کتاب کی ہیئت اور تحتانی حواشی پر تصحیح اور اختلافِ نسخ کی تشریح دیکھ کر رائے قائم کی جاسکی وہ یہی ہی کہ لافوانتی موصوف اس کا مؤلف نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب کا طرزِ انشا چوتھی صدی ہجری سے ادھر کا نہیں معلوم ہوتا[1]۔

مجھے اس کتاب کے ترجمے کی طرف میرے محترم بزرگ دبیر الانشا میر دبیر ماسٹر ولی محمد صاحب سکریٹری اسٹیٹ کونسل بھوپال مصنف سفرنامۂ اندلس نے توجہ دلائی جنھیں اسلامی اندلس کے ساتھ والہانہ شغف ہی اور جو اسی شوق کی تسکین کے لیے اندلس کی سیاحت بھی فرما چکے ہیں۔ 'اندلسیات' پر ان کے پاس جتنا ذخیرہ موجود ہی شاید گنتی کے اہلِ ذوق اس کی نظیر پیش کر سکیں گے۔ ماسٹر صاحب ممدوح نے بھی 'اخبارِ مجموعہ' کے مصنف کی نسبت یہی خیال ظاہر فرمایا تھا کہ

---

[1] اس مقدمے کی تکمیل کے بعد اتفاقاً دائرۃ المعارف الاسلامیہ محمد ثابت الفندی وابراہیم زکی خورشید وغیرہ کی مرتبہ مطالعے میں آئی اس کے صفحہ ۵۰۹ بہ ذیلِ مادہ "اخبارِ مجموعہ" لکھا ہی۔ یہ تاریخ کی ایک کتاب کا نام ہی جس کے مؤلف کا حال معلوم نہیں اور جو گیارھویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتا ہی۔

کہ اس کا اب تک پتا نہ چل سکا۔

بہ ہر حال بہت سے علمی حلقے اس کتاب کی اہمیت کے معترف ہیں اور یہ کتاب تاریخِ اندلس کی ممتاز کتابوں کا ماخذ بنی ہوئی ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ ماسٹر صاحب کی رہ نمائی سے مستفید ہوا۔ وقتاً فوقتاً ان کے گراں قدر مشوروں سے فائدہ اُٹھایا اور ایسے گنجِ نایاب کو عام نگاہوں کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو سکا۔

چوں کہ اس کتاب میں متعدد مقامات ایسے ہیں جن میں بڑی حد تک اختصار کو ملحوظ رکھا گیا اس لیے 'تعلیقات' میں ان کی ضروری توضیح کر دی گئی۔ 'تعلیقات' میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کی فہرست شروع میں درج ہے۔ مقدمے کی تیاری میں معجم المطبوعات، جغرافیۂ اندلس، بلاغۃ اہل الاندلس اور تاریخ اسلام (مولانا اکبر شاہ خاں صاحب) کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

کتاب کی افادیت بڑھانے کے لیے تاریخی جغرافیۂ اندلس مؤلفہ مولوی عنایت اللہ صاحب سے والیانِ اندلس کی ایک فہرست اور اندلس کے دو نقشے شامل کر دیے گئے ہیں۔ اموی اُمراو خلفائے اُندلس کی ایک فہرست اور شجرۂ نسب طبقاتِ سلاطینِ اسلام (اسٹینلی لین پول) سے اخذ کر کے کتاب میں درج کر دیا ہے تاکہ تاریخ اندلس کے شائق کم وقت میں زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں۔

ان سطور کے آخر میں معظمی ماسٹر ولی محمد صاحب، صدیق مکرم ابو حمزہ سید زبیر صاحب حسنی، مولانا سید طلحہ صاحب ام۔ اے، مولوی عبدالقدوس صاحب ندوی کا دلی شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں

جن کی رہ نمائی اور رفاقت سے یہ کتاب نظرِ ثانی وغیرہ مراحل سے گزر کر موجودہ ہیئت اختیار کر سکی۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کوشش کو مشکور فرمائے اور کتاب کو حسنِ قبول عطا فرمائے۔ فقط

محمد زکریا، مائل

فہرست والیانِ اُندلس

نمبر شمار	نام	تاریخ ختم عہدِ حکومت	کیفیت
۱	طارق بن زیاد	جمادی الاول ۹۳ھ تک	شوال ۹۲ھ میں والی ہوئے تھے۔
۲	موسیٰ بن نصیر	ذی الحجہ ۹۵ھ	
۳	عبدالعزیز بن موسیٰ	ذی الحجہ ۹۷ھ	ان تینوں کا دارالحکومت اشبیلیہ تھا، ایوب بن حبیب کو اسلامی افواج نے منتخب کیا۔
۴	ایوب بن حبیب اللخمی	ذی الحجہ ۹۸ھ	
۵	الحر بن عبدالرحمٰن الثقفی	رمضان ۱۰۰ھ	
۶	السمح بن مالک الخولانی	ذی الحجہ ۱۰۲ھ	دارالحکومت قرطبہ مقرر رہا۔
۷	عبدالرحمٰن الغافقی	صفر ۱۰۳ھ	اسلامی افواج مقیم اندلس نے مقرر کیا۔
۸	عنبسہ بن سحیم الکلبی	شعبان ۱۰۷ھ	
۹	عذرہ بن عبداللہ الفہری	شوال ۱۰۷ھ	
۱۰	یحییٰ بن سلمۃ الکلبی	ربیع الثانی ۱۰۸ھ	
۱۱	عثمان بن ابی عبدہ	شعبان ۱۰۹ھ	اسلامی فوج مقیم اندلس نے مقرر کیا
۱۲	عثمان بن ابی نسعۃ الخثعمی	ربیع الاول ۱۱۰ھ	
۱۳	حذیفہ بن الاحوص قیسی	محرم ۱۱۱ھ	
۱۴	الہیثم بن عبید الکلبی	جمادی الاول ۱۱۳ھ	
۱۵	محمد بن عبداللہ الاشجعی	شعبان ۱۱۳ھ	
	عبدالرحمٰن الغافقی	رمضان ۱۱۴ھ	دوبارہ امیر مقرر ہوئے۔
۱۶	عبدالملک بن قطن الفہری	رمضان ۱۱۶ھ	
۱۷	عقبہ بن الحجاج السلولی	صفر ۱۲۳ھ	

نمبر شمار	نام	تاریخ ختم عہدِ حکومت	کیفیت
	عبدالملک بن قطن الفہری	ذی قعدہ سنہ ۱۲۳ھ	دوبارہ فوج کے انتخاب سے والی ہوئے
۱۸	بلج بن بشر القشیری	شوال سنہ ۱۲۴ھ	
۱۹	ثعلبہ بن سلامۃ العاملی	رجب سنہ ۱۲۵ھ	
۲۰	ابوالخطار حسام بن ضرار الکلبی	رجب سنہ ۱۲۷ھ	
۲۱	ثوابہ او رصمیل بن حاتم (ذنوبی)	ربیع الثانی سنہ ۱۲۹ھ	
۲۲	یوسف بن عبدالرحمن الفہری	ذی الحجہ سنہ ۱۳۸ھ	

(از جغرافیۂ اندلس)

اموی اُمرا و خلفائے اندلس کی فہرست

نمبر شمار	نام	سالِ تخت نشینی	کیفیت
۱	عبدالرحمٰن اوّل (الداخل)	سنہ ۱۳۸ھ بمطابق ۷۵۶ء	امیر کا لقب اختیار کیا
۲	ہشام اوّل	سنہ ۱۷۲ھ بمطابق ۷۸۸ء	"
۳	حکم اوّل	سنہ ۱۸۰ھ بمطابق ۷۹۶ء	"
۴	عبدالرحمٰن ثانی	سنہ ۲۰۶ھ بمطابق ۸۲۲ء	"
۵	محمد اوّل	سنہ ۲۳۸ھ بمطابق ۸۵۲ء	"
۶	منذر	سنہ ۲۷۳ھ بمطابق ۸۸۶ء	"
۷	عبداللہ	سنہ ۲۷۵ھ بمطابق ۸۸۸ء	"
۸	عبدالرحمٰن ثالث (الناصر)	سنہ ۳۰۰ھ بمطابق ۹۱۲ء	خلیفہ کا لقب اختیار کیا
۹	حکم ثانی (المستنصر)	سنہ ۳۵۰ھ بمطابق ۹۶۱ء	"
۱۰	ہشام ثانی (المؤید)	سنہ ۳۶۶ھ بمطابق ۹۷۶ء	"
۱۱	محمد ثانی (المہدی)	سنہ ۳۹۹ھ بمطابق ۱۰۰۹ء	

نام	سال تخت نشینی	کیفیت
۱۲- سلیمان (المستعین)	۴۰۰ھ = ۱۰۰۹ء	
۱۳- محمد ثانی (مکرر)	۴۰۰ھ = ۱۰۱۰ء	دوبارہ خلیفہ ہوا
۱۴- ہشام ثانی (مکرر)	۴۰۰ھ = ۱۰۱۰ء	"
۱۵- سلیمان (مکرر)	۴۰۳ھ = ۱۰۱۳ء	"
۱۶- علی بن حمود	۴۰۷ھ = ۱۰۱۶ء	غیر خاندان کا شخص ہے، بنی حمود سے متعلق ہے
۱۷- عبدالرحمٰن رابع (المرتضیٰ)	۴۰۸ھ = ۱۰۱۸ء	اموی ہے
۱۸- قاسم بن حمود	۴۰۸ھ = ۱۰۱۸ء	حسب نوٹ نمبر ۱۶
۱۹- یحییٰ بن علی	۴۱۲ھ = ۱۰۲۱ء	"
۲۰- قاسم بن حمود (مکرر)	۴۱۳ھ = ۱۰۲۲ء	" دوبارہ فرماں روائی حاصل کی
۲۱- عبدالرحمٰن خامس (المستظہر)	۴۱۴ھ = ۱۰۲۳ء	اموی ہے
۲۲- محمد ثالث (المستکفی)	۴۱۴ھ = ۱۰۲۴ء	"
۲۳- یحییٰ بن علی (مکرر)	۴۱۶ھ = ۱۰۲۵ء	حسب نوٹ نمبر ۱۶ دوبارہ فرماں روا ہوا
۲۴- ہشام ثالث (المعتمد)	۴۱۸ھ = ۱۰۲۷ء	اموی ہے
	۴۲۲ھ = ۱۰۳۱ء	

(از طبقاتِ سلاطینِ اسلام (سٹینلی لین پول))

(از طبقاتِ سلاطینِ اسلام مترجمۂ عباس اقبال)

مروی ہے کہ جب لوگ مصائب و فتن میں مبتلا تھے اور عبدالملک[51] ابن مروان کی توجہ عبداللہ ابن[52] زبیر، ابن الاشعث[53] اور ازارقہ[54] وغیرہ کی مدافعت پر مبذول تھی تو رومیوں، کردوں اور بچے کھچے ایرانیوں نے قوت پکڑ لی اور بہت سے شہر جو ان کے ہاتھ سے نکل گئے تھے دوبارہ فتح کر لیے اور اہلِ شام کو وہاں سے نکال دیا۔ جب عبدالملک کو مذکورۂ بالا مہمات سے فرصت ملی تو اس نے کئی شہر سعی و کوشش سے فتح کر لیے اور ایرانیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ مگر بیش تر شہروں پر قبضہ نہیں ملا۔ عبدالملک کے بعد ولید[55] نے اپنے عہد میں اس مہم پر فوجیں روانہ کیں اور روم کے مفتوحہ شہر جو دشمنوں کے قبضے میں چلے گئے تھے دوبارہ فتح کر لیے بلکہ ان شہروں کے علاوہ دوسرے نئے مقامات پر بھی فوج کشی کی۔ پھر خراسان کے شہر بھی جو ہاتھ سے نکل گئے تھے دوبارہ تسخیر کیے بلکہ فتوحات کو اتنی وسعت دی کہ تمام ملک اس کے قبضے میں آ گیا۔ کردوں کے علاقے کے سوا جو نہایت دشوار گزار تھا ایران کا کوئی حصہ فتح ہونے سے باقی نہ رہا۔

افریقیہ[۱] کی سرحد دوسری سرحدوں کے مقابلے میں زیادہ اہم تھی اس علاقے میں عقبہ بن[۲] نافع حادثی الفہری نے قیروان[۳] کی بنا ڈالی تھی اور وہاں ایک قلعہ تعمیر کیا تھا یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں عبداللہ[۴] بن سعد ابی سرح عامری لوی کی طرف سے افریقہ کے عامل تھے۔ اس انتظام کے بعد عقبہ نے فتوحات کے لیے قدم بڑھائے جس طرف سے گزرے فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے یہاں تک کہ ٹیونس[۵] اور سبرہ[۶] تک پہنچ گئے۔

اس دوران میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ملک میں بہت سے فساد پیدا ہو گئے تھے چناں چہ جب صوائف (افواج موسمِ گرما) کا افریقیہ کو جانا بند ہوا تو اہلِ بربر نے از سرِ نو زور پکڑ لیا بڑی دشواریوں کے بعد کہیں ان فتنوں سے نجات ہوئی تو حضرت معاویہؓ کے عہد میں صوائف کا سلسلہ جاری ہو گیا اور افریقیہ کی حالت سنبھل گئی۔ ۶۳ھ میں حضرت عقبہ ابن نافع نے طنجہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت عقبہ یزید[۷] ابن معاویہ کی طرف سے الجزیرہ[۸] کے گورنر تھے۔

اس جنگ میں حضرت عقبہ کو ایک زبردست بربری قبیلے سے سابقہ پڑا جس کا نام اوربہ تھا۔ اس قبیلے نے سخت مقابلہ کیا۔ حضرت عقبہ[۹] جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور ان کی فوجیں شکست کھا کر پسپا ہوئیں اس کے بعد ہی حضرت ابن زبیرؓ کا قضیہ اور دوسرے فسادات اُٹھ کھڑے ہوئے۔ عبدالملک نے ان فتنوں سے بہ مشکل تمام فراغت پائی۔ عبدالملک کے بعد جب ولید تخت نشین

ہوا اور اس نے افریقیہ کی سرحدی اہمیت پر نظر کی تو موسیٰؑ بن نُصیر کو بلایا وہ بنی اُمیہ کے غلام اور ان غیر مسلم رئیسوں کی اولاد سے تھے جو حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں عین التمر میں اسیر ہوئے تھے اور بیان کرتے تھے کہ ہم بکر بن وائل کے قبیلے سے ہیں
موسیٰ بن نصیر عبدالعزیز ابن مروان کے غلام تھے۔ عبدالعزیز نے انھیں آزاد کر کے ۸۸ھ میں افریقیہ وغیرہ کی مہم پر مامور کر کے مجاہدوں کی ایک مختصر جماعت کے ہمراہ افریقیہ روانہ کر دیا۔ شام کا لشکر ان کے ساتھ نہیں کیا صرف مصر و افریقیہ کے لشکر اور مسلمان مجاہدین کے گروہ کو کافی سمجھا۔

موسیٰ بن نصیر خلیفہ سے رخصت ہو کر مصر آئے اور وہاں کی فوج کے کچھ دستے ساتھ لے کر افریقیہ پہنچے وہاں سے بھی بہادروں کی ایک جماعت ساتھ لی۔

ہراوُل پر طارقؓ ابن زیاد کو مامور کیا۔ ان تیاریوں کے بعد موسیٰ بربروں سے جنگ کرتے اور ان کے شہروں پر قبضہ کرتے ہوئے طنجہ تک پہنچ گئے جو بلادِ بربر کا سب سے بڑا اور صدر مقام تھا۔

بالآخر طنجہ بھی جو پہلے فتح نہیں ہوا تھا تسخیر ہو گیا۔ بہ قولِ بعض طنجہ پہلے فتح ہو کر ہاتھ سے نکل چکا تھا واللہ اعلم۔ غرض ان فتوحات کے بعد اہلِ طنجہ نے موسیٰ کی اطاعت قبول کر لی موسیٰ نے طنجہ میں چھاؤنی بنا کر مسلمانوں کو وہاں آباد کیا۔ ۸۹ھ میں ولید کو تمام حالات سے مطلع کیا۔

اس کے بعد موسیٰؑ نے اور قدم بڑھائے اور ساحلِ بحر کے شہر

فتح کرنے چاہے۔ ان میں شاہِ اندلس کی طرف سے حاکم مقرر تھے مگر اب وہ اپنی اپنی جگہ خود مختار ہو گئے تھے۔ ان تمام شہروں کی ناک شہر سبتہ تھا، سبتہ اور اس کے مضافات پر ایک اندلسی سردار یلیان حکومت کرتا تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے یلیان سے جنگ کی تو انھیں اس کے بے مثل ساز و سامان، طاقت و دلیری کا اندازہ ہوا۔ مقابلے کی طاقت نہ دیکھ کر طنجہ واپس ہوئے اور آس پاس کے علاقے میں لوٹ مار کرتے رہے۔

اندلس والوں کی کشتیاں سبتہ والوں کی مدد کے لیے برابر چکر لگاتی اور ذخائر رسد مہیا کرتی رہتی تھیں ان لوگوں کو اپنے ملک سے بڑی محبت تھی اپنے ناموس کی حفاظت کے لیے سختی سے مقابلہ کرتے تھے مگر فیطشہ شاہِ اندلس کی وفات کے بعد یہ زور شور کم ہو گیا۔

فیطشہ نے جو اولاد چھوڑی ان میں ششبرت اور ابتہ بھی تھے اہلِ ملک نے انھیں پسند نہیں کیا انجام کار اندلس میں تفرقے کی بنا پڑ گئی۔ شیرازۂ نظم پراگندہ ہو گیا۔ بالآخر سب نے اپنی خوشی سے ایک بہادر جنگ جو سردار کو جس کا نام رذریق تھا بادشاہ بنا لیا۔ رذریق گو اندلس کے شاہی خاندان سے نہیں تھا لیکن ایک مشہور شہ سوار اور نام ور سردار تھا۔

اندلس کے تمام اُمرا کا دستور تھا کہ وہ اپنی اولادِ ذکور و اناث کو طلیطلہ کے قصرِ شاہی میں بادشاہ کی خدمت کے لیے بھیج دیتے تھے۔ بادشاہ کی خدمت ان لوگوں کے سوا کوئی ادا نہیں کرتا تھا یہ لوگ بالغ ہونے تک یہیں رہتے اور آدابِ سلطنت کی تعلیم

حاصل کرتے تھے۔ بلوغ کے بعد بادشاہ ان کی شادیاں کرادیتا اور تمام مصارف کا خود کفیل ہوتا تھا۔

رذریق کے عہد میں بلیان کی لڑکی بھی اسی رواج کے مطابق محل سرا میں داخل ہوئی۔ رذریق اس پر فریفتہ ہوگیا اور ناجائز تصرف کر بیٹھا۔ کسی نے اس واقعے کا حال بلیان کو لکھ دیا۔ بلیان کو نہایت صدمہ ہوا اور اس نے دل میں قسم کھائی کہ جب تک رذریق کے ملک کو تباہ کرکے اُسے دفن نہ کردے گا، چین سے نہ بیٹھے گا۔ اس کے بعد اس نے موسیٰ کی اطاعت قبول کی موسیٰ کو اپنے علاقے میں لے آیا اور اپنے لیے قابلِ اطمینان عہد و پیمان کرکے پھر اندلس کی بے حد تعریفیں کیں اور موسیٰ کو مشتاق بنا کر تسخیرِ اندلس پر آمادہ کرلیا۔ یہ واقعہ سنہ ۹۰ھ کے بعد کا ہے۔

اب تک جو فتوحات ہو چکی تھیں، موسیٰ نے ان کی کیفیت اور بلیان کی دعوت کا حال ولید کو لکھ بھیجا۔ ولید نے جواب میں لکھا "بہتر ہے ابتداءً معمولی فوج کے ساتھ اندلس میں داخل ہو تاکہ صحیح حال معلوم ہو مگر مسلمانوں کو خوف ناک سمندر میں ڈال کر دھوکا نہ دو"۔ موسیٰ نے پھر لکھا "وہ سمندر نہیں ہے بلکہ ایک خوش نما خلیج ہے"۔ ولید نے جواب دیا "اگر یہ صحیح ہے تو بھی تھوڑی فوج کے ساتھ داخل ہو کر صحیح حالات معلوم کرو"۔

چناں چہ موسیٰ نے پہلے غلاموں میں سے ایک شخص طریفؒ کو بھیجا جس کی کنیت ابوزرعہ تھی۔ چار سو پیادے اور سو سوار اس کے ساتھ کیے یہ سب چار کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے اور اس جزیرے

میں پہنچے جسے جزیرۂ اندلس کہتے تھے۔ یہ جزیرہ اہلِ اندلس کا کشتی گھر تھا اور اسی میں کشتیاں بنانے کے کارخانے بھی تھے۔ جب طریف یہاں پہنچا تو اس جزیرے کو اُسی کے نام سے منسوب کرکے جزیرہ طریف کہنے لگے۔

جب تک طریف کے سب ساتھی نہ آگئے وہ اس جزیرے میں ٹھیرا رہا بعد ازاں اہلِ جزیرہ پر حملہ آور ہوا اور بہت سا مالِ غنیمت اور قیدی ساتھ لے کر صحیح سلامت واپس ہوا۔ یہ مال اتنا گراں قدر اور زیادہ تھا کہ موسیٰ نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ یہ واقعہ رمضان ۹۱ھ کا ہے۔

اس فتح سے موسیٰ کے حوصلے بڑھ گئے اور اب لوگوں نے فتح اندلس کے لیے عجلت کی۔ موسیٰ نے اپنے غلام طارق بن زیاد کو بلایا جو ہراول کے افسر تھے۔ طارق ایک ہمدانی سپاہی تھے اس میں اختلاف ہے کہ طارق موسیٰ کے آزاد کردہ غلام تھے یا قبیلہ صدف کے موالی سے تعلق رکھتے تھے۔ بہرحال موسیٰ نے طارق کو سات ہزار مسلمانوں کی جمعیت سے جزیرۂ اندلس پر چڑھائی کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس لشکر میں زیادہ تر بربری اور موالی (آزاد کردہ غلام) تھے۔ عرب برائے نام تھے ان لوگوں کے پاس صرف چار کشتیاں تھیں انھی کشتیوں میں یہ لوگ سوار ہوکر کئی پھیروں میں پہنچے۔ سمندر کے کنارے ایک دشوار گزار پہاڑی کو جائے پناہ قرار دے کر سب اکٹھے ہوگئے۔ یہ داخلہ ۹۲ھ میں ہوا۔

رذریق کو جب طریف کی غارت گری کا علم ہوا تو اس نے

اس واقعے کو بہت اہمیت دی اس وقت وہ بنلونہؓ کی جنگ میں مشغول تھا چناں چہ طریف کے حملے کا حال سُن کر وہاں سے پلٹا مگر جب طارق کے اندلس میں داخل ہونے کا علم ہوا تو اس نے خاطرخواہ توجہ کی اور پوری تیاری کے ساتھ فوجیں جمع کیں جن کی مجموعی تعداد کم و بیش ایک لاکھ تھی۔ طارق نے یہ خبر سُن کر موسیٰ کو فتح جزیرہ کی اطلاع دیتے ہوئے کمک طلب کی اور لکھا کہ الجزیرہ اور البحیرہ پر قبضہ ہو چکا ہے مگر اب شاہِ اندلس اتنا زبردست لشکر لے کر بڑھ رہا ہے کہ ہم میں مقابلے کی طاقت نہیں۔

موسیٰ نے جس وقت طارق کو اس طرف روانہ کیا تھا اسی وقت سے کشتیاں تیار کرانی شروع کر دی تھیں جو اب بڑی تعداد میں بن چکی تھیں۔ چناں چہ موسیٰ نے اسی وقت پانچ ہزار سپاہی بھیج دیے اس طرح اندلس میں طارق کے پاس بارہ ہزار مسلمانوں کی جمعیت ہوگئی اس وقت ان کے پاس بے شمار قیدی جمع ہو چکے تھے علاوہ ازیں یلیان بھی شہر والوں کی ایک جماعت کے ساتھ مسلمانوں کے پاس آ پہنچا تھا اور ان کو مخفی دشمنوں کے غیر مستحکم مقامات بتاتا تھا۔ اور ان کے لیے خبریں فراہم کرتا تھا۔

رذریقؓ اندلس کے سرداروں اور شہزادوں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے میں صف آرا ہوا مگر جب مسلمانوں کی تعداد، ان کی باخبری اور ہوش مندی کا پتا چلا تو رذریق کے لوگوں نے آپس میں مشورہ کرکے کہا کہ "رذریق خبیث ہمارے ملک پر خواہ مخواہ مسلط ہو گیا حالاں کہ شاہی خاندان سے اسے کوئی تعلق نہیں یہ تو ہمارے

یہاں کے کمینوں میں سے ہے۔ رہے یہ مسلمان، تو ان کو ہمارے وطن میں رہنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں یہ تو صرف اپنی مٹھیاں گرم کرنا چاہتے ہیں ان کا مطلب پورا ہو جائے گا تو چلے جائیں گے۔ اس لیے مقابلے کے وقت ہمیں اس خبیث کو زک دینے کے لیے خود شکست کھانی چاہیے"۔

چناں چہ اس پر سب نے اتفاق کر لیا۔ رذریق نے ششبرت کو میمنہ پر اور ابتہ کو میسرہ پر مقرر کیا تھا۔ یہ دونوں[۵] غیطشہ سابق شاہ اندلس کے بیٹے اور شکست کی سازش کرنے والوں کے سرغنہ تھے۔ رذریق تقریباً ایک لاکھ لشکر جرّار لے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا۔

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب کہ اندلس ۸۸ھ سے ۹۰ھ تک تین سال سخت قحط میں مبتلا رہا اور کثرتِ اموات سے اس کی آبادی آدھی رہ گئی۔ پھر ۹۱ھ آیا جس کو اندلس میں سنہ طریف و خلف کہتے تھے۔

غرض مسلمانوں اور رذریق کی جنگ الجزیرہ میں اس جگہ ہوئی جس کو البحیرہ کہتے تھے۔ یہ جنگ نہایت سخت تھی نتیجہ یہ ہوا کہ رذریق کی فوج کے دونوں بازو اکھڑ گئے۔ ششبرت اور ابتہ نے از خود شکست کھائی۔ قلب نے کچھ دیر تک مقابلہ کیا۔ بالآخر رذریق ہزیمت کھا کر بھاگ گیا۔ مسلمانوں نے اس کے بعد قتل و غارت کا بازار خوب گرم کیا رذریق جو لشکر سے غائب ہوا تو کسی کو اس کا پتا نہ چلا۔ البتہ مسلمانوں کو ایک جگہ اس کا سفید گھوڑا جس پر یاقوت و زبرجد سے مرصّع سونے کی زین کسی ہوئی تھی اور ایک زرتار لباس موتی اور یاقوت سے مکلّل نظر آیا، گھوڑا کیچڑ دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ رذریق دلدل میں دھنسنے لگا تو

جلدی سے اپنا پانو باہر گھسیٹا مگر جوتی کیچڑ میں پھنسی رہ گئی۔ دراصل سوائے خدا کے کوئی اس کے حال سے باخبر نہیں ہی۔ نہ وہ زندہ ہاتھ آیا نہ کہیں اس کی لاش دیکھی گئی۔

اس فتح کے بعد طارق مضیق الجزیرہ اور وہاں سے شہر استبجہ گئے۔ استبجہ والوں نے مقابلہ کیا اور ان کی مدد میں وہ لوگ بھی شریک ہوگئے جو رذریق کی جنگ میں شکست کھاکر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ یہ معرکہ نہایت سخت تھا اس میں مسلمانوں کے سپاہی بہ کثرت کام آئے اور زخمی ہوئے۔ مگر اللہ نے ان کی مدد کی اور دشمنوں کو شکست ہوگئی۔ مسلمانوں کو ایسی جنگ پیش نہ آئی تھی۔

طارق نے شہر استبجہ کے ایک چشمے سے پانی لیا جو نہر کے متصل تھا اور شہر سے چار میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس وقت سے اس چشمے کو عینِ طارق کہتے ہیں۔ طارق کی جرأت اور شہر میں داخلے کے حالات سُن کر دشمنوں کے سرداروں پر رُعب چھاگیا۔ کیوں کہ پہلے ان کا خیال تھا کہ طارق بھی طریف کی طرح لوٹ مار کرکے چلے جائیں گے شہر پر قبضہ نہ رکھیں گے۔ چناں چہ وہ طلیطلہ کی طرف بھاگ گئے اور اُندلس کے شہروں کے دروازے بند کرلیے۔

اب یلیان نے طارق سے آکر کہا کہ "آپ نے اندلس کی فتح کا بیڑا اٹھایا ہی، فوج کی ٹکڑیاں ان کے ساتھ روانہ کیجیے اور طلیطلہ تک ملک جیتتے چلے جائیے" طارق نے اس مشورے پر عمل کیا استبجہ میں اپنی فوج کی کئی ٹکڑیاں بنادیں۔ ولید ابن عبدالملک کے غلام مغیث رومی کو استبجہ سے قرطبہ روانہ کیا اور سات سو سواروں کی فوج ہم راہ کی

پیادہ سپاہی کوئی ساتھ نہیں کیا کیوں کہ مسلمانوں میں سب کو سواری میسر آجانے کی وجہ سے پیدل فوج ہی نہ رہی تھی۔ ایک لشکر شہر ریّہ کی طرف اور ایک غرناطہ کی طرف جو البیرہ کا مشہور شہر تھا روانہ کیا اور خود بڑی جمعیت کے ساتھ طلیطلہ کے قصد سے روانہ ہوا۔

مغیث طارق سے رخصت ہو کر قرطبہ کی حدود میں داخل ہوا اور شقندہ میں چاولوں کے کھیت کو کمین گاہ قرار دیا۔ یہ کھیت شقندہ اور طرسیل کے درمیان واقع تھے یہاں سے مغیث نے اپنے ساتھ کے جاسوس چھوڑے وہ ایک چرواہے کو پکڑ لائے جب مغیث ان کھیتوں کو لوٹ رہا تھا اس وقت انھوں نے اس کو پیش کیا مغیث نے اس سے قرطبہ کا حال پوچھا تو اس نے کہا "وہاں کے بڑے بڑے سردار طلیطلہ چلے گئے ہیں اور والیٔ قرطبہ کو صرف چار سو محافظوں کے ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ ان لوگوں میں قرطبہ کے ضعیف اور ناتواں باشندے بھی ہیں" پھر مغیث نے فصیلوں کی مضبوطی کا حال پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ فصیل بہت مضبوط ہے البتہ فصیل کے دروازے کے اوپر ایک رخنہ ہے اور یہ دروازہ وہی ہے جو پل کا دروازہ ہے پھر اس نے اس رخنے کا پورا حال بیان کیا۔ رات کے وقت جب خوب تاریکی پھیل گئی تو مغیث نہر قرطبہ پر آیا خدا کی قدرت ہے فتح مقدر تھی اس لیے اسباب بھی ویسے ہی پیدا ہو گئے اس رات کو ہلکی بارش اور ژالہ باری ہوئی فصیل کے چوکی داروں نے بارش اور سردی کے خوف سے غفلت کی۔ اس وقت سناٹا تھا مختلف ہلکی سی آوازوں کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ مغیث

اور اس کے ہم راہی اندر داخل ہو گئے اور نہر کو عبور کر لیا۔ نہر سے فصیل تک تیس ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہ تھا بلکہ اس سے بھی کم۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے فصیل پر چڑھنا چاہا مگر کوئی سہارا نظر نہ آیا۔ مجبوراً واپس ہوئے اور اسی چرواہے کو لائے۔ اس نے رہبری کی تو درخت نظر آیا جو قدرے بلندی پر تھا اور اس کے نیچے ایک انجیر کا درخت تھا انھوں نے اس پر کمند ڈالنی چاہی مگر ناکام رہے۔ آخر ایک شخص اس درخت کی اونچی شاخ پر چڑھا مغیث نے اپنا عمامہ اتار کر ایک سرا اس کو تھما دیا عمامے کی مدد سے بہت سے آدمی فصیل پر چڑھ گئے۔ اب مغیث سوار ہو کر چلا اور باب الصورۃ کے سامنے آکر ٹھیر گیا اور جو لوگ شہر میں داخل ہو چکے تھے ان کو حکم دیا کہ باب الصورۃ کے دربانوں پر ٹوٹ پڑیں۔ یہی پُل کا دروازہ بھی تھا۔ ان دنوں پُل منہدم ہو چکا تھا اور قرطبہ میں کوئی اور پُل نہ تھا مسلمان باب الصورۃ کے پہرے داروں پر (اس کو اس وقت باب الجزیرہ بھی کہتے تھے) دفعتہً ٹوٹ پڑے اور انھیں قتل کر کے مار بھگایا اور دروازے کے قفل توڑ دیے مغیث سپاہیوں، سرداروں اور جاسوسوں کو ساتھ لے کر شہر میں داخل ہوا اور ایوانِ حکومت کا قصد کیا جب والیٔ قرطبہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ اپنے چار پانچ سو ساتھیوں اور لوگوں کے ہمراہ شہر کے مغربی دروازے سے نکلا اس دروازے کو باب اشبیلیہ کہتے تھے اور ایک کنیسہ میں پناہ لی جو شہر کی مغربی جانب واقع تھا۔ یہ کنیسہ بہت مضبوط اور محفوظ تھا اور شنت اجلج کے نام سے مشہور تھا۔

غرض مغیث نے ایوانِ قرطبہ پر قابض ہوکر اس کو آباد کیا پھر ایک دن کنیسہ کا محاصرہ کرکے طارق کو فتوحات کی اطلاع دی۔ ادھر جو لشکر فتح ریّہ کے لیے روانہ ہوا تھا اس نے ریّہ کو فتح کر لیا البتہ ریّہ کے سردار وہاں کے دشوار گزار پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ اس کے بعد یہ لشکر اس فوج سے جا ملا جو علاقۂ البیرہ کی مہم پر متقرر تھی۔ غرناطہ کا محاصرہ کرکے اسے بھی فتح کر لیا۔ غرناطہ میں انھیں یہودی ملے۔ اس زمانے میں مسلمان فاتحوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جس صوبے میں انھیں یہودی ملتے ان کو اس صوبے کے صدر مقام میں بسا دیتے اور مسلمانوں کی ایک جماعت حفاظت کے لیے چھوڑ دیتے۔ باقی لشکر آگے بڑھ جاتا تھا چناں چہ غرناطہ میں اسی دستور پر عمل کیا مگر علاقۂ مالقہؔ کے شہر ریّہ میں یہ صورت پیش نہیں آئی کیوں کہ وہاں نہ انھیں یہودی ملے اور نہ ایسی آبادی نظر آئی۔ اہلِ اندلس نے ریّہ کو صرف جائے پناہ کے طور پر رکھا تھا۔ جب ضرورت ہوتی یہاں پناہ لیتے تھے۔

اب مسلمان ریّہ سے علاقہ تدمیرؔ کو روانہ ہوتے یہ علاقہ اپنے فرماں روا کے نام سے موسوم ہوگیا اور اس کا قدیم نام اوریولہ تھا۔ والیٔ تدمیر نے بہت سا لشکر مہیا کرکے مقابلہ کیا مگر مقابلہ کم زور رہا اور والیٔ تدمیر کو ایک غیر محفوظ قلعے میں شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنی خون آشام تلوار سے بہت سے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جو چند نفوس بچ رہے تھے انھوں نے اوریولہ میں اس حالت میں پناہ لی کہ نہ ان میں مقابلے کی سکت تھی نہ مدافعت کا کوئی سامان تھا۔ لیکن چوں کہ ان کا والی تدمیر نہایت تجربے کار اور عقل مند تھا

اس نے مردوں میں ہمت نہ دیکھ کر عورتوں کے بال کھلوا دیے اور ان
کے ہاتھوں میں بھالے دیے اور انھیں مردوں کی وضع میں مسلح کر کے
شہر کی فصیل پر کھڑا کر دیا ان عورتوں کے ساتھ باقی ماندہ مردوں کو بھی
اسلامی لشکر کے بالمقابل کھڑا کر دیا پھر اپنے دل میں تدبیر سوچ کر خود
ایلچی کی وضع بنا کر صلح کی گفتگو کرنے کے لیے فصیل پر سے اُتر اور امان
چاہی مسلمانوں نے اس کو امان دی اس طرح مسلمانوں کے سپہ سالار کو
صلح پر راضی کرتا رہا بالآخر اپنی اور اہل شہر کی طرف سے صلح کر لی۔ اس
تدبیر سے تدمیر کے کُل علاقے کو بلا جنگ و جدال کامل امن حاصل
ہو گیا اور مسلمان حالت صلح میں اس پر قابض ہو گئے معاملہ یہ طے پایا کہ
ان کے مال و دولت کو انھی کے قبضے میں رہنے دیا جائے۔ عہد نامۂ
صلح کی تکمیل کے بعد والی تدمیر نے اپنا نام ظاہر کر دیا اور مسلمانوں کو
شہر میں لے گیا جب یہ لوگ شہر میں داخل ہو گئے تو وہاں کی
بے سروسامانی دیکھ کر بہت نادم ہوئے مگر وعدے پر قائم رہے۔
پھر اس فتح کی اطلاع طارق کو دے کر تھوڑی فوج تدمیر میں چھوڑ دی
باقی لشکر طلیطلہ کی طرف بڑھا تاکہ طارق سے مل جائے۔

مغیث نے قرطبہ کے کنیسے کا جو محاصرہ کر رکھا تھا وہ تین ماہ
تک قائم رہا۔ محصورین شدت محاصرہ کی تاب نہ لا سکے۔ اسی اثنا
میں ایک دن صبح کے وقت مغیث سے کسی نے آکر کہا کہ والیٔ قرطبہ
تنہا نکل کر جبلِ قرطبہ جانے کے ارادے سے بھاگا ہے تاکہ طلیطلہ
پہنچ کر اپنے ساتھیوں میں شامل ہو جائے اور اپنے سپاہیوں کو کنیسے
میں چھوڑ گیا ہے۔ یہ سُن کر مغیث نے اس کا تنِ تنہا تعاقب کیا،

والیٔ قرطبہ اسے تعاقب میں دیکھ کر قطلبیرہ کی طرف بھاگنے لگا۔ وہ اس وقت ایک زرد گھوڑے پر سوار تھا۔ جب مغیث نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس نے دیکھا کہ اب مغیث سر پر آیا ہی چاہتا ہے تو گھبرا گیا اور راستہ کاٹ کر ایک خندق میں جا پڑا جس میں پھنس جانے کی وجہ سے اس کے گھوڑے کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ گھوڑے سے اتر کر اپنی ڈھال پر بیٹھ گیا۔ مغیث نے اسے آکر گرفتار کر لیا ملوکِ اندلس میں اس کے سوا کوئی شخص گرفتار نہیں ہوا اور ملوک یا مسلمانوں کی امان میں آ گئے یا جلیقیہ[1] کی طرف بھاگ گئے۔ اس سے فارغ ہو کر مغیث بقیہ سردارانِ قرطبہ اور محصورینِ کنیسہ کے پاس پہنچا اور ان سب کو قید کر کے قتل کر دیا۔ اس تاریخ سے اس کنیسے کو کنیسۃ الاسریٰ (قیدیوں کا گرجا) کہنے لگے۔ والیٔ قرطبہ مغیث کی قید میں رہا تاکہ امیر المومنین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ بعد ازاں مغیث نے قرطبہ کے یہودیوں کو جمع کر کے شہر میں آباد کیا اور قرطبہ کا ایوانِ حکومت اپنے لیے مخصوص کر کے شہر میں اپنے ساتھیوں کو بسا دیا۔

طارق جب اپنی فوجوں کو لیے طلیطلہ پہنچے اور اپنے تھوڑے ساتھی انتظام کے لیے چھوڑے اور خود لشکر کے ساتھ وادیٔ الحجارہ[1] طے کر کے ایک درّے سے گزر کر جو بعد میں فجّ[2] طارق کے نام سے مشہور ہوا۔ اس شہر میں پہنچے جو پہاڑ کے عقب میں واقع تھا اس شہر کا نام مدینۃ[3] مائدہ تھا مائدہ نام ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کا مائدہ رکھانے کی چوکی یا میز) دستیاب ہوا تھا۔ یہ مائدہ زبرجد کا بنا ہوا تھا اور اس میں پٹی پائے بھی زبرجد

ہی کے لگے ہوئے تھے۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے پایوں کی تعداد تین سو پچھتّر تھی۔ اس کے بعد طارق نے ایک اور شہر امایہؒ کو فتح کیا۔ اس میں بھی بہت سے زیورات اور دولت بہ طورِ غنیمت ملی۔ اس کے بعد طارق ۹۳ھ میں یہیں سے طلیطلہ کی طرف واپس ہو گئے۔

اس کے بعد رمضان ۹۳ھ میں موسٰی کی افواج قاہرہ اندلس میں آئیں جن کی تعداد اٹھارہ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ چوں کہ موسٰی کو طارقؒ کی فتوحات کی خبر پہنچ چکی تھی اور وہ طارق پر حسد کرنے لگے تھے اس لیے جب وہ اسی سال الجزیرہ میں داخل ہوئے اور ان سے اسی راستے پر آگے بڑھنے کو کہا گیا جس سے طارق گئے تھے تو انھوں نے ازراہِ حسد یہ راستہ اختیار کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر غیر مسلم رہبروں نے موسٰی سے کہا اگر یہ خیال ہے تو ہم آپ کو اس راستے سے لے جائیں گے جو طارق کے راستے سے بہتر ہے اور ایسے شہروں تک پہنچائیں گے جو طارق کے مفتوحہ شہروں سے زیادہ شان دار ہیں اور آج تک کسی سے فتح نہ ہو سکے اللہ کو منظور رہی تو وہ آپ کے ہاتھوں سے فتح ہوں گے۔ موسٰی ان لوگوں کی حوصلہ افزائی سے بہت خوش ہوئے گو اب تک طارق کے کارناموں سے جل رہے تھے۔

یہ لوگ موسٰی کو مدینہ شذونہؒ لے گئے جسے انھوں نے لڑ بھڑ کر فتح کر لیا۔ یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ شہران جاسوسوں نے موسٰی کو جتوایا۔ پھر شہر قرمونہؒ کی طرف بڑھے اور اپنے ہم راہی غیر مسلموں کو پہلے سے وہاں بھیج دیا۔ اندلس بھر میں اس سے زیادہ محفوظ شہر نہیں تھا۔ جنگ

اور محاصرہ کرنے سے بھی اس کی فتح تقریباً ناممکن تھی۔ غیر مسلم جاسوسوں نے موسیٰ سے کہا کہ یہ شہر صرف حیلہ و تدبیر سے سر ہو سکتا ہے اس نے ان سرداروں کو جن کو امان مل چکی تھی یا جنھوں نے یلیان کی طرح خود امان چاہی تھی قرمونہ کی طرف بھیج دیا بہت ممکن ہے ان لوگوں میں یلیان کے ساتھی بھی شامل ہوں۔ چناں چہ چند مسلح لوگ اپنے آپ کو شکست خوردہ لشکر ظاہر کر کے پناہ لینے کے بہانے سے پہنچے قلعے والوں نے دھوکے میں آکے ان کو اندر بلا لیا موسیٰ نے ان کی کمک کے لیے رات کی تاریکی میں سوار بھیج دیے ان لوگوں نے اندر سے بابِ قرطبہ[1] (قرمونہ کے ایک دروازے کا نام) کھول دیا۔ مسلمانوں کا لشکر دفعتہً دربانوں پر حملہ آور ہوکر قرمونہ میں داخل ہو گیا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔

قرمونہ کو فتح کر کے موسیٰ اشبیلیہ پہنچے۔ یہ شہر اندلس کے شہروں میں اپنی عمارات اور قدیم آثار کے لحاظ سے بہت بڑا شہر تھا اور قوطیوں کے غلبے سے پہلے اندلس کا پایۂ تخت تھا۔ اس میں قدیم عمارتوں کے آثار بہت تھے جب قوم قوط کا غلبہ ہوا تو انھوں نے بجائے اشبیلیہ کے طلیطلہ کو دارالسلطنت قرار دیا اور رومانیوں کا شرف مذہبی تفقہ اور ان کی امارت اشبیلیہ تک محدود رہ گئی۔ غرض موسیٰ نے اس شہر پر کئی ماہ تک محاصرہ قائم رکھا تب خدا کی مدد سے یہ فتح ہوا اور اشبیلیہ کے رؤسا بھاگ کر شہر باجہ[2] چلے گئے اشبیلیہ میں بھی موسیٰ نے یہودیوں کو بلا کر آباد کیا یہاں سے موسیٰ شہر ماردہ[3] پہنچے یہ شہر بھی بعض ملوکِ اندلس کا پایۂ تخت تھا اور اس میں بھی ایسے قدیم آثار، پل، محلات اور گرجے تھے جن کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

موسیٰ نے اس شہر کا بھی محاصرہ کر لیا مگر یہاں کی فوج مقابلے کے لیے باہر آچکی تھی موسیٰ نے یک بارگی حملہ کر کے ان کو قلعے میں بھگا دیا قلعے کی فصیلوں پر سے انھوں نے سختی کے ساتھ نبرد آزمائی کی۔ یہ فصیلیں موسیٰ کی افواج سے ایک میل یا کچھ زیادہ فاصلے پر تھیں۔ جب موسیٰ نے دیکھا کہ یہ لوگ رہ رہ کے مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں تو انھوں نے فصیل کی ایک نقب کا پتا لگایا جو چٹانوں کے درمیان واقع تھی۔ اس میں رات کے وقت سواروں اور پیادوں کو پوشیدہ کر دیا۔ صبح کے وقت دشمنوں پر دھاوا بول دیا۔ دشمن جس طرح ایک دن پہلے لڑے تھے اسی طرح آج بھی لڑنے کے لیے نکلے۔ ان کے نکلتے ہی کمین گاہ کے لوگ ان پر ٹوٹ پڑے دشمن بُری طرح مارے گئے چند نفوس جو ان میں سے بچ رہے تھے بھاگ کر شہر کے اندر چلے گئے۔ اس شہر کی فصیلیں ایسی مضبوط بنی ہوئی تھیں کہ شاید ہی اس جیسی کہیں ہوں۔ موسیٰ نے ہمت نہیں ہاری بلکہ ثابت قدمی اور پامردی سے ڈٹے رہے کئی مہینے گزر گئے۔ آخر انھوں نے ایک دبّابہ بنایا اور اس کی آڑ میں اسے بڑھاتے بڑھاتے ایک برج کے پاس جا پہنچے اور فصیل کے پتھروں کو کھودا۔ جیسے ہی پتھر اکھڑا اندر سے ایک چٹان اتنی بڑی نظر آئی جس پر مسلمانوں کی کدالوں اور پھاوڑوں نے کام نہ دیا اس چٹان کو اہلِ اندلس کی زبان میں لاشہ ماشہ کہتے تھے ابھی وہ اسی کوشش میں مصروف تھے کہ دشمنوں کی فوج آپڑی اور جتنے مسلمان اندر تھے ایک ایک کر کے دبابہ کے نیچے شہید ہو گئے اس واقعے کی بنا پر اس برج کا نام برجِ شہدا ہو گیا۔

جو اب تک مشہور ہی مگر اس کی وجۂ تسمیہ سے کم لوگ واقف ہوں گے۔

اوپر کے واقعات رمضان ۹۴ھ کے ہیں عیدالفطر کے دن موسیٰ کو فتح ہوئے شہدا کے واقعے کے بعد محصورین نے فخریہ کہا کہ ہم نے موسیٰ کو شکست دے دی اگر وہ صلح کرتے ہوں تو آج ہی ان کو پیام صلح دینا چاہیے۔ چناں چہ تصفیہ کرنے کے لیے اپنے سردار موسیٰ کے یہاں بھیجے۔ پہلے دن جب یہ لوگ موسیٰ سے ملے موسیٰ کی داڑھی سفید تھی۔ یہ لوگ گفتگو کرکے چلے آئے کوئی بات طے نہ ہو سکی۔ پھر دوبارہ عید سے ایک دن پہلے ملے۔ اب موسیٰ کی داڑھی سرخ پائی۔ اس دن موسیٰ نے مہندی لگائی تھی۔ یہ دیکھ کر انھیں بڑا تعجب ہوا اور آپس میں کہنے لگے کہ شاید یہ آدم خور ہیں ورنہ کل تک ان کی ڈاڑھی سفید تھی۔ پھر سہ بارہ عید کے دن ملنے آئے۔ اس روز موسیٰ کی ڈاڑھی سیاہ دیکھی نہایت حیران ہوئے اور اہل شہر سے آکر کہا "ارے احمقو! تم تو انبیا سے جنگ کر رہے ہو جو اپنے آپ کو جس رنگ کا چاہتے ہیں بنا لیتے ہیں اور بڈھے سے جوان بن جاتے ہیں دیکھو ان کا بادشاہ بوڑھے سے جوان ہو گیا جاؤ جو کچھ وہ مانگے دے دو اور صلح کر لو۔ شرط یہ طے پائیں کہ کمین گاہ والی لڑائی میں جو لوگ مارے گئے ہیں ان کا تمام مال اور جلیقیہ کی طرف بھاگنے والوں کی دولت مسلمانوں کو ملے اور گرجوں کے اموال و زیورات موسیٰ کو۔ چناں چہ انھوں نے عیدالفطر کے دن (۹۴ھ میں) مسلمان فاتحوں کے لیے شہر کے

دروازے کھول دیے۔

اہلِ اشبیلیہ نے وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ فریب کیا۔ باجہ اور لبلہ والے مسلمانوں پر حملہ کر بیٹھے۔ اس اچانک حملے میں اسّی مسلمان شہید ہو گئے۔ جو بچ گئے تھے انھوں نے ماردہ پہنچ کر موسیٰ کو خبر دی۔

جب موسیٰ ماردہ کو فتح کر چکے تو انھوں نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو لشکر دے کر اشبیلیہ روانہ کیا۔ عبدالعزیز اشبیلیہ کو فتح کر کے موسیٰ کے پاس واپس گئے۔

ختمِ شوال سنہ ۹۴ھ کے بعد موسیٰ نے طلیطلہ کا قصد کیا تو راستے میں طارق نے اس کا استقبال کیا اور نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ کورۃ (اقلیم) طلبیرہ کے موضع بانہ میں ملاقات کی۔ موسیٰ نے جب طارق کو دیکھا تو اس کے سر پر کوڑا ٹکایا اور اپنی رائے کے خلاف عمل کرنے پر تنبیہ کی پھر طارق کو ساتھ لے کر طلیطلہ گئے اور انھیں مالِ غنیمت اور مائدہ پیش کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی مگر مائدے کا ایک پایہ اکھاڑ کر رکھ لیا جب موسیٰ نے اس پائے کو پوچھا تو کہہ دیا مجھے معلوم نہیں میں نے تو ایسا ہی پایا تھا مجبوراً موسیٰ نے دوسرا پایہ سونے کا تیار کرایا اور کھجور کے پتّوں کی ٹوکری بنوا کر اس میں رکھا۔ پھر موسیٰ یہاں سے بڑھے اور سرقسطہ اور اس کے ملحقات فتح کیے۔

سنہ ۹۵ھ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا ایلچی آیا اور موسیٰ کو طارق اور مغیث کے ساتھ اندلس سے نکال دیا۔ اندلس پر موسیٰ کے بیٹے عبدالعزیز کو مقرر کیا اور اشبیلیہ کو ان کا دارالحکومت قرار دیا چوں کہ

یہ شہر ایک بڑے دریا کے کنارے پر واقع تھا جس کا عبور کرنا بہت دشوار تھا اس لیے یہ کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے جہاز رہیں اور اشبیلیہ باب الاندلس کی حیثیت اختیار کرلے۔

غرض یہاں کے انتظامات عبدالعزیز پر چھوڑے گئے موسیٰ، طارق، مغیث اور ان کے ساتھ والیٔ قرطبہ جسے مغیث نے گرفتار کیا تھا دارالخلافہ دمشق کو روانہ ہوئے مغیث کو دربارِ خلافت میں تقرب رکھنے پر گھمنڈ تھا۔ موسیٰ نے والیٔ قرطبہ کو مغیث سے مانگا مگر مغیث نے حوالے کرنے سے انکار کردیا اور کہا میں آپ ہی اسے خلافت پناہ کے حضور میں پیش کروں گا۔ موسیٰ نے والیٔ قرطبہ کو مغیث سے زبردستی چھین لیا۔ پھر لوگوں نے موسیٰ سے کہا کہ اگر تم اسے زندہ لے جاؤ گے تو مغیث یہ کہیں گے کہ میں نے اس کو گرفتار کیا ہے اس لیے اس کو قتل کر ڈالنا بہتر ہے۔ چناں چہ موسیٰ نے ایسا ہی کیا اس کے بعد دارالخلافہ پہنچے اس وقت ولید کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کے بہ جائے سلیمان خلیفہ تھے۔

اندلس کا یہ رنگ رہا کہ عبدالعزیز ابن موسیٰ نے رذریق کی بیوی امِ عاصم سے نکاح کر لیا اور اس سے بہت محبت کرنے لگے۔ ایک دن اس نے عبدالعزیز سے کہا کہ بادشاہ جب تک تاج نہ پہنیں ان کو بادشاہی زیب نہیں دیتی۔ اگر تم کہو تو میں اپنے پاس کے سونے اور جواہرات سے تمھارے لیے تاج تیار کرادوں۔ عبدالعزیز نے عذر کیا کہ ہمارے مذہب میں یہ جائز نہیں ہے امِ عاصم نے اصرار کیا اور کہا کہ جو کام تم خلوت میں کروگے اس کو تمھارے مذہب والے

کیسے جان جاتیں گے۔ غرض عبدالعزیز اس کے پیہم اصرار سے مجبور ہوگئے اور خلوت میں تاج استعمال کرنے لگے۔ ایک دن ام عاصم کے پاس تاج پہنے ہوئے بیٹھے تھے کہ دفعتہً ایک عورت اندر آگئی جو ملوکِ اندلس کے خاندان سے تھی اور زیاد بن نابغہ تمیمی نے اس سے نکاح کر لیا تھا اس عورت نے عبدالعزیز کو تاج پہنے ہوئے دیکھا تو واپس آکر زیاد سے فرمایش کی کہ میں تمھارے لیے تاج بنوادوں تم بھی پہنا کرنا۔ زیاد نے جواب دیا کہ "اس کا استعمال ہمارے مذہب میں جائز نہیں۔" اس نے دینِ مسیح کی قسم کھاکر کہا کہ میں نے تمھارے سردار کو تاج پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ اس طرح یہ واقعہ زیاد بن نابغہ کو معلوم ہوا اور انھوں نے حبیب ابن ابی عبیدہ بن عقبہ بن نافع سے ذکر کیا پھر ان دونوں سے اور سردارانِ لشکر کو علم ہوا۔ مجبوراً عام اہلِ لشکر پر اس کا اظہار کرنا پڑا اور تحقیق کی گئی تو یہ شکایت صحیح ثابت ہوئی اور زیاد نے اپنی آنکھوں سے عبدالعزیز کو سر پر تاج رکھے ہوئے دیکھ لیا۔ اس واقعے سے سخت شورش پیدا ہوگئی مسلمان یہ سمجھے کہ عبدالعزیز نصرانی ہوگیا۔ چناں چہ اس گمان میں یورش کرکے عبدالعزیز کو شہید کر ڈالا۔ یہ واقعہ آخر ۹۸ھ کا ہے۔ اس وقت تک سلیمان بن عبدالملک ہی خلیفہ تھے۔

عبدالعزیز ابنِ موسیٰ کے عہدِ امارت میں بہت سے شہر فتح ہوئے ان کے بعد اہلِ اندلس بہت دن تک بلا امیر کے رہے اور کسی والی کو منتخب نہ کرسکے کئی سال کے بعد ایوب[1] بن لخمی پر اتفاق کیا۔ ابن حبیب ایک مردِ صالح تھے اور نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جب

اہلِ اندلس کو بغیر کسی امیر کے ایک مدت ہوگئی تو انھوں نے ابن حبیب کو اپنا والی منتخب کیا اور اوائل ۹۹ھ میں بہ جائے اشبیلیہ کے قرطبہ کو دارالامارت قرار دیا۔ عبدالعزیز بن موسیٰ ۹۸ھ میں قتل ہوئے تھے۔

ایوب ابن حبیب قرطبہ آئے اور اس قصر میں مقیم ہوئے جس کو مغیث نے اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا۔ جب موسیٰ ابن نصیر ولید کے ایلچی کے ساتھ شام کی طرف جانے لگے تو طارق کے مفتوحہ علاقے اور راستے سے گزرے تاکہ اندلس کے بقیہ حصے بھی دیکھتے جائیں۔ اس سلسلے میں قرطبہ ہوتے گئے وہاں انھوں نے مغیث سے کہا یہ قصر تمھارے لیے مناسب نہیں ہے یہ صرف والیٔ قرطبہ ہی کے لیے موزوں ہے تم اس کی جگہ دوسرا مکان بنا لو۔ مغیث بہ جائے اس کے دوسری عمارت میں منتقل ہو گئے جو باب الجزیرہ پر واقع تھی۔ باب الجزیرہ وہی باب القنطرہ (پُل کا دروازہ) ہے جو اس ٹوٹی ہوئی فصیل کے مقابل میں ہے جس سے مغیث اور اس کے ساتھی فتحِ قرطبہ کے وقت داخل ہوئے تھے۔ یہ مکان نہایت رفیع الشان تھا۔ اس میں نہر بھی تھی، زیتون اور ثمردار درخت کثرت سے تھے اس کا نام بیلاطہ تھا پہلے یہ عمارت والیٔ قرطبہ کے قبضے میں تھی۔ جسے مغیث نے قید کیا تھا۔ اس میں ایک نہایت شان دار اور بلند دیوان تھا جس کو اندلس میں بلاط مغیث کہتے تھے۔

عبدالعزیز ابنِ موسیٰ کے قتل کی خبر خلیفہ سلیمان کو بہت گراں گزری۔ اس زمانے میں انھوں نے عبیداللہ ابن زید ایک قریشی کو (اور میں نہیں جانتا کہ وہ قریش کے کس قبیلے سے تھا) افریقیہ کا گورنر

مقرر کیا۔ اس عہد میں اندلس، طنجہ اور تمام ماوراے افریقیہ کا نظم و نسق والیٔ افریقیہ ہی سے متعلق تھا۔ خلیفہ نے عبیداللہ ابن زید کو حکم دیا کہ عبدالعزیز ابن موسیٰ کے معاملۂ قتل میں سختی سے تحقیقات کریں اور حبیب ابن ابی عبیدہ اور زیاد ابن نابغہ کا جرم ثابت ہو جائے تو دونوں کو ان سربرآوردہ اشخاص کے ساتھ جنھوں نے عبدالعزیز کے قتل میں شرکت کی ہو قید کرکے دارالخلافۂ دمشق روانہ کریں۔

کچھ مدت کے بعد سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوگیا، عبیداللہ ابن زید نے اندلس کی حکومت پر الحرؒ ابن عبداللہ ثقفی کو مامور کیا اور قتلِ عبدالعزیز کی تحقیقات بھی انھی کے ذمے کی۔ حرؔ اندلس میں اپنے۔ قدم نہ جمانے پائے تھے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آگیا۔ انھوں نے عبیداللہ ابن زید کو افریقیہ کی ولایت سے معزول کرکے ان کے بجاے اسماعیل بن عبداللہ مولاے نبی مخزوم کو گورنر کر دیا۔

اسماعیل بن عبداللہ کی ولایت کا سبب یہ ہے کہ خلفا کا دستور تھا کہ جب ان کے پاس مختلف ممالک وامصار سے خراج کی آمدنی آتی تھی تو ہر رقم کے ساتھ رعایا اور فوج میں دس سربرآوردہ آدمی آکر ایک وفد کی صورت میں خلیفہ کے سامنے حلف سے بیان کرتے تھے کہ ان کے اموال میں سے کوئی درہم و دینار ناحق نہیں لیا گیا اور مجاہدین اور ان کی اولادیں میں سے جس کے جو حقوق تھے دے دیے گئے۔ یہ ان سب سے بچا ہوا خالص بیت المال کا حصہ ہے جب تک حلف کے ذریعے سے ان معاملات کا اطمینان نہ ہوجاتا بیت المال میں ایک

حبہ داخل نہ کیا جاتا۔ اس وقت تک افریقیہ کی حدوُد باقاعدہ مکمل و منضبط نہیں ہوئی تھیں اس لیے لشکر وغیرہ کی تنخواہیں اداکرنے کے بعد آمدنی میں سے جو کچھ بچتا تھا خلیفہ کے پاس بھیج دیا جاتا تھا۔ جب سلیمان کے زمانے میں لوگ افریقیہ کا خراج لے کر پہنچے تو حسب دستور وفد کو حکم دیا گیا کہ حلف سے بیان دیں۔ دس آدمیوں میں سے آٹھ نے حلف اٹھا لیا۔ اسماعیل بن عبداللہ مولاے بنی مخزوم نے اور ان کی دیکھا دیکھی سمحؒ بن مالک خولانی نے بھی حلفیہ بیان دینے سے انکار کر دیا حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو ان دونوں کی یہ بات بہت پسند آئی اور انھیں اپنے پاس رکھ لیا۔

مصاحبت سے حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو ان کے تقوے اور بزرگی کا کافی اندازہ ہوا۔ جب آپ خلیفہ ہوئے تو اسماعیل کو افریقیہ کا اور سمح بن مالک کو اندلس کا والی بنایا اور سمح کو حکم دیا کہ اندلس کی آمدنی سے خُمس نکالیں اور ان زمینوں اور کھیتوں وغیرہ کو جو لڑنے کے بعد حاصل ہوئے تھے خُمس کے طور پر علیحدہ کر دیں اور مجاہدین کے مفتوحہ گاؤں انھی کے قبضے میں رکھیں مگر خُمس ان سے بھی وصول کر لیا کریں۔ یہ بھی ہدایت کی کہ اندلس اور اس کے دریاؤں کے حالات ان کو لکھ کر بھیجے جائیں۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی نیت یہ تھی کہ اندلس کے مسلمانوں کو وہاں سے منتقل کریں کیوں کہ اندلسی مسلمان بہ سبب طولِ مسافت دیگر ممالکِ اسلامیہ کے مسلمانوں سے منقطع ہو گئے تھے۔ کاش خدا انھیں کچھ روز اور زندہ رکھتا کہ اپنے ارادے کو پورا کر جاتے۔ کیوں کہ

اب اس زمانے میں مسلمانوں کو خدا ہی بچائے تو بچائے ورنہ ان کا انجام
ہلاکت و تباہی معلوم ہوتا ہے۔

سنہ ۱۰۰ھ میں سمح اندلس پہنچے تو انھوں نے اس کی تفتیش شروع
کی کہ کون سے اقطاع جنگ کے بعد قبضے میں آتے ہیں تاکہ ان میں اور
صلح کی حالت میں فتح کیے ہوئے اقطاع میں تمیز ہوسکے۔ پھر غزوات
کے لیے لشکر بھیجے اور قرطبہ کا پل بنوایا۔

اس پل کی تعمیر کا واقعہ یہ ہے کہ سمح نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز
کو لکھا کہ شہر قرطبہ کا غربی حصہ منہدم ہوگیا ہے اور اسی جانب جو دریا ہے
اس کا پل بھی ٹوٹ چکا ہے۔ عام طور پر جاڑے کے موسم میں لوگوں کو
پانی میں اترنے میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ اگر آپ کی رائے ہو تو
میں شہر کی فصیلیں تیار کرا دوں کیوں کہ لشکر کے مصارف اور نفقات
(اخراجات) جہاد نکال دینے کے بعد میرے پاس خراج کا روپیہ اتنا جمع
ہے کہ میں یہ انتظام کرسکتا ہوں اور اگر آپ چاہیں تو میں اس فصیل کے
پتھروں سے قرطبہ کا پل بھی بنوا دوں واللہ اعلم۔ مشہور ہے کہ حضرت
عمر ابن عبدالعزیز نے فصیل کے پتھروں سے پل بنوانے کا حکم
دیا اور فصیل کی نسبت یہ حکم صادر ہوا کہ اگر پتھر نہ ملیں تو اینٹ
سے بنوائی جائے۔ چناں چہ سنہ ۱۰۱ھ میں پل تیار ہوگیا۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی وفات کے بعد یزیدؒ ابن عبدالملک
نے حنظلہؒ ابن صفوان کے بھائی بشرؒ ابن صفوان کو افریقیہ کا والی بنایا۔
بشر نے سمح ابن مالک کو اندلس سے معزول کرکے ان کی جگہ عنبسہؒ ابن سحیم
کلبی کو مقرر کیا۔ عنبسہ کے بعد اندلس کے والی بار بار بدلے جاتے رہے۔

عنبسہ کے بعد یحییٰ ابنؒ سلم کلبی ان کے بعد عثمانؒ ابن ابی تسعہ سعید خثعمی اور ان کے بعد حذیفہؒ ابن احوص قیسی پھر ہثیمؒ ابن عفیر کنانی پھر عبدالرحمٰنؒ ابن عبداللہ عافقی والی ہوئے۔ انھی عبدالرحمٰن کے زمانے میں اہل البلاط الشہدا کی شہادت ہوئی اور یہ خود بھی ان کے ساتھ شہید ہوئے۔ پھر عبدالملکؒ ابن قطن محاربی فہری اندلس کے والی ہوئے پہلی مرتبہ ان کی حکومت چھ ماہ سے زیادہ نہ رہی۔ یہ دشمنوں سے جہاد کرتے اور ملک کو وسعت دیتے رہے حتیٰ کہ افرنجہؒ (فرانس) تک پہنچ گئے اور سارا اندلس فتح ہو گیا۔

ان تمام والیوں کو بشر ابن صفوان خود مقرر کرتے تھے، خلیفہ سے کوئی اجازت نہ لیتے تھے۔ جب اہلِ اندلس کسی والی سے ناراض ہوتے تو بشر کو لکھ دیا کرتے تھے۔ بشر اس کو معزول کر کے ایسا والی مقرر کر دیتے جس کو وہ پسند کرتے ہوں۔ یہی صورت والیوں کی وفات پر بھی اختیار کی جاتی تھی۔

جب یزید ابن عبدالملک کا دور ختم ہوا تو ہشامؒ ابن عبدالعزیز (صحیح عبدالملک) نے اپنے زمانے میں عبیداللہ ابن حجاب ابن حارث کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ عبیداللہ ابن حجاب قبیلہ بنو سلول قیسی کے غلام تھے ان کو مصر کی گورنری کے ساتھ ولایتِ افریقیہ اور اندلس کے اختیارات بھی تفویض کیے۔ عبیداللہ نے بشر بن صفوان کو افریقیہ کی ولایت پر برقرار رکھا اور عقبہ بن حجاج کو اندلس کا والی مقرر کیا۔ عقبہ کے والد حجاج نے عبیداللہ کے دادا حارث کو آزاد کیا تھا۔ جب عبیداللہ کو مصری گورنری ملی اور ان کا مرتبہ بہت بلند

ہوگیا ان سے ملنے آئے۔ چوں کہ عبید اللہ عقبہ کے گھرانے کے آزاد کردہ
غلام تھے اس لیے انھوں نے عقبہ کو اپنی مسند پر بٹھالیا۔ عبیداللہ کے
لڑکے اپنے آپ کو بہت عالی مرتبت سمجھتے تھے اور واقعی لوگ بھی ان
کو بڑا آدمی خیال کرتے تھے۔ ان لڑکوں نے عقبہ کو اپنے باپ کے
پہلو بہ پہلو بیٹھے دیکھا تو بہت ناک بھوں چڑھائی اور باپ سے
عتاب آمیز لہجے میں کہا کہ "آپ نے ایک اعرابی کو مہربان ہوکر اپنے
پاس بٹھالیا، عرب و قریش کے سرداروں کا کچھ خیال نہ کیا جو آپ
کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ بہ خدا آپ کی اس بات سے وہ سب
لوگ نفرت کرنے لگیں گے۔ آپ تو بڈھے ہیں آپ کو تو کوئی کڑی
جھیلنی نہیں پڑے گی بلکہ بہت ممکن ہے کہ اس سے قبل کہ آپ کو
کسی کی عداوت سے کوئی ضرر پہنچے، آپ کو موت ہی آجائے۔
اندیشہ تو ہم کو ہے کہ ہمیشہ کے لیے ہماری عزت کو بٹا لگ گیا۔ علاوہ ازیں
یہ خوف بھی ہے کہ یہ خبر امیرالمومنین کو پہنچے گی تو وہ آپ سے اس اعرابی
کی تعظیم کرنے کا اور قریشیوں کی تحقیر کرنے کا اثر لیں گے"۔ عبیداللہ
نے جواب دیا "بیٹو تم سچ کہتے ہو مگر میں اس کی پروا نہیں کرتا
اور اپنی وضع نہیں چھوڑوں گا"۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو عبیداللہ
نے سب لوگوں کو بلاکر بٹھایا اور عقبہ کو طلب کرکے صدر مجلس میں
جگہ دی اور خود ان کے قدموں کے پاس بیٹھ گئے۔ جب تمام مجلس
بھر گئی تو اپنے بیٹوں کو بلوایا، انھوں نے یہ رنگ دیکھا تو اور متعجب
ہوئے اور ان کو یقین ہوگیا کہ بڑے میاں اب اپنے اوپر کوئی مصیبت
بلائیں گے۔ اتنے میں عبیداللہ کھڑے ہوئے اور حمد و نعت کے بعد

اپنی اولاد کی گفتگو دُہرائی پھر کہا" لوگو مَیں تمھیں اور اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ یہ عقبہ ابن حجاج ہیں اور حجاج نے میرے دادا حارث کو آزاد کیا تھا۔ چوں کہ میری اولاد کو شیطان نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور یہ لوگ خود بینی و غرور میں مبتلا ہو گئے ہیں اس لیے مَیں نے چاہا کہ اللہ کے ساتھ کفر سے پناہ مانگوں اور جو بات سچ اور اس شخص کا حق ہے اس کو خدا کے لیے ظاہر کر دوں تاکہ ایسا نہ ہو کہ میرے لڑکے حق بات سے منحرف ہو جائیں اور اس شخص یعنی عقبہ کے باپ کے آزاد کردہ غلام ہونے سے انکار کریں اور ان پر اللہ کی اور دوسرے لعنت کرنے والوں کی لعنت پڑے کیوں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث سُنی ہے مَلْعُونٌ مَنِ ادعی الی غیر نسبہ مَلْعُونٌ مَنْ اَنْکَرَ نِعْمَۃَ المنعِمِ علیہ (جو شخص اپنے نسب کو دوسرے کے نسب سے منسوب یا اپنے محسن کے احسان سے انکار کرے وہ ملعون ہے) اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کفرٌ باللہ تبرمن نسب وان دق وکفر باللہ ادعاء الی نسب مجہول۔ اپنے نسب سے بیزار ہونا اگرچہ کم رُتبے کا ہو اور اپنے آپ کو نسبِ مجہول کی طرف منسوب کرنا اللہ کے ساتھ کفر ہے۔ پھر اپنے بیٹوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے بیٹو ان وجوہ سے مَیں نہیں چاہتا ہم اللہ کی لعنت و عتاب میں مبتلا ہو جائیں۔ مَیں بیش تر اپنے اور تمھارے بارے میں غور و فکر کرتا رہا۔ رہی یہ بات جو تم کہتے ہو کہ اس واقعے کے علم سے امیرالمومنین ناراض ہوں گے تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ ان کو سلامت

رکھے وہ زیادہ حلیم اور اللہ کو زیادہ جاننے والے ہیں وہ اللہ کے حقوق کا تمھارے گمان سے زیادہ لحاظ رکھتے ہیں بلکہ میری یہ بات تو ان کی رضامندی کا باعث ہوگی۔

عبید اللہ کی اس کھری اور سچی تقریر سے لوگ بہت متاثر ہوئے اور سب نے ان کا شکریہ ادا کرکے ان کے لیے دعا کی۔ اس صاف بیانی سے ان کے بیٹے بہت ذلیل وحقیر ہوئے اور مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے پھر عبید اللہ نے عقبہ کی طرف متوجہ ہوکر کہا اے میرے آقا آپ کا حق واجب ہے۔ اللہ امیر المومنین کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ انھوں نے مجھ کو بہت کچھ اختیار دے رکھا ہے یہ آپ کی خوشی پر منحصر ہے اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو افریقیہ کا والی بنادوں اور موجودہ والیٔ افریقیہ نے پسند کیا تو اس کو اندلس کا والی مقرر کردوں یا آپ چاہیں تو آپ کو بہ دستور اندلس کا والی رہنے دوں۔ عقبہ نے اندلس ہی کو پسند کیا اور کہا کہ میں جہاد کو عزیز رکھتا ہوں اور اندلس میں جہاد کا میدان وسیع ہے چناں چہ عبید اللہ سے ملنے کے بعد عقبہ سنہ ۱۱۱ھ میں اندلس آتے اور کئی سال تک یہاں کے والی رہے اور اپنی فتوحات کو بڑھاتے بڑھاتے اربونہ[1] تک پہنچ گئے۔ جلیقیہ البہ[2]، بنبلونہ کو فتح کیا۔ جلیقیہ میں بجز صخرہ[3] کے کوئی مقام ایسا باقی نہ رہا جو فتح نہ کرلیا ہو۔

صخرہ کے فتح نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس جگہ وہاں کا بادشاہ پناہ گزیں تھا جسے بلائی کہتے تھے۔ یہ بادشاہ تین سو پیادوں کے ساتھ اس موضع میں داخل ہوا تھا مسلمان برابر ان سے لڑتے رہے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ اس کے بہت

سے ساتھی بھوک سے مر گئے اور ان میں سے ایک جماعت ہمت ہار کر مسلمانوں سے آملی آخر اس کی فوج میں کمی ہوتے ہوتے کُل تیس مرد رہ گئے جن کے ساتھ دس عورتیں بھی نہ تھیں اور رسد وغیرہ کی حالت اتنی تباہ ہوگئی کہ صرف شہد پر زندگی کا مدار رہ گیا۔ شہد بہ آسانی ملنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس چھتے اور شہد کی مکھیاں تھیں۔ اب یہ لوگ کوہستانی غاروں میں چھُپ گئے آخر مسلمان تھک کر ان کو وہیں چھوڑنے پر مجبور ہو گئے مسلمانوں نے ان کو حقیر جانا، کہنے لگے کہ یہ تیس کافر ہمارا کیا بگاڑ لیں گے لیکن انھی تیس آدمیوں نے بڑی اہمیت حاصل کر لی۔ انشاء اللہ اس کی تفصیل حسب موقع بیان ہوگی۔

غرض عقبہ ابن حجاج بربریوں کی شورش تک اندلس کے والی رہے۔ سنہ ۱۲۱ھ میں بربریوں نے انتقام لینے کے لیے اباضیہ وصفریہ فرقوں پر چڑھائی کی اور اپنے لشکر کا سردار میسرۃ المحفوز مدغری کو بنایا۔ انھوں نے عاملِ طنجہ عمر ابن عبداللہ مرادی سے جنگ کی اور اُسے قتل کر کے طنجہ میں داخل ہوئے اور ایسا قتلِ عام کیا کہ بہ قولِ بعض اہلِ طنجہ کے لڑکے بچے تک مار ڈالے واللہ اعلم۔ پھر افریقیہ کے ارادے سے پلٹے۔ اس شورش میں ہر بربری قوم آس پاس کے لوگوں پر پل پڑی اور ان کو مار کر بھگا دیا۔

جس زمانے میں بشر ابن صفوان اپنے ملک یعنی افریقیہ کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھے اسی زمانے میں عبدالملک ابن قطن محاربی فہری نے موقع غنیمت جان کر عقبہ ابن حجاج پر چڑھائی

کی اور ان کو معزول کر کے خود اندلس پر قابض ہو بیٹھا اس کا حال نہ معلوم ہوا کہ عبدالملک نے عقبہ کو نکال دیا یا مار ڈالا۔ عبدالملک کا زمانۂ حکومت آخر ۱۲۱ھ سے ۱۲۳ھ تک رہا یہاں تک کہ بلج ابن بشر قشیری کعبی اہلِ شام کو لے کر اندلس میں داخل ہو گئے۔ کعبی کے آنے کے اسباب ہم نے آگے چل کر بیان کیے ہیں۔

اب ہم پھر موسیٰ ابن نصیر کا ذکر کرتے ہیں۔ موسیٰ ابن نصیر سلیمان کے عہدِ خلافت میں شام پہنچے۔ ولید کا انتقال ۹۶ھ چھیالیس سال کی عمر میں ہو چکا تھا۔ ولید حضرت معاویہؓ کی خلافت میں پیدا ہوئے تھے۔ ولید کے بعد سلیمان تخت نشین ہوئے۔ طارق اور مغیث نے سلیمان تک پہنچنے میں سبقت کی اور موسیٰ کے خلاف سخت شکایت کی اور جو سلوک موسیٰ نے مائدہ کے سلسلے میں طارق سے اور والئ قرطبہ کے معاملے میں مغیث سے کیا تھا اس کا ذکر بھی کر دیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اس مہم میں موسیٰ کو ایک اتنا قیمتی پتھر ملا ہے کہ فارس کے جواہرات ہاتھ آنے کے بعد سے ویسا پتھر کسی بادشاہ کے خزانے میں نہ آیا ہوگا۔

جب موسیٰ آئے تو خلیفہ نے اور ان کے بیٹے نے ان سے چھوٹتے ہی طارق و مغیث کی شکایت کے سلسلے میں جواب طلب کیا۔ موسیٰ نے بعض عذرات پیش کیے پھر خلیفہ نے مائدہ طلب کیا موسیٰ نے کہا "یہ حاضر ہے" خلیفہ نے اُسے دیکھ کر کہا کیا شروع ہی سے اس کا ایک پایہ کم تھا۔ موسیٰ نے کہا جی ہاں ایسا ہی تھا۔ یہ سنتے ہی طارق نے اپنی قبا میں ہاتھ ڈال کر اس کا پایہ نکالا اس بات سے خلیفہ کو

موسیٰ کے جھوٹ اور اُن کے متعلق ہر شکایت میں طارق کی سچائی کا یقین ہوگیا۔ چناں چہ فوراً موسیٰ کے قید کیے جانے کا حکم صادر کر دیا اور ایک سخت تاوان عائد کیا جس کی ادائی سے وہ قاصر رہے اور انھیں اہلِ عرب سے امداد مانگنی پڑی۔

کہا جاتا ہے کہ قبیلہ لخم نے موسیٰ کے تاوان کی ستر ہزار اشرفیاں اپنے وظائف میں سے دیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ موسیٰ نے اس قبیلے کی ایک عورت سے عقد کیا تھا جس کے پہلے شوہر سے ایک لڑکا شریف نامی تھا۔ موسیٰ نے اس لڑکے کی کفالت کی اور اس پر بہت سے احسانات کیے اس لیے بنی لخم ان کے ممنون تھے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ موسیٰ کو حبیب لخمی کی بہن بیاہی تھی۔ اس طرح لخمی ان کے سسرال والے تھے۔ یہی سبب تھا کہ جب اہلِ اندلس نے عبدالعزیز بن موسیٰ کو قتل کیا ہے تو اس یورش میں حبیب لخمی کے بیٹے کو گھیر لیا۔ بنی لخم کے ساتھ محبت کا یہ سب سے اہم نتیجہ تھا جو لوگوں کے علم میں ہے۔

کلثوم بن عیاض قشیری کی افریقیہ پر لشکر کشی

جب ہشام ابن عبدالملک خلیفہ ہوئے تو انھوں نے افریقیہ کی مہم کے لیے کلثوم ابن عیاض قشیری کو تیار کیا اور ایک لشکر فراہم کیا اور لوگوں کو ان کے ساتھ متعین کیا۔ چوں کہ کلثوم بہت بڈھے تھے اس لیے ان کے بھتیجے بلج ابن بشر قشیری کو ان کے فوت ہو جانے کی صورت میں ولی عہد مقرر کر دیا اور یہ انتظام کیا کہ اگر بلج کام آجائیں تو ثعلبہ بن سلمہ عاملی جانشین ہوں۔ پھر ثعلبہ کو اہلِ اردن

کے لشکر پر بھیجا۔

شام کے ہر لشکر سے چھ ہزار نفر اور قنسرین کے عساکر میں سے تین ہزار نفر جمع کیے اس طرح شام سے ستائیس ہزار سپاہیوں کی فوج دے کر کلثوم ابن عیاض کو روانہ کیا۔ کلثوم کے لیے بہت سی رعایتیں رکھی گئی تھیں اور اسے کئی پارچے کا خلعت بھی دیا گیا تھا۔ کلثوم کی فوج میں جتنے جوان تھے سب جفاکش اور بہادر تھے۔ اس اہتمام کے ساتھ کلثوم مصر روانہ ہوا۔ مصر سے بھی تین ہزار سپاہی آ گئے اب اس کے لشکر میں تیس ہزار کی جمعیت ہو گئی جس کا باقاعدہ اندراج تھا۔ جو لوگ اپنی خوشی سے ان میں شامل ہو گئے ان کی تعداد اس کے سوا ہے۔

امیر المومنین نے کلثوم کو حکم دے دیا تھا کہ ہارون قرنی مولائے معاویہ بن ہشام اور مغیث مولائے ولید کی اطاعت کرے کیوں کہ یہ دونوں مقامی حالات سے واقف ہیں اور والیٔ افریقیہ کو حکم بھیج دیا کہ تم کلثوم کی اطاعت کرو اور جتنی بھی تمھارے پاس فوجیں ہوں ان کے ساتھ کر دو۔ کلثوم افریقیہ پہنچا اور وہاں بھی افریقیہ کے باشندے اور طنجہ کے عرب کثرت سے بھرتی ہوئے یہاں تک کہ کلثوم کے لشکر کی مجموعی تعداد ستر ہزار ہو گئی۔ افریقیہ کی پیادہ فوج پر مغیث، اور سوار فوج پر ہارون قرنی سردار بنائے گئے۔

بربری قبائل اور ان کے سردار میسرہ کو اس لشکر کی آمد معلوم ہوئی تو یہ لوگ بھی جمع ہوئے۔ ان کے خروج و بغاوت کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ جو لوگ حکام پر طعن کرتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بربری اپنے عمال کی حرکتوں سے تنگ آ کر بغاوت کر بیٹھے۔ اس

زمانے میں یہ دستور تھا کہ خلیفہ اور اس کے بیٹے جب ضرورت ہوتی عمالِ طنجہ سے ایسی کھالیں طلب کرتے تھے جو حاملہ بکریوں کا پیٹ چاک کر کے اُن کے بچوں سے حاصل کی جاتی تھیں اور یہ شرط بھی لگا دیتے تھے کہ چمڑا شہد کا ہم رنگ ہونا چاہیے۔ چناں چہ سو سو بکریاں ذبح کی جاتیں اور ان میں ایک چمڑا بھی شرائط کے مطابق نہ ملتا اور یہ بات بربریوں کی تکلیف اور ان کی برہمی کا باعث ہوتی تھی۔
غرض جن لوگوں کو اُمرا سے بغض ہے وہ اس قسم کے الزامات لگاتے ہیں، اگر یہ الزامات سچ ہیں تو ازارقہ و اہلِ نہروان[1] و اصحاب راسبی عبداللہ بن وہب وزید ابن حفص وغیرہ کی اقتدا میں لاحکم الا للہ کہنے اور قرآن کو نیزوں پر اٹھانے اور سر منڈوانے کی کیا توجیہہ ہے۔
بہرحال میسرہ نے بے شمار فوج جمع کر کے موضع بقدورہ[2] میں کلثوم ابن عیاض کے سامنے پڑاؤ ڈالا۔ کلثوم نے خندق کھدوائی۔ ہارون و مغیث نے بھی کلثوم کو مشورہ دیا کہ آپ خندق کھدوایے۔ اور سواروں کی بڑی جمعیتیں تیار کر کے انتظار کیجیے اور ایک دستہ سواروں کا ہمیں دیجیے ہم دشمنوں کی غیر موجودگی میں ان کے قریوں اور اہل و عیال پر جا گریں گے۔ کلثوم نے ان کی رائے پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اتنے میں اس کا برادرِ عم زاد اور نائب بلج آ گیا۔ کلثوم اس کے مشورے کے خلاف عمل نہیں کرتا تھا۔ بلج نے کہا کہ آپ ایسا نہ کیجیے۔ باغیوں کی کثرت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ ان میں سے اکثر ننگے اور نہتے ہیں۔ اس کے بعد جب لڑائی شروع ہوئی تو کلثوم کی سوار فوج کا افسر بلج تھا۔ افریقیہ کی سوار

فوج کا ہارون قرنی افریقیہ کی پیادہ فوج کا مغیث اور اہلِ شام کی پیادہ فوج کا افسر اعلیٰ خود کلثوم تھا۔

یہ جنگ نہایت سخت تھی۔ جب بلج اپنے سواروں کو لے کر حملہ آور ہوتا تو بربری بھی مقابلہ کرتے تھے اور چمڑے کی گوپھن میں پتھر رکھ کر سنگ باری کرتے تھے جس سے اہلِ شام کے گھوڑے بھڑکتے تھے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اونٹوں اور خچروں کے گلے میں مشک اور خشک چمڑے باندھ کر ان کو کلثوم کے لشکر پر چھوڑ دیا، اس حرکت سے بھی گھوڑے بھڑکتے تھے۔ یہ دیکھ کر کلثوم نے لوگوں سے مشورہ کیا اور سوار فوج کو پیادہ فوج میں منتقل کر دیا۔ بربریوں کو باوجود کثرتِ تعداد کے ایسا کرنے کی ضرورت تھی کیوں کہ ان کی سوار فوج اتنی نہ تھی کہ مسلمانوں کی سوار فوج کا مقابلہ کر سکتی۔ جب کلثوم کی سوار فوج میں سے اکثر لوگ پیادہ ہو گئے تو بلج کے سوار تعداد میں بارہ ہزار نفر اور بہ قولِ بعض سات ہزار باقی رہے۔ قولِ آخر زیادہ صحیح ہے۔

سواروں کے پیادہ ہوتے ہی اور بربریوں کے عجیب الہیئت اونٹوں کے گھستے ہی حملہ آوروں کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ اب بربریوں نے آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کر دیا۔ بلج برابر ان پر حملہ کرتا تھا مگر گھوڑوں کے چمکنے کی وجہ سے ان پر قابو نہ پا سکتا تھا۔ مجبوراً دور دور بربریوں کا مقابلہ کرتا رہا اور پیچھے ہٹتا رہا۔ یہاں تک کہ بلج کا لشکر شامیوں کے لشکر سے آن ملا، جگہ اتنی تنگ تھی کہ گھوڑوں کو باندھنے کی گنجایش نہ تھی۔ بلج نے بربریوں کا بے پناہ

ہجوم دیکھ کر نہایت برہم ہو کر سختی سے مقابلہ کیا اور ان کی فوج کو درہم و برہم کر دیا۔ بلج نے دوبارہ حملہ کیا، اب کے بربریوں نے مقابلہ کیا چناں چہ ایک جماعت نے کلثوم پر حملہ کیا اور ایک بلج سے مقابلہ کرتی رہی اور ایسی سختی سے گھیرا کہ بلج اپنے لشکر تک نہ جا سکا اور بربریوں کی فوج کے پیچھے ہو گیا۔ بربریوں کے کئی گروہ جو کثرتِ تعداد کی وجہ سے بلج پر غالب آگئے تھے برابر اس سے لڑتے رہے۔ ان کی فوج کا بڑا حِصّہ میسرہ کے ساتھ بھڑ گیا اور یہ لوگ لڑتے لڑتے کلثوم تک پہنچ گئے۔ اس معرکہ آرائی میں حبیب ابن ابی عبیدہ قرشی، مغیث اور ہارون شہید ہو گئے۔ اور اہلِ افریقیہ کی سوار و پیادہ فوج شکست کھا کر بھاگ گئی، صِرف کلثوم میدان میں قائم رہے۔

مجھے ایک ثقہ شخص سے روایت پہنچی ہے جسے میں جھوٹا نہیں کہہ سکتا کہ اس ہنگامے میں سے ایک شامی صفوں میں سے گزرا جس کے سر پر تلوار کا ایسا زخم لگا تھا کہ سر کی کھال لٹک کر اس کی آنکھوں پر آپڑی تھی، اس شخص نے آنکھوں سے کھال ہٹا کر سر پر رکھی اور اپنے ساتھ والوں کو آواز دی، اس کے ساتھیوں نے اس کی مدافعت بزدلی سے کی۔ اس وقت وہ بلند آواز سے یہ آیت پڑھتا جاتا تھا اِنَّ اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم (الخ) اس آیت کے بعد اس نے یہ آیت پڑھی۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا مؤجلا۔ وہ یہ آیت پڑھ ہی رہا تھا کہ بربریوں نے پھر شدت کے ساتھ حملہ کیا، اس حملے میں وہ گر پڑا اور اس کے ساتھی کام آئے۔ اس کے بعد کسی نے جھنڈا نہیں تھاما۔ غرض

شامی لشکر اس بُری طرح پسپا ہوا کہ پھر نہ سنبھل سکا، جو لوگ سوار ہو سکے وہ سوار ہو کر افریقیہ کی طرف بھاگے۔ بربریوں نے مفرور لشکر کا تعاقب کیا اور بے شمار لوگوں کو قتل اور قید کیا۔ چناں چہ شام کے ثُلث لشکری مقتول، ایک ثلث اسیر ہوئے اور ایک ثلث مفرور ہو گئے۔ مگر بلج بربری لشکر سے مقابلہ کرتا رہا۔ کئی بار فریقین نے ایک دوسرے کو روکے رکھا۔ بلج کی تیغ زنی سے بہت بربری مارے گئے مگر چوں کہ بربریوں کی فوج بے شمار تھی اس لیے ان کے مقتولین کا حساب نہ ہو سکا۔ بلج ان سے لڑنے میں مشغول تھا کہ بربری کلثوم اور اس کے ساتھیوں سے فرصت پا کے بلج کی طرف پلٹے۔ جب بلج نے دیکھا کہ اب مقابلہ و مدافعت کی طاقت نہیں ہے تو مجبوراً بھاگا اور انھی کے شہروں سے گزرا۔ بربریوں نے بحر اخضر تک اس کا تعاقب کیا آخر بلج نے شہر سبتہ میں پناہ لی۔ اس سے پہلے اس کا ارادہ طنجہ میں داخل ہونے کا تھا مگر طنجہ جنگ کے لیے تیار تھا اس لیے وہاں نہ جا سکا اور سبتہ میں آ گیا۔ سبتہ نہایت مستحکم اور آباد شہر تھا، اور نواح کے مقابلے میں سرسبز و شاداب تھا۔ بلج نے سبتہ پر قبضہ رکھا اور ذخائر رسد جمع کیے مگر ہنگامی ضرورت سے زیادہ فراہم کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔

بربریوں نے یہ خبر سُن کر بلج پر پھر چڑھائی کی مگر بلج نے سرِ میدان مقابلہ کر کے ان کو بھگا دیا اور نہایت بے دردی سے قتل کیا۔ دوبارہ پھر بربری لڑنے آئے اور ہار کر واپس ہو گئے۔ اسی طرح پانچ یا چھ مرتبہ فوج کشی کی اور ہارے۔

جب بربریوں کو یہ اندازہ ہوگیا کہ بلج کے پاس لشکر باقی نہیں رہا ہے تو سبتہ سے دو دن کی مسافت تک ورد گرد کی تمام سرزمین کو بے آب و گیاہ کر دیا۔

اب بلج اور اس کے ہم راہیوں نے پڑاو سے نکل کر غارت گری شروع کی حتیٰ کہ لوٹ مار کے لیے کوئی چیز باقی نہ رہی اور کچھ دن بعد ان کے ذرائع معاش بالکل منقطع ہو گئے۔ یہ لوگ فاقہ کشی سے اتنے مجبور ہوتے کہ اپنے گھوڑے تک ذبح کر کے کھا گئے۔ کچھ عرصہ یہ لوگ شہر ہی میں رہے بعد از خرابی بسیار اندلس پہنچے۔ باقی واقعات حسب موقع آیندہ لکھے جائیں گے۔

جب اہلِ شام کو شکست ہوگئی اور ان کی ہزیمت کی خبر نیز شکست خوردہ لشکر میں سے کچھ لوگ شام پہنچے تو ہشام اور اہلِ شام کو یہ بات بہت گراں گزری اور وہ شام کا لشکر بھیجنے پر بہت پچھتائے اور یہ خیال کیا کہ ان کے ساتھ عراقیوں کو یا کسی اور قوم کو کیوں نہ بھیجا کہ شام کے لشکر کو قلت کی وجہ سے شکست نہ ہوتی۔ درحقیقت یہ شکست محض قلّتِ تعداد کی وجہ سے ہوئی، پھر ہشام نے قسم کھائی کہ اگر زندہ رہا تو اہلِ بربر پر ایک لاکھ آدمیوں کا لشکر بھیجوں گا اور یہ سب تنخواہ دار ہوں گے۔ اس کے بعد پھر ایک لاکھ بھیجوں گا اور برابر بھیجتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ سوائے میرے اور میرے بیٹوں پوتوں کے کوئی باقی نہ رہے۔ پھر ان میں بھی قرعہ ڈالوں گا اور اگر میرے نام پر قرعہ نکلا تو میں خود لڑنے کے لیے نکلوں گا۔ یہ قسم کھا کر ہشام نے بشر بن صفوان گورنر افریقیہ

کے بھائی حنظلہ بن صفوان کلبی کو تیس ہزار آدمیوں کی جمعیت سے جنگ کے لیے افریقیہ روانہ کیا اور انھیں ہدایت کر دی کہ جب تک میرا حکم نہ پہنچے افریقیہ سے نہ ہٹنا، کیوں کہ ہشام کو بربریوں سے اندیشہ تھا کہ افریقیہ پر غالب نہ آجائیں اس لیے حنظلہ کو جلدی سے افریقیہ کی طرف روانہ کر دیا تاکہ فوراً وہاں کا انتظام کریں، اِدھر خود فوج، خزانہ اور رسد وغیرہ سے ان کی امداد کریں۔ حنظلہ نے افریقیہ پہنچ کر ایسا ہی کیا، پھر ہشام نے حنظلہ کے پاس بیس ہزار آدمیوں کا لشکر اور بھیج دیا۔

کلثوم اور اُن کے ہم راہیوں کی وہ جنگ جس میں خود کلثوم اور حبیب ابن ابی عبیدہ وغیرہ کام آئے۔ ۱۲۲ھ میں ہوئی اور حنظلہ کی آمد کا سال ۱۲۳ھ ہی۔ حنظلہ افریقیہ پہنچے تو ہشام کی بھیجی ہوئی کمک بھی پہنچی ۱۲۴ھ میں میسرہ نے فوج اکٹھی کی، بربریوں اور حنظلہ میں جنگ ہوئی، اس موقع پر بربریوں نے دو بڑے لشکر مرتب کیے تھے جن میں بے شمار سپاہی تھے۔ ادھر ہشام بستر علالت پر دراز تھے اور ان کی یہی علالت بعد میں مرضِ موت ثابت ہوئی۔

خلیفہ ہشام کی علالت کے سلسلے میں ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہی کہ ایک دن شدّتِ مرض میں ان کی زبان سے نکلا "حنظلہ! میسرہ کے دونوں لشکروں میں سے پہلے ایک سے جنگ کرلو" لوگ یہ سمجھے کہ ہذیان کی حالت میں بڑبڑا رہے ہیں۔ ادھر حنظلہ اور بربریوں کا مقابلہ ہوا، شدنی بات تھی کہ حنظلہ نے پہلے

اس لشکر سے فیصلہ کیا جو موضع قرنؔ میں تھا۔ایک لشکر کو ختم کر کے دوسرے لشکر پر حملہ کیا جو مقامِ اصنامؔ میں تھا۔

ان دونوں لشکروں کو شکستِ فاش دینے کا واقعہ ۱۲۴ھ کے بعد پیش آیا۔اس عظیم الشان فتح کی اطلاع حنظلہ نے ہشام کو دی اور بربریوں کے شہروں پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی۔حنظلہ کا یہ خط ہشام کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ نزع کے عالم میں تھا۔ہشام کا انتقال شعبان ۱۲۵ھ میں ہوا۔

اب بلج کے اندلس میں داخل ہونے کا بیان لکھا جاتا ہے۔بلج اپنے چچا کلثوم بن عیاض کے قتل کے بعد تقریباً ایک سال سبتہ میں محصور رہے۔محاصرے کی سختیاں اس حد کو پہنچ گئیں کہ اپنے جانور ذبح کرکے کھا گئے اور چمڑا پکا پکا کر اس سے پیٹ بھرنے لگے۔ یہاں تک کہ ہلاکت کی نوبت پہنچی۔اس زمانے میں اندلس کا والی عبدالملک ابن قطن تھا۔ان لوگوں نے دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کئی مرتبہ آگ بھی روشن کی،آخر کار اندلس سے اُن کو جزیرے کی جھینگا مچھلیاں دست یاب ہوئیں تو جان میں جان آئی۔بلج نے عبدالملک کو کئی بار لکھ کر امداد طلب کی،امیرالمومنین اور سلطنتِ عربیہ کی اطاعت پر توجہ دلائی کہ ہم تم دونوں ایک ہی خلیفہ کے محکوم ہیں مگر اس نے نہ صرف تغافل سے کام لیا بلکہ بلج کی اس حالت سے خوش ہوا کیوں کہ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں یہ لوگ اس پر غلبہ نہ حاصل کرلیں۔جب اندلس کے عربوں نے ان کی حالتِ زار دیکھی تو بنی لخم کے ایک شخص عبدالرحمٰن ابن زیاد احرام

کو رحم آیا اور اس نے دو کشتیوں میں جو اور اشیاے خوردنی بار کرکے ان کے پاس بھیج دیں جس سے کچھ مصیبت کم ہوئی مگر یہ امداد اس درجہ غیر مکتفی تھی کہ اس سے چنداں فائدہ نہ ہوا اور پھر اسی فاقہ کشی اور ہلاکت سے سابقہ پڑنے لگا۔ مگر کچھ مدت بعد زمین سے ترکاریاں اور سبزی وغیرہ پیدا ہوگئی جس پر ان لوگوں نے گزارہ کیا۔

اندلس کے بربریوں کو جب معلوم ہوا کہ باغی بربری مطیع رعایا اور عربوں پر غلبہ پا چکے ہیں تو یہ بھی اطرافِ اندلس میں باغی ہو گئے۔ پہلے جلیقیہ کے عربوں کو نکال کر قتل کیا پھر استرقہ اور ان شہروں کے عربوں کو نکالا جو وادی الجارہ کی دوسری جانب رہتے تھے مگر ان حالات سے عبدالملک ابن قطن بالکل خوف زدہ نہ ہوا۔ ادھر جو عرب بربریوں سے بچ کر نکل آئے تھے وہ بھی اس کے پاس آگئے اور اطراف کے تمام عرب وسطِ اندلس میں جمع ہو گئے۔ صرف سرقطہ اور بربری سرحدوں کے عرب رہ گئے کیوں کہ ان کی تعداد بربریوں سے زیادہ تھی اس لیے بربری ان کے خلاف بغاوت نہ کر سکے۔

بعد ازاں عبدالملک ابن قطن نے بربریوں پر کئی لشکر بھیجے مگر بربریوں نے ان کو شکست دی اور جہاں عربوں کو پایا قتل کر دیا۔ جب عبدالملک نے یہ دیکھا تو ڈرا کہ کہیں ہماری بھی وہی نوبت نہ ہو جو افریقیہ کے علاقہ طنجہ میں عربوں کی ہوئی، اس موقع پر جب کہ اس کو بربریوں کی تیاریوں کا علم ہوا تو اہلِ شام سے جو سبتہ میں مقیم تھے مدد لینے سے بہتر کوئی صورت نظر نہ آئی

چناں چہ اس نے اہلِ شام کو رفتہ رفتہ کشتیاں بھیج کر اپنے پاس بُلا لیا، نیز ان کے پاس سامانِ رسد وغیرہ سے بھری ہوئی کشتیاں روانہ کیں اور ان سے یہ طے کر لیا کہ اپنی ہر فوج میں سے دس افسر یرغمال کے طور پر دیں گے جن کو جزیرے میں رکھا جائے گا۔ جب لڑائی کے لیے شام کی فوجوں کی ضرورت نہیں رہے گی تو ان افسروں کو جہازوں پر سوار کر کے افریقیہ پہنچا دیا جائے گا۔ شامیوں نے بھی عبدالملک سے یہ عہد لے لیا کہ ہم لوگوں کو ایک ہی بار اکٹھا کر کے افریقیہ بھیج دیا جائے گا اور بربریوں کے مقابلے پر نہ لایا جائے گا۔ ان شامیوں میں عبدالرحمٰن ابن حبیب ابن ابی عبیدہ فہری بھی تھے۔ یہ عبدالرحمٰن وہ ہیں جن کے باپ مقامِ مقدورہ میں شہید ہو چکے تھے۔ ۱۲۳ھ میں عبدالملک نے شامیوں کو لشکر میں شامل کر لیا اور ان لوگوں کو جنھیں بہ طورِ یرغمال لیا تھا، جزیرۃ ام حکیم میں ٹھیرایا۔ اس موقع پر شامیوں کی حالت نہایت تباہ تھی ان کے پاس کچھ نہ رہا تھا کپڑے تک باقی نہ تھے۔ زِرہوں سے ستر پوشی کرتے تھے۔ جب یہ شامی فوجیں جزیرۃ اندلس میں اُتریں تو یہاں ان کو کمایا ہوا چمڑا بہ افراط ملا۔ اس چمڑے کے اُنھوں نے جُبّے بنائے پھر قرطبہ آئے تو عبدالملک ابن قطن نے ان کے سرداروں کو خلعت دیے اور ہر ایک کو انعام دیا مگر یہ سب کچھ بھی اتنا نہ تھا کہ انھیں کافی ہوتا۔ پھر اندلس کے عرب اُمرا نے ان لوگوں کا استقبال کیا اور ان کو اپنے یہاں کے معززین کا لباس پہنایا اور ان پر بڑی مہربانی کی۔ ان عرب سرداروں کی میزبانی سے ان کی حالت درست

ہوئی اور کھا پہن کر مطمئن ہو گئے۔

اب کے بربریوں نے اندلس میں اپنا سردار ابن ہد بن کو مقرر کیا تھا اور جلیقیہ، استورقہ، ماردہ، قوریٹہ اور طلبیرہ سے افواج اکٹھی کی تھیں بے شمار ٹڈی دَل فوج لے کر بربری بڑھے اور دریائے تاجُہ کو عبور کیا تاکہ عبدالملک ابن قطن پر حملہ کر دیں۔

عبدالملک ابن قطن نے مدافعت کے لیے اپنے دونوں بیٹوں قطن اور امیہ کو شامی لشکر کے سردار اور شہر کے عربوں کے ساتھ روانہ کیا۔

بربریوں کو ان کی آمد معلوم ہوئی تو انھوں نے میسرہ کی تقلید میں اپنے سر منڈوا ڈالے تاکہ مقابلے کے وقت مخلوط نہ ہوں، آسانی سے پہچان لیے جائیں اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کر سکیں۔ پھر یہ بربری شہر طلیطلہ کی طرف بڑھے اور ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ قطن اور امیہ بھی اپنی فوجوں کے ساتھ ان کی طرف بڑھے۔ سرزمینِ طلیطلہ میں وادیِ سلیط پر دونوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اہلِ شام نے نہایت غیظ و غضب کے ساتھ حملے کیے اور دلیرانہ جوش کے ساتھ بربریوں کو مارتے رہے اور ان کے بازو بے کار کر دیے اور قتل کی ایسی گرم بازاری کی کہ جو بھاگ کر نکل گئے وہی بچ گئے ورنہ اور سب وہیں کھیت رہے۔

اس جنگ کے بعد اہلِ شام نے باقاعدہ مسلح فوج تیار کی اور اندلس کے علاقوں میں جا بہ جا تقسیم ہو کر بربریوں کو قتل کرنا شروع کیا حتیٰ کہ بربری کی آگ بجھ گئی تو پھر ان لوگوں نے

قرطبہ پر پیہم حملے کرنے شروع کر دیے۔ عبدالملک نے کہا کہ اب تم لوگ یہاں سے جاؤ۔ ان لوگوں نے جواب دیا بہت اچھا ہمیں افریقیہ بھیج دو۔ معاہدے کی شرط یہی تھی۔ اس پر عبدالملک نے عذر کیا کہ ہمارے یہاں اتنی کشتیاں نہیں ہیں جن پر تم ایک دم سوار ہو کر جا سکو کیوں کہ تمھارے ساتھ گھوڑے، غلام، پوشاک وغیرہ سامان کا کافی کھڑاگ ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تم لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے افریقیہ بھیج دیے جاؤ۔ شامیوں نے جواب دیا کہ ہم تو سب ایک ساتھ جائیں گے۔ پھر عبدالملک نے کہا اچھا تم افریقیہ نہیں جاتے ہو تو سبتہ کی راہ لو۔ اس بات پر شامی بگڑ گئے اور انھوں نے کہا "تم ہم کو طنجہ کے بربریوں سے الجھانا چاہتے ہو۔ اس سے تو بہتر یہ ہے کہ ہمیں سمندر کے بھنور میں جھونک دو۔" جب شامیوں نے ابن قطن کے تیور اچھے نہ دیکھے تو سب نے متفق ہو کر اس پر حملہ کر دیا اور قصرِ حکومت سے اس کو نکال کر اپنے سردار بلج کے پاس لائے اور بلج کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ابن قطن یہاں سے نکل کر اپنے اس مکان میں اُترا جس کو دار ابی ایوب کہتے تھے۔ ابن قطن کے دونوں بیٹے بھاگ گئے۔ ایک ماردہ پہنچ گیا، دوسرے نے سرقطہ میں پناہ لی۔ یہ دونوں تھوڑے دن اپنی اپنی جگہ مقیم رہے اور اپنی تدبیریں لگے رہے۔ اس زمانے میں بڑی بدامنی پھیلی رہی۔

ادھر الجزیرہ کے والی نے ان یرغمالی شامیوں کی مدد سے ہاتھ روک لیا جو جزیرۂ ام حکیم میں مقیم تھے اور ان کی غذا اور آب رسانی کا انتظام بند کر دیا۔ اس جزیرے میں پانی بالکل نہ تھا۔ ان تکلیفوں

کی شدت سے ان لوگوں میں سے شام کے ایک ذی عزت شخص کا انتقال ہو گیا۔

جب بلج نے ان لوگوں کو جزیرے سے نکالنے کے لیے آدمی بھیجے اور یہ لوگ نجات پا کر آئے تو انھوں نے ابن قطن کے سلوک کی شکایت کی اور کہا کہ ابن قطن نے ہمارے ایک سردار کو پیاسا مار ڈالا اس لیے ابن قطن سے ہم خون کا بدلہ لیں گے۔ بلج نے ان کو سمجھایا کہ ایسا نہ کرو کیوں کہ وہ قریش سے ہے۔ اس کے علاوہ تمھارے ساتھی کی موت ابن قطن کے ہاتھ سے قتلِ خطا کے طور پر ہوئی ہے۔ تمھیں اس وقت تک صبر کے ساتھ خاموش رہنا چاہیے جب تک معاملات اور حالات پر قابو نہ مل جائے۔ اس جواب سے یمنی سپاہی دفعۃً برہم ہو گئے اور بلج پر سختی کی اور کہا کہ تم قومِ مضر کی حمایت کرتے ہو جب بلج کو ان کے فساد و تفرقے کا ڈر ہوا تو مجبوراً ابن قطن کو قید خانے سے نکلوایا۔

ابن قطن نوّے سال کے بڈھے پھونس تھے، اہلِ مدینہ کے ساتھ واقعۂ حرّہ میں شریک ہو چکے تھے اور جنگِ حرّہ سے بھاگ کر افریقیہ آئے تھے۔ ان کو دیکھتے ہی مجمعے نے شور کیا اور کہا "کیوں رے بھگوڑے" تو حرّہ کے واقعے میں ہماری تلواروں سے بچ کر نکل آیا اور یہاں اس کا بدلہ یوں لیا کہ ہمیں تو نے رسد سے تنگ کر کے کتّے اور کھالیں کھانے پر مجبور کر دیا اور امیر المومنین کی فوجیں بیچ ڈالیں پھر ان کو پُل پر لائے اور قتل کر کے ان کی لاش راستے کی بائیں طرف صلیب پر لٹکا دی اور لاش کے دائیں طرف سوار اور بائیں جانب

ایک کُتّے کی لاش لٹکا دی۔

عبدالملک ابن قطن کی لاش ایک دن تک وہیں لٹکی رہی پھر اس کے بربری غلام جو المدوّر کے رہنے والے تھے، رات کو صلیب سمیت اُسے چرا کر لے گئے۔ اس مقام کو جہاں عبدالملک کی لاش لٹکائی گئی تھی مصلب عبدالملک ابن قطن کہتے تھے۔ جب یوسف قرطبہ کا والی ہوا اور امیہ ابن عبدالملک نے مصلب عبدالملک پر ایک مسجد بنوا دی تو اس کو مسجدِ امیہ کہنے لگے۔ مصلب کا نام جاتا رہا پھر جس زمانے میں اہلِ قرطبہ نے حکم ابن ہشام پر نرغہ کیا اور یہ مقام چٹیل میدان ہو گیا تو مصلب اور مسجد دونوں کے نام جاتے رہے۔

عبدالملک کے دونوں بیٹوں نے اربونہ کے علاقے سے فوجوں کو اکٹھا کر لیا ساتھ ہی یہ دیکھ کر کہ اب اہلِ بلد اور بربریوں کی جنگ ختم ہو گئی ہے اور اہلِ بلد کی تلواروں سے بربریوں کا خون اب تک ٹپک رہا ہے تو انھوں نے بربریوں کو بھی شامیوں سے بدلہ لینے پر آمادہ کرکے اپنے ساتھ شریک کر لیا اور بربریوں سے طے کر لیا کہ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد تمھیں اختیار ہو گا کہ اہلِ بلد کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔

اس اہتمام و اجتماع کے بعد عبدالملک کے دونوں بیٹے عبدالرحمٰن بن حبیب کے ساتھ فوج کشی کے ارادے سے بڑھے۔ عبدالرحمٰن بن حبیب بلج کے ساتھیوں میں تھے۔ جب عبدالملک والا واقعہ پیش آیا تو بلج سے الگ ہو گئے، اہلِ شام کی رفاقت سے انکار کر دیا۔ عبدالرحمٰن ابن علقمہ لخمی والیِ اربونہ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

غرض مجموعی طور پر یہ فوج ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں پر مشتمل ہو کر بلج اور اس کے ساتھیوں کے خلاف چڑھائی کرتی ہوئی قرطبہ پہنچی۔

بلج کا لشکر شمار میں تقریباً بارہ ہزار تھا، یہ وہی مفرور شامی تھے جو پہاڑوں، گاؤں یا افریقیہ کے بعض مقاموں میں رُو پوش تھے۔ اور شام واپس جانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ اہلِ بلد اور اہلِ بربر کے غلام جو بلج نے اکٹھے کر لیے تھے وہ ان کے علاوہ تھے۔ یہ سب کے سب قرطبہ سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلے پر اس موضع میں آئے جسے اقوہ برمطورہ کہتے ہیں اور بلج کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

بلج لشکر لیے ہوئے مقابلے پر آیا اور جنگ شروع ہوئی، اس موقع پر شامی لشکر نے کچھ زیادہ استقلال سے کام نہ لیا، البتہ عبدالرحمٰن بن علقمہ لخمی جو اندلس کے شہ سواروں میں شمار ہوتے تھے انھوں نے کہا کہ مجھے بلج کو دکھا دو میں اسے قتل کر دوں گا یا اس تک پہنچنے سے پہلے خود مر جاؤں گا۔ بربریوں نے اشارے سے بلج کو دکھا دیا کہ وہ سفید گھوڑے پر سوار ہے۔ عبدالرحمٰن نے دیکھتے ہی سرحد کے سواروں کو ساتھ لے کر اس پر حملہ کیا، شامی بلج کے سامنے سے کائی کی طرح پھٹ گئے۔ اس وقت جھنڈا بلج کے ہاتھ میں تھا، عبدالرحمٰن نے بلج کے سر پر تلوار کے دو وار کیے مگر حصین ابن دحن عقیل نے ابن علقمہ پر حملے کیے اور اس پر تلوار کے کئی وار کر کے دور دھکیل دیا۔ عبدالرحمٰن جہاں پہنچتے حصین وہیں اپنی فوج کے ساتھ مقابلے پر آجاتا، آخر حصین نے عبدالرحمٰن کو اس کے

رسالے سے دور کر دیا۔ اور خود کئی پُر زور حملے کیے جن میں عبدالرحمن کو ریل کر پچھلی صفوں تک لے جاتے اور منجھ میں گھُس کر وار کرتے تھے مگر عبدالرحمن شہ زور سوار تھے پینترا بدل کر صاف بچ جاتے تھے۔ علاوہ ازیں اتنی عمدہ زرہ پہنے ہوئے تھے کہ اس پر حصین کی تلوار اثر نہ کرتی تھی۔ آخر کو بلج کی فوج ہمت ہار کر بُری طرح پسپا ہو گئی۔ حملہ آوروں نے تعقب کیا اور ان لوگوں کو قتل و قید کر کے واپس ہوئے۔

اس واقعے کے تھوڑے دن بعد بلج کا انتقال ہو گیا بعض کہتے ہیں کہ عبدالرحمن ابن علقمہ کی تلوار سے جو زخم آئے تھے انھی کے صدمے سے وفات پائی اور بعض کا خیال ہے کہ اجَل طبعی سے انتقال کیا واللہ اعلم۔ غرض بلج کے بعد اہلِ اندلس نے ثعلبہؓ ابن سلامہ عاملی کو اندلس کا والی بنایا۔ اب اہلِ بلد اور بربریوں نے اکٹھے ہو کر ان کے خلاف ماردہ پر چڑھائی کی۔ ثعلبہ نے مقابلہ کیا مگر ان لوگوں نے اس کثرت سے فوجیں مہیا کیں کہ بہادری سے لڑنے کے باوجود ثعلبہ ان کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور شہر ماردہ میں قلعہ بند ہونا پڑا۔ یہاں سے اس نے اپنے نائب متعینۂ قرطبہ کو لکھا کہ بلدیوں سے مقابلے کے لیے ہمارے باقی ماندہ لشکری بھیج دو۔

ثعلبہ کی محصوری کے زمانے میں جب کہ بلدی عرب اور بربری ثعلبہ کے مقابلے کے لیے ماردہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے عید الفطر (یا عید الضحیٰ) آگئی۔ اس موقع پر ثعلبہ نے دشمنوں کی غفلت اور ان کے انتشار سے فائدہ اٹھایا۔ کثرتِ انتشار کی وجہ سے یہ لوگ

منتشر ہو گئے۔ ثعلبہ نے ان پر عین عید کی صبح کو حملہ کر دیا اور شکست دے کر بری طرح قتل کیا اور ان کے اہل وعیال کو قید کر لیا حالاں کہ اس سے پہلے بلج نے کبھی اہل وعیال کو قید نہیں کیا تھا۔ اس موقع پر دس ہزار سے کچھ زیادہ قیدی قرطبہ کے محلۂ مسارہؔ میں آئے۔ اہلِ اندلس کے ان حالات کی اطلاع افریقیہ کے گورنر کو بھی ہوئی پھر اندلس کے چند صالح لوگ خود بھی وفد کی صورت میں گئے اور مراسلت کے ذریعے سے گورنر سے استدعا کی کہ ہم پر ایسا امیر مقرر کیجیے جو ہم کو متفق کر دے اور ہم سے اپنے اور امیر المومنین کے لیے بیعت لے تاکہ شام و اندلس کے تمام ممالک ایک ہی حکومت میں آجائیں کیوں کہ قتل و غارت نے ہمیں تباہ کر دیا ہے اور اب تو ہمیں اپنی اولاد کی طرف سے بھی اندیشہ ہے۔ ادھر ثعلبہ مسارہ میں اُترا ہوا اہلِ بلد کے بوڑھوں اور بچّوں کو جن کو وہ کجاووں میں بٹھا کر لایا تھا فروخت کر رہا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس نے ان قیدیوں میں سے جو بوڑھے تھے انھیں اس طرح بیچا کہ جو کم سے کم قیمت دے وہی لے جائے چناں چہ اندلس میں جو مدنی عرب آباد تھے انھیں ابن الحسن اور حارث ابن اسد جہینی کے لیے بولی بولنے کا حکم دیا اور کہا کہ ان دونوں کے کم سے کم دام کون لگاتا ہے؟ ایک شخص نے کہا ایک کی خریداری کے لیے میرے پاس دس دینار ہیں۔ ثعلبہ نے کہا اس سے کم کون دیتا ہے غرض لوگ مقابلے میں بولی کم کرتے رہے اور وہ برابر کمی پر اصرار کیے گیا، آخر ان میں سے ایک کو ایک کتّے کے معاوضے

میں اور ایک کو ایک بز غالے کے بدلے بیچ دیا۔

یہاں یہ تماشہ ہو رہا تھا کہ مسارہ میں ابو الخطارؒ حسام ابن ضرار کلبی افریقیہ کے گورنر حنظلہ ابن صفوان کی طرف سے اندلس کے والی مقرر ہو کر آ پہنچے (اس زمانے میں یزید ابن ولید خلیفہ تھے) یہاں کے باشندوں نے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ اندلس کے یہ نئے والی شام کے نیک لوگوں میں سے تھے اور دمشق ان کا وطن تھا شامی اور بلدی عرب ان سے خوش رہے انھوں نے آتے ہی قیدیوں کو آزاد کر دیا اس لیے ان کے لشکر کا نام عسکر العافیۃ مشہور ہو گیا۔ اس کے بعد سے ملک میں امن واتحاد قائم ہو گیا اور یہ رنگ دیکھ کر ثعلبہ ابن سلامہ اور عثمان ابن ابی تسعہ اور شام کے دس سرداروں نے راہِ فرار اختیار کی البتہ عبدالملک ابن قطن کے بیٹوں کو امان مل گئی۔ امن وامان کی بدولت لوگوں کی حالت دُرست ہو گئی اور شام کے باشندوں نے اندلس کے اضلاع واقطاع میں مستقل سکونت اختیار کی۔

عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ

اب کچھ بیان عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کے اندلس میں داخل ہونے کا کیا جاتا ہی مگر چوں کہ دولتِ امویہ کے انقلاب کے بعد ہی عبدالرحمٰن ابن معاویہ اندلس میں آئے اس لیے واقعات کا تعلق ظاہر کرنے کے لیے اس سلسلے کے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں۔

مروان ابن محمد بنی امیہ کے آخری خلیفہ کا جو حال ہونا تھا ہوا۔ مشرق میں بنی امیہ کی حکومت کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور بنی عباس کی حکومت قائم ہو گئی۔ مروان ۱۳۲ھ میں قتل ہوا اور اس کا سر عباسی خلیفہ ابوالعباس سفّاح کے پاس بغداد پہنچایا گیا جہاں وہ لشکر انداز تھا سفّاح نے خلیفہ ہوتے ہی بنی امیہ کو چُن چُن کر عبرت ناک طریقوں سے قتل کرانا شروع کیا۔ ابان ابنِ معاویہ گرفتار ہوئے تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انھیں شام کے محلّوں میں تشہیر کیا گیا، منادی حکم کے مطابق ان کی سواری کے پاس نعرہ لگاتا جاتا تھا کہ "ابان ابن معاویہ بنی امیّہ کا شہسوار یہی ہے" اسی حالت میں ابان ابن معاویہ کی جان گئی۔ اس کے بعد بنی امیّہ کی عورتیں اور بچّے قتل ہوئے۔ عبدہ بنتِ ہشام ابن عبدالملک کو صرف اِس بنا پر قتل کر ڈالا کہ اس سے جواہرات اور خزانوں کا پتا پوچھتے تھے مگر اس نے کچھ نہ بتایا۔ اِس خوف ناک ہنگامے سے مرعوب ہو کر بنی امیہ کے بڑے بڑے عالی مرتبہ سردار بھاگ گئے اور عرب کے بدّوؤں اور غیر معروف لوگوں کے ہاں ایسے چھُپے کہ ان کا پتا نہ چلا۔

اِنھی روپوش ہونے والوں میں سے عبدالواحد بن سلیمان اور عمر ابن یزید وغیرہ بھی تھے۔ بنی عبّاس نے اس خیال سے کہ سلیمان ابن ہشام کہیں بھاگ نہ جائے یہ فریب کیا کہ جو بنی اُمیّہ بچ رہے تھے ان کی امان کا اعلانِ عام جاری کر دیا۔ کچھ مدّت کے لیے تلواریں میان میں کی گئیں اور بنی امیّہ کے نام اشتہار ہوا کہ " بنی اُمیّہ پر

جو کچھ گزری ہے اس سے امیرالمومنین نادم ہیں اور وہ اُن کی زندگی چاہتے ہیں۔ لہٰذا بنی اُمیہ کے لیے امان کا عام اعلان کیا جاتا ہے۔ اب کسی کو بنی اُمیہ سے تعرّض کرنے کی جُرأت نہ ہو۔"

اس قسم کی منادی شام کے محلّوں اور سلیمان کے لشکروں میں بھی پہنچی۔ سلیمان ابن ہشام اس وقت کسکرؔ میں تھے۔ اس منادی کے بعد بنی اُمیہ نے کئی وفد بھیجے اور کچھ اوپر ستّر شخصوں کو امان ملی۔ یہ سب لوگ سوائے ایک کلبی کے جو کسی اموی کا خُسر تھا اور ایک ان کے مولیٰ کے اموی تھے۔ انھی لوگوں میں عبدالواحد عمر اور اصبغ ابن محمد ابن سعید تھے اور ان کے علاوہ ایک گروہ ایسا تھا جس کا نام معلوم نہیں۔

اس زمانے میں جب عبّاسیوں کے پاس بنی اُمیہ کا کوئی شخص آجاتا تو عبّاسی اس کی عزت کرتے، اس کو اپنے یہاں ٹھیراتے اور اس سے یہ وعدہ کر لیتے کہ ہم آپ کو امیرالمومنین تک پہنچانے سے پہلے کسی قسم کی تکلیف نہ دیں گے۔ امیرالمومنین نے اعلان کے مطابق ان کو پوری آزادی دے دی تھی۔ مجھے ایک معتبر بزرگ سے معلوم ہوا ہے کہ ان لوگوں کے لیے کامل امن کا انتظام کر دیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے مفرور مطمئن ہو کر واپس آگئے۔

یحییٰ ابن معاویہ بن ہشام اس موضع میں رہتے تھے جس سے چھ میل کے فاصلے پر صالح بن علی کا لشکر مقیم تھا۔ یحییٰ ابن معاویہ کو اور لشکر والوں کی طرح کسی قسم کا اضطراب نہیں ہوا انھوں نے کہا جب اس لشکر کی نسبت صدورِ حکم ہوگا تو میں بھی ان

کے پاس چلا جاؤں گا ۔ پاس تو رہتا ہی ہوں ۔ لوگوں کو انتظار رہا کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے ۔ جب تک مدینہ، عراق اور مصر کے اموی نہ آگئے، انتظار و تشویش کی یہ حالت قائم رہی۔

جب ان مقامات کے اموی بھی جمع ہو گئے تو یحیٰی ابنِ معاویہ نے اپنا آدمی بھیجا کہ واقعات کی تفتیش کر کے اِطلاع دے۔ وہاں یہ آدمی پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اموی قتل کیے جا رہے ہیں ۔ قاصد گرتا پڑتا واپس آیا مگر یحیٰی ابن معاویہ بھاگ نہیں سکے ۔ عباسی سپاہی قریب کے گانو میں پہنچ چکے تھے انھوں نے ان کو پکڑ کر قتل کر دیا ۔ عبدالرحمٰن ابن معاویہ بھی یحیٰی کے ساتھ اس گانو میں رہتے تھے مگر اتفاق کی خوبی ہے کہ اس دن شکار کے لیے کہیں گئے ہوئے تھے، رات کے وقت انھیں اس حادثے کا علم ہوا ۔ فوراً بھاگنے کی تیاری کی اور ساتھ والوں کو ہدایت کی کہ ان کا بیٹا ابو ایوب اور دونوں بہنیں ام الاصبغ اور امتہ الرحمٰن بعد میں بھیج دی جائیں ۔ جب بنی امیہ سفاح کے نزدیک جمع ہونا شروع ہوئے تو وہ ان لوگوں کو عزت کے ساتھ اپنے پاس بٹھاتا اور سراپردوں میں ٹھیراتا رہا جب سب اکٹھے ہو گئے اور سفاح کی نظر عبدالواحد بن سلیمان پر پڑی تو سفاح نے عبدالواحد کا ایک احسان یاد کر کے اسے اپنے قریب بٹھایا اور اس احسان کا ذکر کرتا رہا اور انھیں امید دلاتا رہا ۔ اس وقت چاروں طرف مُسلح سپاہی لوہے کے گرز تانے ہوئے کھڑے تھے ۔ دفعتہً سفاح نے ان کو اشارہ کیا اور کہا کہ ان لوگوں

کے سر کچل ڈالو، اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ پھر سفّاح نے عبدالواحد سے مخاطب ہو کر کہا "تجھے بھی اپنی قوم اور زوالِ اقبال کے بعد جینا مناسب نہیں ہی، ہم نے تیرے لیے فیصلہ کر دیا ہی کہ تجھے تلوار سے قتل کیا جائے" چناں چہ عبدالواحد کو ہاتھ پاؤں باندھ کر قتل کر دیا گیا۔ پھر یہی سلوک عمر ابن یزید کے ساتھ ہوا۔ ان لوگوں کے سر ابو العبّاس کے پاس بھیج دیے گئے تو انھوں نے بھی سلیمان ابن ہشام کی گردن ماردی۔ جب باقی بنی امیہ نے یہ حال سُنا تو دُور دُور کے ضلعوں میں اپنے ٹھکانوں میں چلے گئے۔ اوپر کی سطور میں جن مقتولین کا ذکر ہی ان کے سبب سے نہر ابی فطرسؓ کے مقتولوں کی تعداد پوری تہتّر ہو گئی۔ حفص ابن نعمان نے اپنے اشعار میں انھی کا ذکر کیا ہی۔

ابن اصحاب العطایا منهم   والبهالیل بنو الصید النجب
من یرد یسئل عنهم فهم   حیث ..... من فوق الخشب

(بنی امیہ کے اصحاب عطا و کرم جو اولادِ ملوک اور شریف النسل سردار تھے کدھر گئے۔ جو شخص ان کی حالت پوچھنا چاہے اس سے کہہ دو ان کا جنازہ اُٹھ گیا۔)

اس کے بعد بنی اُمیہ کی گرفت بڑی سختی سے ہونے لگی۔ یہ لوگ جا بہ جا بھاگ کر رُو پوش ہو گئے اور چوں کہ ان لوگوں نے سنا تھا کہ ان کا مامن مغرب میں ہو گا، اس لیے اکثر لوگ افریقیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان میں سے السفیانی الثائر اور ولید ابن یزید کے بیٹے العاصی و موسیٰ اور حبیب بن عبدالملک بن عمر و بن الولید قابلِ ذکر ہیں۔ ان سے پہلے جو لوگ افریقیہ جا چکے تھے ان میں

جزئی ابن عبدالعزیز بن مروان اور عبدالملک ابن عمر بن مروان ہیں جو خلیفہ مروانؓ کے قتل کے وقت ہی چلے گئے تھے اس طرح افریقیہ میں بہت سے لوگ پہنچ گئے۔

اس زمانے میں افریقیہ کے گورنر عبدالرحمٰن ابن حبیب ابن ابی عبیدہ فہری تھے۔ عبدالرحمٰن نے افریقیہ میں ان لوگوں کی آمد کو اچھا نہیں سمجھا۔ پھر عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام نے بھی یہیں پناہ لی۔

عبدالرحمٰن ابن معاویہ کی آمد کے واقعات مختصراً یہ ہیں کہ جب ابی فطرس کے باشندوں کو امن ملا تو عبدالرحمٰن سترہ سال کے نوعمر لڑکے تھے۔ سیاہ جھنڈوں کی خبر سُن کر اپنے مکان واقع دیرحنا ضلع قنسرین میں واپس آگئے اور یہاں ٹھہر کر اپنے بعض بھائیوں اور اہل و عیال کو جمع کیا۔ عبدالرحمٰن ابن معاویہ کے ساتھ ان کا بیٹا سلیمان ابوایوب بھی تھا، جو مروان کے زمانے میں سنہ ۱۳۰ھ میں پیدا ہؤا تھا۔ مجھے عبدالرحمٰن ابن معاویہ کی فراری کے واقعات ایک ایسے شخص سے معلوم ہوئے ہیں جس نے خود عبدالرحمٰن کو ایک جماعت سے اپنے حالات بیان کرتے ہوئے سُنا تھا۔

عبدالرحمٰن کہتے ہیں جب ہمیں امن کی خبر ملی تو میں تفریح کے لیے باہر روانہ ہوچکا تھا۔ یکایک میری غیبت میں خاندان والوں پر آفت نازل ہوئی۔ میں گھر واپس آیا اور اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتوں اور مصلحتوں کا انتظام کرکے گھر سے نکلا اور فرات کے کنارے ایک گانو میں داخل ہؤا۔ اس گانو میں درخت بکثرت

تھے مگر میں تو مغرب کا ارادہ کر کے چلا تھا یہاں کیوں ٹھیرتا۔اس کے علاوہ میں نے ایک روایت سُنی تھی کہ میرے والد میرے دادا کے زمانے میں انتقال کر چکے تھے جس وقت ان کی وفات ہوئی میں لڑکا ہی تھا۔ان کی وفات کے وقت مجھے اور میرے بھائیوں کو میرے دادا کے پاس رصافہ میں پہنچا دیا گیا۔مسلمہ بن عبد الملک اس وقت زندہ تھے، ہم اپنی سواریوں پر ان کے دروازے پر کھڑے تھے کہ مسلمہ نے ہمارا حال پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ جواب میں ان سے کہا گیا کہ یہ معاویہ کے یتیم بچے ہیں۔ یہ سُن کر مسلمہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور انھوں نے دو دو کر کے سب کو بُلایا۔جب میری باری آئی تو مجھے گود میں لیا اور پیار کیا پھر اپنے داروغہ سے کہا کہ ان کو لو اس نے مجھے سواری سے اتار کر ان کے پاس کھڑا کر دیا۔انھوں نے مجھے دیکھ کر چومنا اور رونا شروع کر دیا۔ میرے بعد جو مجھ سے چھوٹے بھائی تھے ان کو نہیں بُلایا۔ میری طرف متوجہ رہے اور اپنے ہی پاس رکھا۔میں اُن کے آگے ان کی زین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسی اثنا میں میرے دادا کا ادھر سے گُزر ہوا۔جب انھوں نے مسلمہ کو دیکھا تو پوچھا کہ "ای ابو سعید یہ کون ہی؟" انھوں نے کہا کہ یہ ابو مغیرہ کا بچہ ہی۔ پھر میرے دادا کے قریب ہو کر ان سے کہا "وقت قریب آگیا ہی وہ یہی ہی" انھوں نے پوچھا کہ "واقعی یہی ہی؟" مسلمہ نے جواب دیا بہ خدا یہی ہی میں نے اس کی پیشانی اور گردن سے علامات اور نشانیاں پہچان لی ہیں" پھر مجھے داروغہ کے حوالے کر دیا۔اس وقت میری عمر دس سال کے قریب تھی۔اُس وقت

سے میرے دادا میرے ساتھ بہت مہربانی کرنے لگے، ہر ماہ میرے پاس جیب خرچ اور قاصد بھیجتے تھے۔ ہم لوگ ضلع قنسرین میں رہتے تھے اور ہمارے اور ان کے درمیان ایک دن کی مسافت تھی۔ میرے ساتھ ان کا یہ طریقہ آخر وقت تک رہا پھر ان کا انتقال ہو گیا، اُن کے انتقال سے دو سال پہلے مسلمہ وفات پا چکے تھے۔

اِس واقعے کے علاوہ چند اور واقعات جن کا ذکر ہوتا رہتا تھا، میرے ذہن میں جمے ہوئے تھے۔ جب یہ موقع آیا تو میں ایک گاؤں میں اپنے مسکونہ گھر کے ایک تاریک حصّے میں بیٹھا ہوا تھا، اُس وقت ہمیں سیاہ جھنڈے والوں کی آمد کا علم نہ ہوا تھا۔

اس دن میری آنکھیں سخت آشوب کر آئی تھیں۔ میرے پاس ایک سیاہ کپڑا تھا اس سے میں چیپڑ صاف کرتا جاتا تھا۔ میرا لڑکا سلیمان جو تقریباً چار سال کا تھا باہر کھیل رہا تھا یکایک وہ دروازے سے آکر میری گود میں گر پڑا اور بچّوں کی طرح آواز سے رونے اور بے قراری ظاہر کرنے لگا۔ میں نے اپنی تکلیف کی وجہ سے اُسے دھکیل دیا۔ میں اس کو معمولی بات سمجھا تھا۔ مجھے خوف اس وقت معلوم ہوا جب میرے ایک بھائی نے مجھ سے آکر کہا کہ میں نے عباسیوں کے سیاہ جھنڈے دیکھے ہیں۔ جب بچّہ ڈر کر مجھ سے لپٹا تھا تو میں نے بھی باہر نکل کر دیکھا تھا مگر اس وقت میں اچھی طرح سمجھا نہیں۔ پھر میں نے باہر نکل کر دیکھا تو مجھے جھنڈے قریب آتے ہوئے نظر آئے۔ غرض میں نے انتظامِ سفر کے لیے جستجو کی تو مجھے چند دینار سے زیادہ کچھ نہ ملا۔ ان دیناروں کو لے کر میں نے اپنے لڑکے اور بھائی،

کو ساتھ لیا اور اپنی بہنوں ام اصبغ اور امۃ الرحمٰن کو اپنے ارادے سے مطلع کر کے ہدایت کی کہ میرے غلام کو مناسب سامان کے ساتھ میرے پاس بھیج دینا اگر زندہ رہا تو بل جاؤں گا۔

یہ کہہ کر میں نکل کھڑا ہوا اور ایک ایسی جگہ چھپ گیا جو گاؤں سے دور واقع تھی۔ جن لوگوں سے ہم کو اندیشہ تھا انھوں نے بڑھ کر گاؤں کا اور پھر میرے گھر کا محاصرہ کر لیا مگر انھیں میرا کوئی پتا نہ چلا۔ چلتے چلتے ہمیں ہمارا غلام بدر بھی مل گیا۔ ہم اسی کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے ایک شخص سے ملے اور اس سے سواری مہیا کرنے اور ضروری سامان خریدنے کے لیے کہا۔ ہم اس کا انتظار کر ہی رہے تھے کہ سامان مل جائے تو چلیں کہ اتنے میں اس شخص کے غلام یا مولیٰ نے قریے کے عامل کو ہمارا کھوج بتا دیا۔ چناں چہ وہ ہمیں گرفتار کرنے کے لیے آیا۔ واللہ جب ہم نے سواروں کا شور و غل سنا تو کان کھڑے ہوئے۔ ہم نے بھاگنا شروع کیا تو سواروں نے ہمیں دیکھ لیا۔ ہم دریائے فرات کے کنارے چند پرانی قبروں میں چھپ گئے۔ سواروں نے گھیرا ڈالنا شروع کیا، حتیٰ کہ قبروں کو بھی گھیر لیا۔ اس وقت ہم نے جرأت سے کام لیا۔ ایک دم نکل کر فرات میں کود پڑے، سوار بھی ہماری طرف آئے۔ ہمیں دیکھ کر سواروں نے غل مچایا کہ "پلٹ آؤ تمھیں کوئی خطرہ نہیں ہے" مگر میں نے اور میرے بھائی نے تیرنا شروع کر دیا۔ ایک ساعت ہم تیرتے رہے اور میں اپنے بھائی سے آگے نکل گیا۔ جب میں نے تقریباً نصف فرات طے کر لیا تو میں نے مڑ کر اپنے بھائی کو دیکھا کہ اس کی کچھ مدد کروں

یا آواز دے کر بلاؤں۔ مگر وہ ڈوب جانے کے اندیشے سے اتنا خائف ہو گیا کہ سواروں کی امان کے وعدے سے دھوکے میں آگیا اور ڈوبنے سے بچ کر موت کے منھ میں جا پڑا۔ میں نے اس کو بہتیری آوازیں دیں کہ پیارے میرے پاس آجاؤ مگر خدا کا حکم نہیں تھا کہ وہ میرا کہنا سنتا، چناں چہ ان کے پاس چلا گیا۔ ادھر میں نے فرات کو طے کر لیا۔ ان میں سے بعض نے کپڑے اُتار کر میرے تعاقب میں تیرنے کا ارادہ کیا تھا مگر میرے بھائی کو دیکھ کر اُن کی رائے بدل گئی۔ اس کو انھوں نے پکڑ لیا اور میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا۔ اس وقت مرحوم کی عمر تیرہ سال تھی اس کے بعد میں آگے چل دیا۔

یہ سارا بیان امیر عبدالرحمٰن الداخل کا ہے۔ ان کے سوا جن لوگوں سے ان کے واقعات معلوم ہوئے وہ یہ ہیں کہ عبدالرحمٰن یہاں سے آگے چل کر فلسطین پہنچے۔ یہاں ان کی بہن ام اصبغ کا فرستادہ ان کا غلام بدر اور ام اصبغ کا غلام سالم ابو شجاع آئے۔ ام اصبغ عبدالرحمٰن کی سگی بہن تھی۔ ان دونوں غلاموں کے ساتھ کچھ نقدی اور جواہرات تھے، یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ دونوں غلام ان سے کہاں ملے۔ عبدالرحمٰن دونوں کو ساتھ لیے ہوئے افریقیہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت تک ان کے خاندان کی ایک جماعت افریقیہ پہنچ چکی تھی۔

اس زمانے میں افریقیہ کے گورنر عبدالرحمٰن ابن حبیب کے پاس ایک یہودی تھا جو مسلمہ بن عبدالعزیز کا دوست تھا وہ اکثر ابن حبیب سے کہا کرتا تھا کہ اندلس پر ایک شہزادے کی حکومت قائم ہوگی جس کا نام عبدالرحمٰن ہوگا اور اس کی دو زلفیں ہوں گی۔

یہ سُن کر عبدالرحمٰن ابن حبیب نے اس پیشن گوئی کو اپنی طرف منسوب کرنے کے لیے زُلفیں بھی چھوڑ دی تھیں۔ یہودی، ابن حبیب کی اس حرکت پر کہا کرتا تھا کہ "تم بادشاہوں کی نسل سے نہیں ہو" اور وہ جواب میں کہتے کہ "بہ خدا میں ہوں"

جب عبدالرحمٰن ابن معاویہ، عبدالرحمٰن ابن حبیب کے پاس آئے اور ابن حبیب نے دیکھا کہ اُن کی زُلفیں چھٹی ہوئی ہیں تو یہودی کو بُلاکر کہا "کم بخت یہ وہی ہے جس کو تو کہتا تھا۔ اب میں اسے قتل کیے ڈالتا ہوں" یہودی نے کہا کہ "اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو میں کہوں گا کہ یہ وہ نہیں ہے، اور اگر چھوڑ دیا تو بے شک وہی ہے" ابن حبیب نے ولید ابن یزید کے دونوں بیٹوں کو قتل کر دیا اور اسمٰعیل ابن ریان ابن عبدالعزیز کے مال پر قبضہ کر کے اسمٰعیل کی بہن سے زبردستی نکاح کر لیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن ابن معاویہ کی فکر میں رہنے لگا۔

کچھ لوگوں نے عبدالرحمٰن ابن حبیب کے منصوبوں سے عبدالرحمٰن ابن معاویہ کو آگاہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن ابن معاویہ فوراً اپنے ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھے اور یہ سب بربری شہروں میں منتشر ہو گئے۔ عبدالرحمٰن ابن معاویہ ایک گاؤں میں آئے جس کا نام باری تھا اور قبیلۂ مکناسہ میں مقیم ہوئے۔ مگر اس قبیلے کے لوگوں سے انھیں کچھ تکلیف پہنچی (جس کا بیان باعث تطویل ہوگا) اس لیے انھیں چھوڑ کر دریا کے پاس سبتہ میں پہنچے، یہاں قبیلۂ نفزہ کے مہمان ہوئے۔ اس قبیلے کے لوگ ان کے ماموں تھے کیوں کہ ان کی والدہ نفریہ تھیں۔

ان سفروں میں ان کا غلام بدر ساتھ رہا۔ سالم افریقیہ میں جُدا ہوگیا جس کا سبب یہ ہے کہ وہ ایک زودغضب اور تُند مزاج غلام تھا۔ ایک دن وہ بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا کہ عبدالرحمٰن ابن معاویہ کے پاس ان کے بعض چچیرے بھائی آئے۔ عبدالرحمٰن نے سالم کو آواز دی۔ سالم کو خبر نہ ہوئی۔ جب عبدالرحمٰن کے حکم سے اس کے مُنھ پر پانی کے چھینٹے دیے گئے، تو یہ بات اسے ناگوار ہوئی اور وہ خفا ہوکر ملکِ شام کو واپس چلا گیا۔

سالم ابوشجاع اُندلس کے حالات سے واقف تھا کیوں کہ وہ موسیٰ ابن نصیر کے ساتھ یا ان کے بعد اندلس آچکا تھا اور اسے اندلس کے صیفی (گرمائی) لشکروں میں رہ کر لڑنے کا تجربہ تھا اس لیے عبدالرحمٰن ابن معاویہ کو اس کی جُدائی شاق گزری، غرض سالم انھیں چھوڑ کر ملکِ شام میں اُمّ الاصبغ کے پاس چلا گیا۔

اب پھر ابوالخطار کی ولایتِ اُندلس کا حال بیان کیا جاتا ہے۔

ابوالخطار چار سال چھ ماہ تک اُندلس کے والی رہے۔ یعنی ۱۲۸ھ تک۔ ان کے زمانے میں اہلِ شام کی مدد کے لیے صمیل بن حاتم بن شمر بن ذی الجوشن کوفی اندلس میں آچکا تھا۔ جب شمر نے حضرت حُسین بن علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو مختار نے ان کے انتقام میں شمر کو قتل کر دیا۔ اس زمانے میں شمر کی اولاد کوفے سے نکل کر مغرب کی طرف آگئی اور الجزیرہ میں سکونت اختیار کی پھر جب قنسرین کا لشکر تیار ہوا تو صمیل اس میں داخل ہوکر پہنچ گیا تاکہ اپنے ساتھیوں کے خون کا بدلہ لے۔

اندلس میں صمیل نے بڑا مرتبہ حاصل کیا۔ قبیلۂ قیس صمیل کا مطیع ہو گیا۔ صمیل جرأت و سخاوت کی وجہ سے اندلس میں بہت نام ور ہو گیا۔ اس کی اس شہرت سے ابوالخطار آزردہ ہوتے۔ ایک دن صمیل ان کے یہاں گیا۔ اس وقت ابوالخطار کے لشکری بھی ان کے پاس جمع تھے۔ ابوالخطار نے اس موقع پر صمیل کی توہین کرنا چاہی اور بات بہت بڑھ گئی۔ آخر صمیل[۱] گالیاں اور گھونسے کھاکر ابوالخطار کی مجلس سے نکلا اور گھر آکر اپنی قوم کے سر برآوردہ لوگوں کو جمع کیا اور جو کچھ گزری تھی اس کی شکایت کی۔ ان لوگوں نے کہا "ہم تمھارے ساتھ ہیں جیسا کہو ویسا کریں" صمیل نے کہا خدا کی قسم میں نہیں چاہتا کہ بنی مضر کو بنی قضاعہ اور یمنی قبائل سے ٹکرا دوں لیکن ہم حسنِ تدبیر اور نرمی کے ساتھ قوم مرج[۲] راہط کو دعوت دیتے ہیں اور بنی لخم و بنی جذام کو مدد کے لیے بلاتے ہیں۔ انھی میں سے ایک شخص کو انتخاب کرکے سردار بنالیں گے۔ نام اس کا ہوگا، فائدہ ہم اٹھائیں گے۔ چناں چہ ثوابہ بن سلامہ جذامی کو لکھا گیا۔

ثوابہ[۳] فلسطین کے باشندے تھے۔ مراسلت کے ساتھ ایک وفد بھی ثوابہ کے پاس بھیجا گیا بالآخر ثوابہ اور بنی لخم و جذام نے ان کی امداد کا وعدہ کر لیا۔ بنی لخم و بنی جذام کی رفاقت اور صمیل کی اس تیاری کا علم ابوالخطار کو ہوا تو انھوں نے اہلِ اندلس کی ایک جماعت ساتھ لے کر حملہ کیا۔ دریائے شذونہ کے کنارے ثوابہ اور ابوالخطار معرکہ آرا ہوئے۔ نتیجے میں ابوالخطار کو شکست ہوئی اور وہ قید کر لیے گئے۔ اس لڑائی میں ابوالخطار کے آدمی

کم مارے گئے۔ ابوالخطار کے قید ہونے پر ثوابہ نے اہلِ اندلس پر تلوار نہ اُٹھائی اور بڑھتا ہوا قصرِ اندلس میں داخل ہوگیا۔ ابوالخطار بھی ثوابہ کے ساتھ یہاں پا بہ زنجیر آئے۔ ثوابہ نے ایک سال حکومت کر کے ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔

ثوابہ کے بعد اہلِ اندلس نے بڑے اختلاف کے بعد یوسف ابن عبدالرحمٰن بن عقبہ بن نافع فہری کی حکومت پر اتفاق کیا لیکن ان کے انتخاب میں کوئی معرکہ آرائی نہیں ہوئی۔

یوسف بن عبدالرحمٰن کے دو حریف تھے۔ ایک یحییٰ بن حریث جذامی باشندۂ اردن نے اپنی اہلیت کا دعویٰ کیا تھا، دوسرے ثوابہ بن عمرو تھے جو یحییٰ پر اپنی ترجیح کے مدعی تھے۔ ان کے باہمی اختلاف کے بعد آخر میں یوسف کا انتخاب ہوگیا اور طے پایا کہ ضلع ریہ یحییٰ ابن حریث کے لیے چھوڑ دیا جائے کیوں کہ اہلِ اردن اس میں سکونت رکھتے تھے۔ یحییٰ نے بھی اس تصفیے سے اتفاق کیا۔

پھر بنی قضاعہ جمع ہوئے انھوں نے اپنا رئیس عبدالرحمٰن ابن نعیم کلبی کو مقرر کیا۔ عبدالرحمٰن نے دو سو پیادے اور چالیس سوار لے کر قصرِ قرطبہ پر شب خوں مارا۔ قصر کے سواروں کو بھگا کر قید خانے پر چڑھ آیا اور ابوالخطار کو قید سے نکال کر راتوں رات بھاگ نکلا۔ پناہ لینے کے لیے بنی کلب اور حمص کے قبائل میں ٹھیرنا چاہا تو ان لوگوں نے مزاحمت کی اور مدد دینے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً یہاں سے بھی فرار ہوا اس کے بعد عبدالرحمٰن ابن نعیم نے کوئی نئی بات نہیں کی اور سب لوگ بلا اختلاف یوسف کی امارت پر متفق ہوگئے۔

یوسف نے حکومت میں استقلال پیدا کرتے ہی ابن حریث کے ساتھ بے وفائی کی اور ریہ سے معزول کر دیا اس لیے یحییٰ ابن حریث نہایت خفا ہوا اور ابوالخطار سے مراسلت اور گفت و شنید شروع کردی۔

جب ابوالخطار اور ابن حریث یوسف کے خلاف سعیِ امارت کے لیے جمع ہوئے تو ان میں آپس میں اختلاف ہوگیا۔ ابوالخطار نے کہا "میں امیر ہوں" ابن حریث نے کہا "نہیں" بلکہ مجھے امارت کا حق زیادہ ہے کیوں کہ میری قوم تمھاری قوم سے زیادہ ہے۔ جب بنی قضاعہ نے ابن حریث کے دعوے پر غور کیا تو انھوں نے چاہا کہ یمنیوں میں اتحاد ہو جائے۔ اس غرض سے انھوں نے ابن حریث کا دعویٰ تسلیم کرکے ابن حریث کو ترجیح دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس کے یمنیوں میں قبائل حمیر، کندہ، مذحج اور قضاعہ نے ابن حریث پر اتفاق کیا اور قبیلۂ مضر و ربیعہ کے لوگ یوسف کے طرف دار ہوگئے۔ مگر ربیعہ کی تعداد اندلس میں بہت کم تھی۔ رفتہ رفتہ ہر فوج میں سے یمنی سردار ابن حریث کے ساتھ ہوگئے۔ اہلِ بلد نے اہلِ شام کی طرح ناراضی کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ البتہ مضر کے سرداروں نے یوسف اور صمیل کی حمایت قبول کی۔

اس موقع پر یہ بھی ہوا کہ فریقین کے لوگ ایک دوسرے سے رخصت ہو رہے تھے اور اس میں باہم کوئی مزاحمت نہ کرتے تھے تاکہ ہر فریق کے آدمی اپنی اپنی جماعت میں جاکر شامل ہو جائیں۔ اسلام میں اپنی شان کی یہ پہلی جنگ تھی اس سے پہلے کبھی ایسی جنگ نہ ہوئی تھی۔ اس کی تباہ کُن نوعیت سے اندلس میں اسلام

کے تباہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ خدا ہی ہے جو اس کی حفاظت کرے۔

راوی کا بیان ہے کہ اس تیاری کے ساتھ ابن حریث اور ابوالخطار نے یوسف و صمیل پر قرطبہ میں چڑھائی کر دی۔ ادھر یہ دونوں تریۂ شقندہ سے ہوتے ہوتے دریائے قرطبہ پر اُترے ادھر یوسف و صمیل اپنے لشکروں کے ساتھ دریا کو عبور کرکے ابوالخطار اور ابن حریث کی فوجوں کی طرف بڑھے۔ صبح کو نماز کے وقت مقابلہ شروع ہوا۔ پہلے سواروں میں نیزہ بازی شروع ہوئی حتّٰی کہ نیزے پھٹ گئے۔ گھوڑے اڑ گئے اور دھوپ میں تیزی پیدا ہو گئی۔ اب لڑنے والوں نے دست بہ دست جنگ کی خواہش کی اور سب نے گھوڑوں سے اُتر کر تلواروں سے لڑنا شروع کیا۔ جب تلواریں بھی ٹوٹ گئیں تو ہاتھا پائی اور بالوں کی نوچ کھسوٹ تک نوبت پہنچ گئی۔ مسلمانوں کی جنگ میں اتنے سخت استقلال کی مثال بسوائے جنگِ صفین کے دوسری نہیں ملتی۔ دونوں لشکر تعداد میں زیادہ نہیں تھے، نہ یہ نہ وہ، بلکہ دونوں قوموں کے چیدہ برابر کی ٹکر کے لوگ تھے، البتہ یمنیوں کی تعداد کسی قدر زیادہ تھی۔ جب یہ لڑنے والے دست بہ دست لڑائی سے بھی تھک گئے تو ایک نے دوسرے کے منھ پر خالی کمان اور ترکش مارنا شروع کیے اور دھول اُڑائی اسی ہنگامے میں یکایک صمیل کو ایک بات سوجھ گئی اور اس نے یوسف سے کہا کہ "ہم کو اس کا خیال ہی نہ رہا کہ ہم ایک لشکر اور چھوڑ آئے ہیں اور ہم اس سے اب تک غافل رہے"۔ یوسف نے پوچھا وہ کونسا لشکر ہے۔ صمیل نے کہا "قرطبہ کے بازار والے"۔

یہ سُن کر یوسف نے اپنے غلام خالد بن یزید اور ایک اور شخص کو اہلِ بازار کے لانے کے لیے بھیجا۔ ان دونوں نے بازار والوں میں سے تقریباً چار سو پیادے جمع کیے۔ ان لوگوں کے پاس لکڑیاں اور ڈنڈے تھے، کچھ لوگوں کے پاس تلواریں اور برچھیاں بھی تھیں قصاب ہاتھ میں چھُرے لے کر نکلے یہاں انھوں نے فوجوں کو بے دم پایا۔ اب ظہر و عصر کا وقت گزر چکا تھا۔ لڑنے والوں نے نمازِ امن ادا کی تھی نہ نمازِ خوف۔ سب لڑائی میں نہایت سختی سے مشغول تھے۔ جدید حملہ آوروں نے ان کو سخت مرعوب کر دیا اور بہ کثرت آدمیوں کو قتل و اسیر کر ڈالا۔ ابوالخطار و ابن حریث قید ہوئے۔ یہ دونوں یمنی گروہ کے امیر تھے۔

جب ابنِ حریث نے دیکھا کہ قرطبہ کے بازار والے اس کے ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں تو وہ چھُپ گیا اور ایک چکی کے نیچے بیٹھ رہا جو لکڑیوں کی ایک ٹال پر رکھی تھی۔ بنی مضر نے ابوالخطار کو قید کیا اور اُسے قتل کرنا چاہا تو ابوالخطار نے کہا "میں کہیں بھاگا نہیں جاتا، تم پہلے ابن سودا ابن حریث کی تو خبر لو جو تمھارے قریب ہی ہی" یہ کہہ کر ابن حریث کا پتا بتا دیا۔ تلاش کرنے سے ابن حریث مل گیا پھر ابوالخطار اور ابن حریث دونوں قتل کر دیے گئے۔

پہلے ابن حریث کہا کرتا تھا کہ "اگر اہلِ شام کا خون میرے لیے کسی بڑے پیالے میں جمع ہو جاتے تو میں یقیناً سب پی جاؤں گا" قتل ہوتے وقت ابوالخطار نے اس سے طنزیہ کہا "ای ابن سودا

تیرے پیالے میں کچھ بچ تو نہیں رہا جسے تونے اب تک نہ پیا ہو"۔
ان کے قتل ہونے کے بعد اور قیدی طلب ہوئے صمیل ان کے فیصلے کے لیے ایک گرجے میں بیٹھ گیا جو شہر قرطبہ کے اندر واقع تھا۔ اب اس جگہ مسجد جامع بنی ہوئی ہے۔ یہاں اس نے ستر آدمیوں کو مارا۔ جب قاسم ابوعطا ابن احمد مری نے یہ حالت دیکھی تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور صمیل سے کہا "اے ابو جوشن بس اب اپنی تلوار میان میں کر لو"۔ صمیل نے جواب دیا "اے ابو عطا! بیٹھ جاؤ اسی میں تمھاری اور تمھاری قوم کی عزت ہے" ابوعطا بیٹھ گئے مگر صمیل نے تلوار میان میں نہ رکھی تھی، اس لیے ابوعطا پھر اُٹھے اور کہا "اے اعرابی بہ خدا تو ہم کو صفین کی عداوت میں قتل کرنا چاہتا ہے بہتر یہی ہے کہ اس ارادے سے باز آ ورنہ پھر ہم اہلِ شام کو دعوت دیتے ہیں"۔ یہ سُن کر صمیل نے تلوار میان میں کر لی اور قیدیوں کو ابوعطا کی بدولت ایک بڑی مصیبت کے بعد قتل کے خطرے سے نجات ملی۔ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ سنہ ۱۳۱ھ سے پہلے کا ہے اور اس واقعے نے لوگوں پر اتنا اثر ڈالا کہ آپس میں قرابت اور رشتے داری کے تعلقات منقطع ہو گئے۔

قحط اور عیسائیوں سے مقابلے

اِن بے عنوانیوں کے عذاب میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ اندلس کو سنہ ۱۳۲ھ میں قحط کی بلا میں مبتلا کیا۔ سنہ ۱۳۳ھ میں خوش حالی ہوئی۔ انھی دنوں اہلِ جلیقیہ نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ عیسائیوں کے سردار

بلائی کو مسلمانوں نے حقیر جان کر غفلت کی تھی اس کا ذکر ہم کتاب کے شروع میں کر آئے ہیں۔ شاہ بلائی صخرہؒ سے نکل کر ضلع واستوریں پر قابض ہو گیا۔ اس سے جلیقیہ کے مسلمانوں سے جنگ ہوئی اور اہلِ استرقہ سے بھی عرصے تک لڑائی رہی۔ ابوالخطار و ثوابہ کے فتنے تک یہی حالت رہی۔ جب ۱۳۳ھ شروع ہوا تو شاہ بلائی نے مسلمانوں کو شکست دی اور جلیقیہ سے سب کو نکال دیا جو لوگ اسلامی عقیدے میں پختہ نہ ہوئے تھے وہ سب پھر عیسائی ہو گئے اور خراج کی آمدنی یک قلم موقوف ہو گئی۔ بے شمار لوگ قتل ہوئے۔ جو مسلمان بچ کر نکل آئے وہ پہاڑ کے پیچھے استرقہ کی طرف چلے گئے جب قحط سخت ہو گیا تو عیسائیوں نے استرقہ وغیرہ سے بھی مسلمانوں کو نکال دیا اور یہ لوگ ۱۳۶ھ میں درب آخر کے پیچھے کے علاقے اور قوریہ و ماردہ میں منتقل ہونے پر مجبور ہوئے۔ جب یہاں بھی قحط کی سختی ناقابلِ برداشت ہو گئی تو اندلس کے اکثر اہلِ اندلس طنجہ، اصیلاؔ اور ریف کی طرف آب و دانے کی تلاش میں چلے گئے۔ شذونہ کے ضلع میں ایک وادی تھی اس سے گزر کے یہ لوگ روانہ ہوئے تھے اس کو وادیؔ برباط کہتے ہیں۔ اس بنا پر ان سالوں کو سنینِ برباط کہا جاتا ہے۔ غرض ان وجوہ سے اندلس کی آبادی بہت کم ہو گئی اور قریب تھا کہ دشمن ان پر غالب آجائیں لیکن وہ خود بھوک کی بلا سے پریشان تھے۔

یوسف نے صمیل کو ملک کی بڑی سرحد (سرقسط) پر روانہ کر دیا تھا۔ وہاں کے باشندے اچھی حالت میں تھے۔ اس وقت

یہ سرحد یمنی قبائل کے قبضے میں تھی۔ یوسف نے یمنیوں کو ذلیل کرنے کے لیے صمیل کو کورہ سرقطہ کی طرف بھیج دیا تاکہ وہاں کے لوگوں کی کم زوری سے فائدہ اُٹھایا جائے۔

صمیل اس مہم پر گیا تو اس کے ساتھ خدم وحشم وغیرہ کے علاوہ دوسو قریشی اور گئے۔ صمیل نے اس جمعیت کے ساتھ مالی وملکی فتوحات حاصل کیں۔ حاجت مند لوگ اس کے پاس آئے تو اس نے ان کو رُپیہ اور غلام دیے اور ایسی فیاضی سے کام لیا کہ دوست دشمن میں سے کوئی محروم نہ رہا۔ اس فراخ دلی سے اس کی عزت بہت بڑھ گئی۔ اس کے بعد صمیل نے سرقطہ میں کئی سخت سال بسر کیے۔

ان دنوں قرطبہ کے لوگوں میں قبیلۂ بنی عبدالدار کا ایک نوجوان بہت زیادہ نام ور و ممتاز ہوگیا تھا اس کا نام عامر تھا اور یہ ابوعدی برادرِ مصعب ابن ہاشم صاحب لوائے رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اولاد سے تھا۔ یہ مصعب وہی ہیں جن کو جنگِ بدر و اُحد میں لوائے مبارک کی خدمت تفویض ہوئی تھی۔

مقبرۂ عامر جو شہرِ قرطبہ کے مغربی فصیل کی طرف واقع ہے اسی عامر سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ عامر یوسف سے پہلے صوائف (گرمائی لشکروں) کا سردار رہ کر نام وری حاصل کر چکا تھا۔ یوسف کو اس کی عزت و مرتبے پر حسد ہوا۔ عامر کو یہ معلوم ہوا تو اس نے جیسا کہ مشہور ہے، ابوجعفر منصور (خلیفۂ عباسی) سے درخواست کی کہ میرے پاس اندلس کی گورنری کا فرمان بھیج دیا جائے۔ عامر کو قبائلِ یمن

کے ساتھ یوسف کا سلوک اور اس کی خوں ریزی سخت ناگوار گزری تھی۔

اس کے بعد عامر نے اپنی اراضی میں جس کو قنات عامر کہتے تھے اور قرطبہ کے مغرب میں واقع تھی ایک چھوٹا سا احاطہ بنوایا پھر ایک بہت بڑی زمین جو مرتہنی میں عامر کے قبضے میں آگئی تو اس نے چاہا کہ یہاں ایک شہر بنائے اور اس میں ایک قلعہ تعمیر کرے۔ تاکہ اس کو حسبِ ضرورت اپنی حفاظت کے لیے بھی کام میں لا سکے۔ یوسف کی فوجوں پر اس وقت تک چھاپے مارتا رہے جب تک اس کے پاس یمن والوں کی مدد نہ آجائے۔

ادھر یوسف کی قوت میں ضعف پیدا ہو گیا اور اس کی طاقت اتنی کم زور ہو گئی کہ اس کے محافظوں میں پچاس سوار بھی نہ رہے اور اندلس میں کثیر تعداد میں لوگ یوسف کے خلاف جمع ہو گئے۔ اس زمانے میں اس نے چاہا کہ عامر کو گرفتار کرے مگر اس نے عامر کو بہت ہوشیار پایا۔ عامر کو پہلے ہی یوسف کے ارادوں کی خبر ہو چکی تھی۔ یوسف چوں کہ بزدل تھا اس لیے اپنی موجودہ طاقت کو دیکھتے ہوتے عامر سے مقابلے کی جرأت نہ کر سکا۔ اسی کا منتظر رہا کہ صمیل آجائے تو کچھ کروں چناں چہ صمیل کو عامر کی حالت و جرأت سے مطلع کر کے مدد چاہی۔

صمیل نے جواب میں یوسف کو جرأت دلائی اور عامر کے قتل پر ابھارا۔ مگر یوسف کی کوئی بات چھپتی نہ تھی اور عامر بہت فیاض، ہوش مند اور ادیب تھا اسے ایک مخبر نے خبر دی اور کہا کہ اپنی جان بچاؤ کیوں کہ یوسف کے پاس صمیل کا خط آیا ہے جس

میں اس نے یوسف کو تمھارے قتل پر اکسایا ہی۔

یہ خبر سُن کر عامر قرطبہ سے نکل کر سرقطہ روانہ ہؤا جہاں صمیل موجود تھا۔ عامر نے یمنیوں کی کثرت کی وجہ سے اپنے لیے سرقطہ سے بہتر اور اس سے زیادہ محفوظ جگہ نہ سمجھی اضلاع کے لشکروں پر ان کے ضعف اور واقعۂ شقندہ کی وجہ سے عامر کو کوئی اعتماد نہ رہا تھا۔

سرقطہ میں قبیلۂ بنی زہرۂ کلابی کا ایک شخص بہت معزز تھا۔ عامر نے اس کو لکھا اور اولاد قصی کی بنی زہرہ کے ساتھ قرابت جتائی۔ اس نے عامر کو مدد دینا منظور کر لیا اس لیے عامر سرقطہ کے بعض نواح میں آگیا اور یہاں عامر اور زہری نے مل کر لوگوں کو دعوت دی کہ ابو جعفر منصور کا فرمان نافذ ہؤا ہی سب لوگ اس کی تعمیل کے لیے جمع ہوں۔ اس دعوت پر یمن کے کچھ لوگ بربری اور بعض دوسری قومیں جمع ہوگئیں۔ صمیل کو معلوم ہؤا تو اس نے غیر مسلم مطیع فوج میں سے سوار اور پیادہ سپاہیوں کا لشکر بھیجا جس نے عامر اور اس کے گروہ کو شکست دی مگر اس کے بعد عامر و زہری کی حمایت میں بڑے بڑے لوگ اکٹھے ہوگئے اور انھوں نے یورش کر کے صمیل کو شہر سرقطہ میں گھیر لیا۔

صمیل نے مدد کے لیے یوسف کو لکھا۔ یوسف کو اپنے ساتھیوں میں اتنی سکت نہ معلوم ہوئی۔ یہ (واقعہ ۱۳۶ھ کا ہی) اس لیے صمیل نے یوسف کا انتظار کرنے کے بعد حکومت جانے کے خوف سے قبیلۂ قیس کو مدد کے لیے لکھا جن کی فوجیں قنسرین (یعنی جیان) اور دمشق (یعنی البیرہ) میں پڑی ہوئی تھیں اور اہلِ قبیلہ پر اپنے

حق کی عظمت ظاہر کر کے انھیں توجہ دلائی کہ اس موقع پر تمھاری تھوڑی مدد بھی بہت ہو جائے گی۔ اس بنا پر عبیداللہ ابن علی کلابی اور کلاب، محارب، سُلیم، نصر اور ہوازن تمام جماعتیں یوسف کی طرف داری پر تیار ہو گئیں۔ صرف بنی کعب، ابن عامر، عقیل، قشیر اور حریش شریک نہیں ہوئے۔ ان میں اور بنی کلاب میں چشمک تھی کیوں کہ اندلس کی ریاست قشیر میں رہ چکی تھی بلج قشیری تھا۔ اس کے بعد صمیل کے حاکم ہو جانے سے اندلس کی ریاست کلاب ابن عامر کی طرف منتقل ہو گئی۔ اس زمانے میں بنی کعب ابن عامر کا سردار دمشق (یعنی البیرہ) میں سلیمان ابن شہاب اور قنسرین (یعنی جیان) میں حصین ابن دجن عقیلی تھا اور قبیلۂ غطفان والے اس معاملے میں مذبذب تھے۔ ان کا کوئی رئیس نہ تھا جو انھیں منظم کرتا، ان کے سردار ابوعطا مر چکے تھے۔

جب عبید(اللہ) ابن علی کمر بستہ ہو گیا اور اس نے صمیل کی اعانت کے لیے لشکر والوں کو متوجہ کیا تو ابن شہاب و ابن دجن نے شرکت سے انکار کر دیا اور تمام بنو عامر عبید ابن علی کی امداد کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ان میں کلاب، نمیر، سعد اور تمام قبائلِ ہوازن و سُلیم بن منصور شریک تھے۔ بعد میں غطفان بن سعد بھی شامل ہو گئے پھر جب سلیمان ابن شہاب اور حصین ابن دجن کو یہ معلوم ہوا کہ ان دونوں کا بیٹھ رہنا صمیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تو یہ دونوں بھی شرمندہ ہو کر اپنی قوم کے لیے ہوئے عبید ابن علی کی فوج میں آملے۔ قبیلۂ قیس، صمیل کی مدد کے دونوں لشکروں سے

نکل کر آگیا۔ یہ دونوں لشکر اندلس کے قریب ہی تھے۔ سلیمان اور حصین کے ساتھ تین سو ساٹھ یا اس سے کچھ زیادہ سوار بہ دقت مہیا ہو سکے۔ ان لوگوں نے تعداد کی قلت محسوس کی تاہم عبید ابن علی سے کہا "ہم ہلاک ہی کیوں نہ ہو جائیں مگر تجھ جیسے شخص کو نہیں چھوڑ سکتے۔"

اس زمانے میں اکثر بنی امیہ دمشق (البیرہ) میں تھے ان میں سے تیس سوار عبید ابن علی کی مدد کے لیے فوراً روانہ ہوئے۔ اس گروہ کے سردار ابو عثمان عبیداللہ ابن عثمان اور عبداللہ ابن خالد تھے۔ یہ دونوں یکے بعد دیگرے بنی امیہ کے علم بردار ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ یوسف ابن بخت بھی اس امر میں شریک تھے۔ یہ سب معرکۂ شقندہ میں یوسف و صمیل کے ساتھ شریک تھے اور اس معرکے میں بنو اُمیہ بڑا صبر و استقلال دکھا چکے تھے۔ اس لیے یوسف و صمیل اور تمام قیس و مضر کی طرف سے ان کی بڑی مدارات ہوتی تھی اور یہ بڑی عزت سے دیکھے جاتے تھے۔ غرض شبابیہ قیس کے ساتھ بنی اُمیہ کے تمام صاحب مقدرت اور طاقت ور لوگ شامل ہو گئے تھے۔

اب یہاں کچھ بیان عبدالرحمٰن ابن معاویہ کا کیا جاتا ہے۔ گزشتہ صفحات میں صمیل کے محصور ہونے کا ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ واقعات مرتب رہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ جب عبدالرحمٰن ابن معاویہ سبرہ کے موضع تنفرہ میں داخل ہوئے تو انھیں فی الجملہ اطمینان ہوا اور انھوں نے اندلس میں اپنے خیرخواہوں کو خط لکھ کر اپنی مصیبت

کی داستان بیان کی اور ان پر اپنا حق ثابت کرتے ہوئے اپنے آنے
کے واقعات اور اپنے ساتھ عبدالرحمٰن ابن حبیب کی بدسلوکی اور افریقیہ
میں اپنی قوم کی سرگزشت پوری شرح وبسط کے ساتھ لکھی اور لکھا
کہ اگر میں یوسف کے پاس پہنچ گیا تو وہ مجھے امن سے نہ رہنے
دے گا، اس لیے میں تم لوگوں کے ذریعے سے مدد حاصل کرتا اور
کام یاب ہونا چاہتا ہوں اور اگر اندلس کی حکومت حاصل ہونے کے
اسباب مہیّا ہوں تو مجھے اطلاع دینا۔

عبدالرحمٰن نے یہ خط اپنے غلام بدر کے ہاتھ بھیجا۔ جب بدر ان
لوگوں کے پاس پہنچا تو وہ جمع ہوئے اور باہم مشورہ کرکے یوسف ابن
بخت کو بلایا جو ان لوگوں میں ایک بہادر جوان شمار ہوتا تھا
اور اس زمانے میں قنسرین (رجیان) کے لشکر میں تھا۔ ان سب کی
یہ رائے ہوئی کہ عبدالرحمٰن ابن معاویہ کو اس وقت جواب نہ
دیا جائے جب تک اس بارے میں صمیل سے مشورہ نہ کرلیا جائے۔
بدر اور یوسف ابن بخت کو یقین تھا کہ اگر صمیل نے شرکت منظور
نہ کی تو بھی وہ ہمارے خلاف نہ کرے گا۔ ان کا خیال تھا کہ ہم نے
صمیل کی مدد کرکے اس پر اور قبیلۂ قیس پر احسان کیا ہے اس لیے
ہمیں اس سے مخالفت کا اندیشہ نہیں ہے۔

اب پھر بنی قیس کے خروج کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ
کچھ اوپر تین سو ساٹھ سواروں کی جمعیت سے روانہ ہوئے۔ سلیمان
ابن شہاب اور حصین ابن دجن ان کے ساتھ تھے۔ بنی قیس نے
ابن شہاب کی تالیفِ قلب کے لیے اپنا رئیس اسی کو مقرر کیا تھا۔

اس انتخاب کی تحریک عبید ابن علی نے کی تھی جو اس زمانے میں صمیل کے بجائے بنی کلاب کا سردار تھا۔ جب بنی قیس دریاے اتہ تک پہنچے جہاں عقدہ بن بکر بن وائل اور بنی علی کا دخل تھا تو انھوں نے ان سے بھی مدد مانگی اور یہاں سے بھی چار سو یا کچھ زیادہ آدمی ساتھ لے کر آگے بڑھے۔ جب طلیطلہ پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ محاصرے سے بھی صمیل کو نقصان پہنچا ہے۔ اس خبر سے انھیں اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو صمیل مدد سے مایوس ہو کر ہمت ہار دے اور ہلاک ہو جائے۔ اس لیے بڑی عجلت کے ساتھ ایک ایلچی کو صمیل کے پاس بھیجا اور اسے سمجھا دیا کہ بنی عامر و زہری کے سواروں میں شامل ہو کر فصیل کے سامنے جانا اور یہ پتھر جو ہم دیتے ہیں اس کو فصیل پر پھینک دینا اس پتھر پر یہ شعر لکھے تھے۔

تبشر بالسلامة یا جدار ‏ اتاك الغوث وانقطع الحصار
انتك بنات اعوج ملجمات ‏ علیها الاكرمون وهم نزار

(اے فصیل سلامتی کی بشارت سُن اور خوش ہو کہ تیرا مددگار آگیا اور محاصرہ ختم ہوا۔ تیرے پاس وہ گھوڑیاں آپہنچیں جن پر قبیلۂ نزار کے شرفا سوار ہیں)

ایلچی یہ پتھر لے کر روانہ ہوگیا اور ہدایت کے موافق فصیل پر سے پھینک دیا اور اس پتھر کی اطلاع صمیل کو ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے پڑھ کر سنایا جائے کیوں کہ صمیل پڑھا لکھا شخص نہ تھا۔ جب یہ شعر اس نے سُنے تو اپنی قوم سے کہا "لوگو تمھیں بشارت ہو" یہ کہ کر حصار کی طرف خصوصیت سے توجہ کی اور

حوصلہ پاکر مدافعت میں مصروف ہوا۔ اتنے میں کمک آگئی جس میں ابو عثمان عبداللہ ابن خالد اور ابن بخت وغیرہ بنی اُمیہ کے لوگ تھے اور عبدالرحمٰن ابن معاویہ کا ایلچی بدر بھی تھا جسے وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ ابن معاویہ نے اپنے طرف داروں کو جو شقہ لکھا تھا اس کے اخیر میں یہ بھی لکھا تھا کہ ان سب لوگوں سے مراسلت کی جائے جو ہماری فتح کے امیدوار ہیں، اس شقے کے ساتھ ابن معاویہ کی مہر بھی تھی۔ ابو عثمان وغیرہ نے ابن معاویہ کے خط کی تعمیل کی اور صمیل کو بھی بنی اُمیہ کے احسانات یاد دلا کر امداد کے لیے توجہ دلائی۔ روایت ہے کہ یہ لوگ پھر سرقطہ پہنچ گئے۔

جب عامر و زہری نے دیکھا کہ صمیل کے پاس کافی کُمک آنے والی ہے تو مجبوراً ان دونوں نے محاصرہ اُٹھا لیا۔ صمیل حصار سے نکل کر اہلِ کمک سے ملا اور ان لوگوں کو نہایت فیاضی کے ساتھ زر و مال دیا۔ ان میں سے سربرآوردہ لوگوں کو پچاس پچاس اور بڑے سرداروں کو دو دو سو دینار اور عوام کو دس دس دینار اور ریشم کے پارچے دیے۔ یہ لوگ صمیل کو اور اس کے مال و دولت اور خدام کو ساتھ لیے ہوئے قرطبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ سرحد یعنی علاقۂ سرقطہ کو خالی کر دیا۔

یہاں سے کچھ دور بڑھ کر تینوں اموی سردار (ابو عثمان عبیداللہ ابن عثمان، عبداللہ ابن خالد، یوسف ابن بخت) صمیل کو تنہائی میں لے گئے اور پہلے ابو عثمان عبیداللہ نے اس سے گفتگو کی اور ابن معاویہ کا خط اس کے حوالے کر کے کہا "میں آپ

کی رائے کے بغیر نہ کسی بات سے خوش ہوں نہ ناراض، جس بات سے تم متفق ہو گے اسی سے ہم بھی خوش ہوں گے، جس کو تم ناپسند کرو گے ہم بھی ناپسند کریں گے" صمیل نے ان سے کہا "اچھا مجھے مہلت دو تاکہ میں غور و فکر کے بعد جواب دوں" پھر صمیل نے واپسی کی تیاری کی اور ابن معاویہ کے ایلچی کو دس دینار اور ایک ریشمی پارچہ انعام دے کر قرطبہ آیا۔ اموی اپنے مکانوں کو لوٹ آئے۔ ان کے ساتھ بدر اور چار آدمی اور تھے اتنے میں ایک نیا تہلکہ بپا ہو گیا یعنی سرقطہ کے حالات سُن کر یوسف نے سرحد پر بہت سخت حملہ کیا۔ یہ واقعات ۱۳۷ھ کے ہیں۔

جب یوسف تیار ہو کر جنگ کے لیے نکلا تو اس نے عبداللہ ابن خالد اور ابوعثمان (عبیداللہ ابن عثمان) کو بُلا بھیجا۔ جب وہ آئے تو یوسف نے ان میں سے ایک کو بلایا اور کہا کہ ہمارے معاونین کو مدد کے لیے توجہ دلاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ ہماری قوم میں خروج کی استعداد نہیں ہے کیوں کہ جو لوگ ہمت کے قوی تھے اور ابو جوشن (صمیل) کے ساتھ چلے گئے تھے وہ لڑائی میں سفر اور جاڑے کی مصیبتوں سے ہلاک ہو گئے۔ ساری سعی بے کار رہی۔ مشقت الگ اٹھائی۔

یوسف نے یہ عذر سن کر ان دونوں کو ایک ہزار دینار دیے اور کہا کہ اس رقم سے تم دونوں ان لوگوں کو مضبوط بنا کر مدد کے لیے لاؤ۔ انھوں نے کہا وہ تعداد میں پانچ سو ہیں یہ رقم ان میں کیوں کر تقسیم ہو سکتی ہے تو اس نے کہا اچھا مجھ کو واپس دے دو۔ یہ دونوں

فوج کو ہم وار کرنے کے لیے روانہ ہو گئے مگر جب آگے چلے تو انھیں خیال آیا کہ یہ رُپیہ ہم کیوں نہ لے لیں تاکہ اس کی بدولت ابن معاویہ کے متعلق اپنا ارادہ مضبوطی کے ساتھ پورا کر سکیں، غرض کہ یہ لوگ روانہ ہو گئے۔ یوسف نکلا تو سیدھا جیان پہنچا۔ وہیں ابو عثمان اور عبداللہ آ گئے۔

یہ دونوں جیان آنے سے پہلے اپنا کام کر چکے تھے یعنی ان دیناروں کو بنی اُمیّہ پر تقسیم کر دیا۔ فی کس دس درہم سے زیادہ حصّے میں نہ آئے مگر انھوں نے یہ تقسیم لڑائی میں یوسف کو مدد دینے کے لیے نہیں کی تھی بلکہ اپنا مقصد پورا کرنے اور بنی اُمیّہ کو ہم وار کرنے کے لیے کی تھی۔ جب اس کام سے فرصت پا کر جیان پہنچے تو یوسف مخاضۃ الفتح میں لوگوں کے اکٹھے ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ یوسف نے جیان ہی میں اپنے لشکروں اور مختلف گروہوں کو تنخواہیں تقسیم کیں اور انعامات دیے۔ جب ابو عثمان نے سمجھ لیا کہ یوسف نہ آگے بڑھتا ہے نہ مستقل قیام کرتا ہے تو یوسف سے ملا۔ یوسف نے اس سے پوچھا اے عبید اللہ (ابو عثمان) ہمارے موالی کہاں ہیں؟ ابو عثمان نے دُعا دے کر کہا۔ آپ کے موالی اوروں کی طرح نہیں ہیں۔ آپ کو چھوڑ کے کہاں جائیں گے۔ ان لوگوں نے تھوڑی مہلت حاصل کر لی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ امیر کے طلیطلہ پہنچنے تک ہم بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔ ممکن ہے اس طرح آنے سے انھیں جَو کی نئی فصل آسانی سے مل جائے۔

یہ سال ۱۳۷ھ نہایت بُرا سال تھا۔ لوگ قحط میں مبتلا تھے

اور اسی سال ذیقعدہ کے مہینے میں یوسف نے سرقطہ پر چڑھائی کی تھی۔
ابوعثمان کے اس جواب پر یوسف کو کوئی بدگمانی نہیں ہوئی اور ان کی بات کو سچ سمجھا پھر ان سے کہا اب تم پھر ہمارے موالی کے پاس جاؤ اور اپنی طرف سے ان پر ایک داروغہ مقرر کر دو۔ یہ انتظام یوسف نے اپنی ضرورت کے لحاظ سے چاہا تھا۔ جب یوسف جانے لگا تو ابوعثمان بھی اس کے ساتھ ہو گیا تاکہ اسے رخصت کر کے صمیل سے بھی رخصت ہوئے۔

صمیل اپنے لشکر ہی میں پڑا تھا اس نے اپنی جگہ سے ذرا حرکت نہ کی۔ صمیل ہمیشہ شراب میں مست رہتا تھا اور کوئی رات ایسی نہ گزرتی تھی جس میں مدہوش نہ رہتا ہو۔ جب ابوعثمان پہنچا، اس وقت صمیل سو رہا تھا۔ ابوعثمان تھوڑی دیر منتظر رہا۔ جب صمیل خواب گاہ سے باہر آیا تو ابوعثمان اور عبداللہ ابن خالد دونوں اس کے پاس گئے۔ صمیل نے ان سے پوچھا "کیا خبر ہے اور تم کیسے آئے ہو؟ دونوں نے بیان کر دیا کہ یوسف کا حکم ہے کہ ہم بنوامیہ کو ساتھ لے کر اس سے طلیطلہ میں ملیں۔ صمیل نے اس بات کو پسند کیا پھر یہ لوگ ساتھ چلے اور صمیل کے قریب آ کر کہا "ہمیں آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا ہے"۔ یہ سن کر صمیل نے اپنے ساتھیوں کو ہٹا دیا۔

اب ان دونوں نے صمیل سے کہا کہ ہم آپ سے عبدالرحمٰن ابن معاویہ کے معاملے میں مشورہ چاہتے ہیں۔ ابھی ان کا ایلچی واپس نہیں گیا ہے اور جواب کا منتظر ہے۔ صمیل نے کہا میں اس

بات سے غافل نہیں ہوں، میں نے ابنِ معاویہ کے معاملے میں غور کیا ہے اور استخارہ بھی کر چکا ہوں۔ نیز میں نے اخفائے راز کے لیے کسی سے اس مسئلے میں مشورہ نہیں کیا ہے۔ میری رائے میں ابنِ معاویہ میری مدد کا مستحق ہے اور حکومت کا بھی وہی اہل ہے اس لیے تم دونوں انھیں بسم اللہ کر کے اپنی رضا مندی سے مطلع کر دو اور یہ لکھ دو کہ وہ اپنے معاملے کا انحصار مجھ پر رکھیں۔ میں یوسف کی بیٹی ام موسیٰ بیوہ قطن ابن عبدالملک سے عبدالرحمٰن ابن معاویہ کا نکاح کر دوں گا بشرطیکہ وہ ہم جیسا ہو کر رہے۔ اگر امیر یوسف نے بھی منظور کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں ہم اس کے ممنون ہوں گے اور اگر انکار کر دیا تو یہ بہت آسان ہے کہ ہم اپنی تلواروں سے یوسف کا خاتمہ کر دیں۔ صمیل کا یہ جواب سُن کر دونوں نے اس کے ہاتھ چومے اور شکریہ ادا کیا۔

ابو عثمان (عبید اللہ ابن عثمان) بیان کرتے ہیں کہ ہم صمیل سے رخصت ہو کر تقریباً ایک میل گئے ہوں گے اور دل میں خوش ہو رہے تھے کہ ہمارا کام بن گیا کہ پیچھے سے کسی کی آواز آئی جو ابو عثمان کا نام لے کر پکار رہا تھا ہم نے دیکھا تو صمیل کا خادم تھا جو گھوڑا بڑھائے ہماری طرف چلا آ رہا تھا۔ ہم ٹھیر گئے۔ اس نے ہم سے کہا "ابو جوشن کہتے ہیں کہ دونوں ہمارے آنے تک ٹھیر جاؤ" ہم اس کے بہ نفسِ نفیس آنے سے کھٹکے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اہم بات ہے ورنہ مناسب تو یہ تھا کہ ہم اس کے پاس جاتے۔ اس کی طرف سے خطرہ محسوس کیا۔ مگر خدا پر

پھر ہم صاکر کے استقبال کو آگے بڑھے تو دیکھا کہ وہ اپنے سفید خچر کو لب پر سوار چلا آرہا ہی۔ ہم ضمیل کو تنہا دیکھ کر مطمئن ہوئے کہ اگر اس کی نیت بُری ہوتی تو اس کے مدد گار بھی ہوتے۔ ہمیں دیکھ کر ضمیل نے قریب بُلایا اور کہا "جب سے تم نے ابنِ معاویہ کے خط اور اس کے ایلچی کا تذکرہ کیا ہی، مَیں اسی فکر میں ہوں۔ مَیں تمھاری رائے کو پسند کرتا ہوں۔ مَیں جو کچھ جواب دے چکا ہوں تمھیں معلوم ہی۔ مگر جب تم مجھ سے جُدا ہوئے تو مَیں نے ابنِ معاویہ کے متعلق مزید غور و تدبر سے کام لیا اور سمجھ لیا کہ وہ اس قوم سے تعلق رکھتا ہی کہ اگر ان میں کا کوئی اس جزیرے میں پیشاب بھی کر دے تو ہم اور تم دونوں سب اس کے پیشاب میں غرق ہو جائیں۔ اس شخص کے ہم پر احسان ہائے بے پایاں ہونے کے باوجود ہم نے اس کے خلاف فیصلہ کیا ہی بہ خدا اگر تم دونوں اپنے گھر پہنچ جاتے تب بھی مَیں تم کو اپنی نئی رائے سے مطلع کر کے رہتا۔ مبادا تم دھوکے میں پڑ جاؤ اور اب مَیں تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ سب سے پہلے جو شخص ابن معاویہ پر تلوار اٹھائے گا وہ مَیں ہوں گا۔ اللہ تمھاری رائے میں برکت دے اور تمھارے آقا کو بھی برکت عطا کرے۔

ابو عثمان کہتے ہیں مَیں نے ضمیل کو جواب دیا کہ اللہ تمھارا بھلا کرے، ہم تو تمھاری ہی رائے کے پابند ہیں۔ ضمیل نے کہا نہیں ایسا نہ کہو کیوں کہ تمھارا تو مقصد ہی ابنِ معاویہ کی حکومت قائم کرنا ہی۔ اور اگر ابنِ معاویہ حکومت کے سوا کچھ اور چاہیں تو میرے

نزدیک یہ بہتر ہی کہ یوسف ان کی غم خواری کرے اور ان کو اپنا داماد بنالے اور اس کی حمایت کرے۔

اس گفتگو کے بعد یہ دونوں آگے روانہ ہوئے اور صمیل ان سے رخصت ہوگیا۔

ابو عثمان کا بیان ہی کہ مضر و ربیعہ کے تمام قبائل سے ہماری امید منقطع ہوگئی۔ اب یہ رائے ہوئی کہ اہلِ یمن کے صاحب الرائے لوگوں سے تحریک کرکے ان کو اپنی رائے میں شریک کر لیا جائے۔ ہم نے فوراً یہی کیا۔ جس یمنی کو قابلِ اعتماد و دانش مند پاتے اس سے ابنِ معاویہ کا ذکر کرکے اس تحریک میں شریک ہونے کی دعوت دیتے۔ ہمیں ایسے بہت سے لوگ ملے جن کے سینے غیظ و غضب سے معمور تھے اور وہ خود کسی ایسے حیلے کے خواہاں تھے جس سے انھیں بنی مضر سے بدلہ لینے کا موقع مل سکے اور اندلس میں بنی اُمیّہ کی حکومت کے آرزو مند تھے۔ بعد ازاں ہم اپنے لشکر میں پہنچے۔ ہم بنی مضر سے مایوس ہو چکے تھے؛ واپس پہنچ کر ایک جہاز خرید کر ہم نے گیارہ آدمی اس میں بٹھاکر روانہ کیے جن میں بدر بھی تھا۔ ان گیارہوں آدمیوں کے نام اچھی طرح یاد نہیں رہے۔ ان میں سے ایک ہشام کا غلام شاکر تھا، ایک تمام ابن علقمہ ثقفی۔ ہم نے تمام کو پانچ سو دینار دیے تھے تاکہ اس سے ضروری مصارف کے لیے کافی ہوں اور بربریوں کو فدیۃً دیے جاسکیں۔ مقامِ مغیلہ میں جو ابن قرہ مغیلی کے زیرِ حکومت تھا اپنے غلام بدر کے منتظر تھے۔ یہ لوگ جہاز میں بیٹھے ہوئے ادھر سے گزرے تو ابنِ معاویہ

نمازِ مغرب پڑھ رہے تھے نماز ہی پڑھتے رہے ہماری طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ ابنِ معاویہ نے نماز سے فارغ ہوکر اس طرف دیکھا تو جہاز لنگر انداز ہو چکا تھا اور بدر ان کی طرف تیرتا ہوا آرہا تھا۔ بدر نے آتے ہی اندلس کی ساری کارگزاری بیان کرکے کامیابی کا مژدہ سنایا اور ابو عثمان وعبداللہ ابن خالد وغیرہ اہلِ اندلس کی یکجہتی ورضامندی کا ذکر کرکے جہاز کی کیفیت بیان کی، جو لوگ اس میں سوار تھے ان کے نام بتائے اور خرچ کے لیے جو کچھ مال ودولت اورسازوسامان تھا اس کی تفصیل کہی۔ پھر عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کے پاس تمام ابنِ علقمہ پہنچے تو ان سے پوچھا تمھارا کیا نام ہے؟ انھوں نے کہا "تمام" پھر پوچھا تمھاری کنیت کیا ہے؟ تمام نے کہا "ابو غالب" یہ سنتے ہی عبدالرحمٰن بولے اب ہمارا کام ہوگیا۔ ہم اپنے دشمن پر غالب ہوگئے۔ اس نیک فالی کے صلے میں عبدالرحمٰن نے امیرِ اندلس ہونے کے بعد ان کو اپنا حاجب مقرر کرلیا اور تمام اپنے آخر دم تک اسی خدمت پر رہے۔

جب عبدالرحمٰن ابن معاویہ نے چاہا کہ جہاز پر بیٹھ کر روانہ ہوں تو بربریوں نے بڑھ کر روکا۔ ان کو ہموار کرنے کے لیے تمام نے ان کے مرتبے کے اعتبار سے ہر ایک کو زرومال تقسیم کیا۔ ان لوگوں میں سے کوئی ایسا باقی نہ رہا جسے کچھ نہ ملا ہو۔ مگر جب جہاز میں بیٹھ گئے تو ان میں کا ایک بربری جسے کچھ نہ ملا تھا آگے بڑھا اور بادبان کی رسّی سے لٹک گیا۔ یہ دیکھ کر شاکر نے اس کے ہاتھ پر تلوار ماری اس کا ہاتھ کٹ گیا اور وہ آدمی سمندر میں

جا گرا اور جہاز روانہ ہو گیا۔

یہ جماعت ماہ ربیع الثانی ۱۳۸ھ میں مقام منکبؔ پر اتری۔ عبدالرحمٰن ابنِ خالد اور ابو عثمان نے عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کو قصبۂ طروشؔ میں ابوالحجاج کے مکان پر پہنچایا۔ ابوالحجاج (یعنی یوسف ابن بخت) اور تمام بنی اُمیّہ عبدالرحمٰن سے ملے۔ ریہ کے باشندے جداو ابن عمر ندجی بھی آئے جو بعد میں عبدالرحمٰن کے عساکر میں قاضی کے عہدے پر مقرر ہوئے۔ عاصم ابن مسلم ثقفی اور ابو عبدہ حسان بھی آئے۔ مؤخر الذکر کو عبدالرحمٰن نے اپنا وزیر بنایا پھر عبدی ابوبکر ابن طفیل آئے، غرض لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔

راوی کا بیان ہے کہ یوسف فہری جب طلیطانہ پہنچا تو کہا "کیا بات ہے کہ ہمارے موالی اب تک نہیں آئے؟ جب اس نے کئی بار یہی کہا تو صمیل نے جواب دیا" یہاں سے چلو یہ لوگ نہ تم جیسوں کی مدد کریں گے نہ تمھیں ان کا انتظار کرنا چاہیے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس لیے یوسف سرقطہ روانہ ہوا۔ وہاں سرقطہ والوں نے لشکر کے کھیتوں کو لوٹ لینے کے ڈر سے عامر اور ان کے بیٹے وہب ابن عامر زہری کو یوسف کے سپرد کر دیا۔ یوسف نے انھیں گرفتار کر کے قتل کرنا چاہا اور قبیلۂ قیس کے سرداروں سے مشورہ کیا تو سب نے نفی میں جواب دیا بلکہ سلیمان ابن شہاب اور حصین ابن دجن بہت سختی سے ان کے قتل کے خلاف ہوگئے جب یوسف نے تمام لشکر کو خلاف پایا تو انھیں قید کر دیا۔

پھر یوسف کو مناسب معلوم ہوا کہ ایک لشکر بنبلونہ روانہ کرے کیوں کہ بنبلونہ کے لوگ بھی جلیقیہ والوں کی طرح بدعہدی کر چکے تھے اس لیے اس نے ایک لشکر تیار کر کے سلیمان ابن شہاب کی سرداری میں بنبلونہ بھیجا وہ سلیمان ابن شہاب کو اپنے سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ سوار فوج اور مقدمے پر حصین ابن دجن کو افسر بنایا۔ اس فوج کو ایسی کم زور حالت میں روانہ کر دیا۔ ان کی تباہی کی پروانہ کی جب یہ لشکر دور پہنچ گیا تو یوسف تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ واپس آکر وادیٔ شرنبہ پہنچا۔ یہاں یوسف کو ایلچی ملا جس نے سلیمان ابن شہاب کی شکست اس کے قتل اور عامۃ الناس کے قتل ہونے کی خبر دی۔ اس نے یہ بھی اطلاع دی کہ ہزیمت خوردہ فوج میں سے جو لوگ بچ گئے وہ حصین ابن دجن کے ہم راہ ابو زید عبدالرحمٰن ابن یوسف کے پاس سرقسطہ میں ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کو امیر یوسف نے سرحد پر چھوڑا تھا یوسف کو اس خبر سے خوشی ہوئی۔ اب یوسف نے عامر، اس کے بیٹے وہب اور زہری کو بلایا۔ صمیل نے یوسف سے کہا تھا کہ "ابن شہاب کا تو کام تمام ہو ہی چکا ہے اب ان لوگوں کی بھی گردن ماردو" یہ چاشت کا وقت تھا۔ یوسف و صمیل دونوں نے وادیٔ شرنبہ میں یہ دن اور اس سے پچھلا دن جشن منانے میں گزارا تھا۔ یوسف نے صمیل کے کہنے پر عمل کیا اور تینوں کے قتل کا حکم دے دیا۔

جب اس کام سے فرصت ہوگئی تو یوسف اور صمیل نے

مل کر کھانا کھایا۔ اس موقع پر صمیل نے یوسف سے کہا سلیمان ابنِ شہاب مارا گیا اور عامر اور زہری کو تم نے مار ڈالا، بہ خدا اب تم اور تمھاری اولاد دجال کے خروج تک محفوظ رہے گی اور اب تم سے کوئی جھگڑا کرنے والا نہیں ہے۔

یوسف وہاں سے اُٹھ کر اپنی دونوں بیٹیوں کے پاس قیلولہ کرنے کی غرض سے چلا گیا۔ گھر میں جا کر اپنا دایاں پانو بائیں پانو پر رکھ کر فکر کے عالم میں لیٹ گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کا دایاں پانو بائیں پر اسی طرح رکھا تھا کہ اہلِ لشکر نے قرطبہ کے ایلچی کی آمد کا نعرہ لگایا۔ یہ سُن کر یوسف اُٹھ بیٹھا۔ لوگوں نے کہا بہ خدا فلاں غلام امِ عثمان کے خچر پر بیٹھا ہوا ہے۔ امِ عثمان یوسف کی صاحبِ اولاد بیوی تھی اور اس کی ملکہ تھی۔ ان دنوں ڈاک کے ہرکارے قحط سالی کی وجہ سے نہ ملتے تھے اور ڈاک کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں ایلچی آگیا اور اس کے پاس ایک شُقّہ نکلا جس میں عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کے داخل ہونے اور طروش میں عبیداللہ ابن عثمان فاسق کے پاس مقیم ہونے کی خبر درج تھی نیز یہ کہ بنی امیہ ابنِ معاویہ کی امارت پر متفق ہو گئے ہیں اور آپ کا نائب متعینہ البیرہ اہلِ طاعت (غیر مسلم رعایا) کی جماعت لے کر ابنِ معاویہ پر حملہ آور ہوا تھا کہ اسے یہاں سے نکال دے مگر نائب کو شکست ہوئی اور اس کے ساتھی زخمی ہوئے لیکن کوئی قتل نہیں ہوا اب جیسی مصلحت ہو ویسا حکم دیا جائے۔

یوسف نے مشورے کے لیے صمیل کو بُلایا وہ اس ناوقت طلبی سے خوف زدہ سا ہو گیا۔ اسے ایلچی کے آنے کی خبر مل چکی تھی لیکن اصل معاملے سے بے خبر تھا۔ اس نے یوسف سے کہا اصلح اللہ الامیر (خدا امیر کا بھلا کرے) آپ اس وقت کیوں ملول ہیں۔ کیا کوئی حادثہ ہوا ہے؟ یوسف نے کہا "بے شک بڑا حادثہ ہے"۔ "میں اللہ سے ڈرتا ہوں کہ کہیں آج کے واقعۂ قتل پر ہم پر خدا کا عذاب نہ آتا ہو" صمیل نے کہا انھی کا نہیں بلکہ سب کا انتقام اللہ کے لیے آسان ہے مگر خیر کہیے کیا بات ہے؟ یوسف نے خالد سے کہا صمیل کو ام عثمان کا خط پڑھ کر سنا دو۔ یہ خط سُن کر صمیل نے کہا معاملہ سخت ہے اور ہماری رائے یہی ہے کہ ہم فوراً اپنی موجودہ جمعیت کے ساتھ ابنِ معاویہ کا مقابلہ کریں۔ اس کو قتل کریں گے یا پسپا کر دیں گے اگر وہ پسپا ہو کر بھاگ گیا تو حکومت اس کی کبھی نہیں ہو سکتی۔ یوسف اور صمیل وغیرہ اس رائے سے متفق ہو گئے مگر نائب کی شکست کی خبر تمام فوج میں پھیل گئی اور راز محفوظ نہ رہ سکا۔ اس شہرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر والوں میں برہمی پیدا ہو گئی۔ کیوں کہ یوسف کے آدمیوں میں سے پہلے ہی بہت سے لوگ بنبلونہ کی مہم میں سلیمان ابن شہاب کے ساتھ قتل ہو چکے تھے جو ان میں سے بچ آئے تھے وہ اس وقت سرقطہ میں مقیم تھے اس لیے لوگوں نے شورش مچا کر اپنے گروہوں سے کہنا شروع کیا کہ ابھی ہم لڑائی سے آ رہے ہیں اب دوسری کی فکر ہو رہی ہے "یہ ایک ہی موقع پہ دو دو لڑائیاں کیسی ہیں"

شام ہوئی تو ہر ہر قبیلہ ہم آواز ہو کر علیحدہ ہو گیا یمنی سپاہیوں میں سے دس آدمی بھی نہ ملے۔ صرف وہی لوگ رہ گئے جو نہ اپنی قوم کا ساتھ دے سکتے تھے نہ افسری سے ہاتھ اٹھا سکتے تھے۔ البتہ قبیلۂ قیس کے لوگ اور کچھ قبائلِ مضرہ گئے تھے جو تعداد میں تھوڑے اور سفر کی تکان کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ ان لوگوں نے یوسف کو جھوٹی تسلی دی اور قرطبہ چلنے کا مشورہ دیا مگر صمیل اس وقت تک ابنِ معاویہ سے لڑنے ہی پر مصر تھا۔ ابھی مشوروں میں بارش شروع ہو گئی اور سردی کا موسم آنے کی وجہ سے دریاؤں میں طغیانی آگئی۔ مجبوراً یوسف عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر کے قرطبہ روانہ ہوا۔

راستے میں ایک شخص نے یوسف سے کہا۔ ابھی تک عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کا ارادہ حصولِ ملک کی نسبت معلوم نہیں ہوا، وہ تو حصولِ معاش اور پناہ طلبی کے لیے آیا ہے اگر تم اسے اپنا داماد بنانا چاہو گے اور رعایت و سلوک سے پیش آؤ گے تو یقین ہے کہ وہ اسے منظور کر لے گا اس لیے مناسب تو یہ ہے کہ اس کے پاس ایک وفد بھیجو۔ یوسف نے قرطبہ پہنچ کر عبید ابنِ علی خالد ابنِ زید اپنے کاتب و غلام اور عیسٰی ابنِ عبدالرحمٰن اموی منتظمِ ذخائرِ رسد و افسر فوجِ خاصہ کا ایک وفد بھیجا اور تحائف میں کچھ گیندیں، دو گھوڑے، دو خچر، دو غلام اور ایک ہزار دینار ساتھ کیے اور عبدالرحمٰن ابن معاویہ کو لکھا کہ آپ کے اجداد نے ہمارے دادا عقیر ابن نافع اور ان کے خازن کے ساتھ سلوک کیے ہیں۔

اس عبارت کے بعد عبدالرحمٰن کو اپنا داماد بنانے اور مالی امداد کرنے کا ذکر لکھا۔

یہ وفد یوسف سے رخصت ہوکر ارش پہنچا جو ضلع ریہ کے قریب واقع ہے۔ یہاں عیسٰی ابن عبدالرحمٰن ملقب بہ تارک الفرس نے دوسرے ارکانِ وفد سے کہا کہ اسی عقل و دانش پر یوسف وصمیل زندہ ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ اگر ہم اس ہدیے کو لے کر پہنچے اور عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کو ناگواری ہوئی تو کیا وہ ہمارے پاس کا سارا مال و دولت لے کر اور مضبوط و قوی نہ ہو جائے گا اور اس سے ہمارے امیر کو نقصان نہ پہنچے گا؟ لوگوں نے غور کیا تو اپنی رائے کی غلطی معلوم ہوئی اس لیے انھوں نے کہا "تم اس سامان کے ساتھ یہیں ٹھیرو۔ ہم ابنِ معاویہ کے پاس جاتے ہیں۔ اگر ہم نے عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کو راضی پایا تو اپنے کسی آدمی کو بھیج کر تم کو بلالیں گے۔ تم یہ سب کچھ لے کر آجانا اور اگر اس کے سوا کچھ ہوا تو امیر یوسف کے پاس مع اشیا کے واپس ہوجانا کیوں کہ اپنے مال کا وہی زیادہ مستحق ہے۔ اس مشورے کے بعد عبید و خالد طرش میں ابنِ معاویہ کے پاس پہنچے جو ابو عبداللہ کے یہاں تھے اور عیسٰی ابنِ عبدالرحمٰن پیچھے ٹھیر گئے۔ ابنِ معاویہ کے پاس بنی امیہ کی ایک جماعت مقیم تھی اور یمن کے لوگ برابر آتے رہتے تھے مگر مستقل طور پر رہنے سے ڈرتے تھے۔ ان میں دمشقی یعنی البیرہ والے، اردنی یعنی مالقہ والے اور قنسرین یعنی جیان والے بھی تھے۔ ان دونوں یعنی عبید ابن علی اور خالد ابن زید نے اپنے آقا امیر یوسف

کا مدعا بیان کیا اور محبت و تعلقات کی دعوت دی اور یوسف کے ہاں رشتے کا ذکر کیا اور کہا کہ یوسف آپ کی شان کے شایان مہمان داری کریں گے۔

اب خالد ابن زید نے خط پیش کیا اس سے ابن معاویہ نے خط لے کر ابو عثمان کی طرف بڑھا دیا اور کہا "اسے پڑھو اور جو کچھ ہماری رائے تمھیں معلوم ہو اس کے مطابق جواب لکھو" لوگ پہلے ہی منصوبے باندھ چکے تھے لوگوں نے ایلچیوں سے کہا کہ "تمھاری تحریک بہت اچھی ہو مگر عبدالرحمٰن ابن معاویہ تو اپنے ورثے کے طالب ہیں" جب ابو عثمان نے خط لیا تو اس سے خالد نے کہا "ای ابو عثمان کس خیال میں ہو جواب لکھنے سے پہلے بغل سے پسینہ آجائے گا" خالد بڑا ادیب و دانا تھا۔ اس خط کا مضمون اسی کا مرتب کیا ہوا تھا۔ مگر عُجب و خود بینی کی ترنگ میں اس موقع پر لغزش کھا گیا۔ یہ باتیں ہمیشہ لوگوں کی دنیا اور دین کی تباہی کا باعث ہوئی ہیں۔ ابو عثمان کو خالد کے یہ الفاظ ناگوار گزرے اس نے خالد کو نہایت فحش گالی دے کر خط اس کے منھ پر پھینک مارا اور کہا " نہ میں لکھوں گا نہ میری بغل سے پسینہ آئے گا" پھر لوگوں کو حکم دیا کہ خالد کو گرفتار کر لو۔ خالد فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے عبدالرحمٰن بن معاویہ سے کہا " یہ پہلی فتح ہو یوسف کی کائناتِ حکومت معلوم ہو گئی۔ خالد کے ساتھی عبید ابنِ علی نے کہا " خالد ایلچی ہو اور ایلچی کو زوال نہیں" لوگوں نے جواب دیا تم ایلچی ہو مگر یہ کافر بچہ اپنی حد سے بڑھ گیا تھا۔ اس نے دشنام و بدگوئی کی ابتدا کی۔

بعد ازاں ان سب نے عبید کو جانے دیا اور خالد کو قید میں رہنے دیا۔

وفد کا مال جو ارش میں رہ گیا تھا عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کے لوگوں کو اس کی اطلاع مل گئی انھوں نے اس پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے تیس سوار بھیجے مگر عیسیٰ کو پہلے ہی خالد کے گرفتار ہونے کا علم ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ سب سامان لے کر قرطبہ میں واپس ہو گیا۔ اس واقعے کے بعد جب عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ امیرِ اندلس ہو گئے تو عیسیٰ کو کھڑا کر کے طنزاً کہا کرتے تھے "تمھارے تقرّب اور محبّت میں کوئی شک نہیں تم نے یہ یہ کیا،، وہ یہ عذر کر دیا کرتے تھے کہ" وفاداری کا تقاضا تھا" ابنِ معاویہ چوں کہ عموماً اپنے موالی پر رحم کھاتے تھے اس لیے انھوں نے عیسیٰ کی یہ خطا معاف کر دی البتہ جیسا سلوک دوسرے موالی کے ساتھ کیا تھا ویسا سلوک ان کے ساتھ نہیں کیا۔

جب عبید ابن علی یوسف کے پاس پہنچا اور یوسف کو خالد کی سرگزشت سے مطلع کیا۔ یہ سُن کر یوسف وصمیل کو سخت ناگواری ہوئی اور صمیل نے یوسف کو ملامت کی کہ تم نے میری رائے پر عمل کیوں نہ کیا اور عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ پر میرے مشورے کے مطابق خبر ملتے ہی حملہ کیوں نہ کر دیا۔

غرض اس زمانے میں شدّتِ سرما کی وجہ سے فریقین میں سے کوئی حرکت نہ کر سکا۔ جاڑے ختم ہونے تک ابنِ معاویہ تمام لشکروں اور بربریوں سے خط وکتابت کر چکے تھے۔ یمنی سب بالاتفاق ابنِ معاویہ کے ساتھ ہو گئے۔ قبیلۂ قیس میں سے جابر ابنِ علا ابنِ شہاب

اور ابوبکر بن ہلال عبدی اور حصین ابن دجن کے سوا کوئی ابن معاویہ کی طرف داری پر آمادہ نہیں ہوا۔ یہ تینوں بھی اس لیے طرف دار ہو گئے تھے کہ یوسف اور صمیل نے سلیمان ابن شہاب کے ساتھ برا سلوک کیا تھا اور جان بوجھ کر اس کو خطرے میں ڈال کر ہلاک کرایا تھا۔ اس کے ساتھ علاوہ صمیل نے عبدی ہلال اور بعض بنی ثقیف اور بنی امیہ کے تین سرداروں (تمام ابن علقمہ، عاصم عریان اور اس کا بھائی عمران) کو زک پہنچائی تھی۔ الغرض بنی قیس کے تین سرداروں کے علاوہ کُل بنی یوسف کے ساتھ ہو گئے۔ اب یوسف نے البیرہ کے ارادے سے اپنے لشکر کو شقندہ ضلع قرطبہ میں مجتمع کیا بنی مضر اور بنی قیس جمع ہو کر یوسف کا انتظار کرنے لگے۔ یمنی اور اموی ابن معاویہ کے پاس آ گئے۔

راوی کہتا ہے کہ جب عبدالرحمٰن ابن معاویہ کو اپنے خلاف یوسف کی تیاری کا علم ہوا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ البیرہ میں یمنی اور بنی امیہ اتنے نہیں ہیں کہ ہم ان کے برتے پر قیس کی عداوت اور یوسف کی جمع کی ہوئی فوج کا مقابلہ کر سکیں۔ اس لیے ہمیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یمنی لشکروں سے مل جائیں جو اشبیلیہ، شذونہ اور مالقہ میں ہیں اور یک بہ یک اس پر حملہ کریں۔ عبدالرحمٰن ابن معاویہ نے اس رائے پر عمل کیا اور مالقہ والوں کے پاس آئے جو ان سے زیادہ قریب تھے چناں چہ تمام اہل یمن و قضاعہ شامل ہو گئے مگر مالقہ کے سرداروں میں سے ان کے ساتھ تھوڑے لوگ شامل ہوئے۔ یہاں سے عبدالرحمٰن ابن معاویہ

شذونہ کی طرف آئے جہاں فلسطینی لشکر تھا۔ شذونہ میں قوم کے سرداروں اور لشکر کے مددگاروں نے فوراً عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کی رفاقت اختیار کی لیکن لشکر کے وہ لوگ جو بنی کنانہ سے تعلق رکھتے تھے وہ کنانہ ابنِ کنانہ کی سرکردگی میں یوسف کی مدد کے لیے پہلے ہی روانہ ہو چکے تھے۔

عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ نے شذونہ پر اپنے تسلط کے بعد بنی کنانہ کی باقی ماندہ اولاد و اقارب سے کوئی تعرض نہیں کیا پھر آگے بڑھ کر اشبیلیہ کے لشکر میں پہنچ گئے جس میں حمص کے لوگ تھے۔ اس موقع پر چیدہ چیدہ یمنی لوگ جن میں شامی اور بلدی عرب تھے، عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کے ساتھ ہو گئے۔ یوسف کو عبدالرحمٰن کی آمد معلوم ہوئی تو مقابلے کو چلا، اس وقت دونوں حریف اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے۔

عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کے پاس اس وقت تک کوئی جھنڈا نہ تھا۔ تینوں امدادی فوجوں کے پاس اپنے اپنے جھنڈے تھے۔ ان لشکروں نے آپس میں کہا سبحان اللہ ہمارا کام بھی کتنا اُلٹا ہے، ہمارے پاس تو جھنڈے ہیں مگر ہمارے امیر کے پاس نہیں۔ یہ سُن کر ابوالصباح یحییٰ عصیبی ایک نیزہ اور ایک عمامہ لے آیا۔ یہ نیزہ اور عمامہ حضرموت کے ایک شخص کا تھا۔ پھر ان لوگوں نے انصار کے ایک نامعلوم شخص کو بُلا کر اس کے نام و نسب سے فال لی اور قریۂ قلنبیرہ[ف] ضلع طشیانہ[ط] صوبۂ اشبیلیہ میں یہ جھنڈا

اس کے سپرد کیا۔ مجھ سے کئی بزرگوں نے بیان کیا ہے کہ ابوالفتح صدفوری پر شوقِ جہاد غالب تھا۔ جہاد ہی کے لیے سرقسطہ کی سرحد پر پڑاؤ ڈالتے تھے اور کبھی اپنی مسکونہ سرحد قلنبیرہ میں قیام کرتے تھے۔ ان کے تعلقات فرقدانِ پیشین گو کے ساتھ دوستانہ رہے۔ جس سرحد میں جاتے فرقد اُن کے ساتھ ہوتے تھے۔ جب فرقد چلے جاتے تو یہ قلنبیرہ میں منتقل ہو جاتے تھے۔ غرض یہ دونوں تقریباً ساری عمر ساتھ رہے۔

ابوالفتح کہا کرتے تھے کہ ایک بار فرقد ہمارے ساتھ جا رہے تھے، جب شہرِ قسطوتہ (قسطلونہ) علاقہ جیان میں پہنچے تو فرقد العالم نے کہا مجھے اس شہر کی نسبت ایک بُری خبر کا خطرہ ہوا ہے، میرے ساتھ وہاں چلو تو بتاؤں۔ میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ اس وقت انھوں نے مجھ سے اسی واقعے کی پیشین گوئی کی جو امیر ابنِ معاویہ اور امیر ابوالاسود ابنِ یوسف کے درمیان پیش آنے والا تھا۔ چناں چہ یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ پھر فرقد نے ابنِ معاویہ کی آمد کا حال بیان کیا اور کہا جب ہم صوبۂ اشبیلیہ میں پہنچ گئے تو تمھیں وہ جگہ دکھائیں گے جہاں عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کا جھنڈا باندھا جائے گا۔ چناں چہ جب ہم اس گاؤں میں پہنچے تو انھوں نے دو زیتون کے درختوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان دونوں درختوں کے درمیان اس کا جھنڈا باندھا جائے گا اور اس کے پاس ایک فرشتہ ان فرشتوں میں کا آئے گا جو جھنڈوں کی فتح و نصرت پر مقرر ہیں اور اس کے ساتھ چالیس ہزار فرشتے ہوں گے جن کے پیش پیش فتح و نصرت چلتی ہے۔ چالیس دن کے اندر دشمن مقہور

ہو جاتے ہیں اور فتح کامل ہو جاتی ہے۔

عبدالرحمٰن ابن معاویہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اس عمامے کی اتنی عزت کی کہ جب اس کا کوئی حصہ پرانا ہو جاتا یا پھٹ جاتا تو اس پر دوسرا کپڑا چڑھا دیتے۔ ہشام و حکم و عبدالرحمٰن کے زمانے میں مارو کی جنگوں تک اس نیزے کا احترام اسی طرح ہوتا رہا۔ عبدالرحمٰن ثانی کے زمانے میں لوگوں نے عمامے کو بدلنا چاہا تو اس میں بہت سے پرانے چیتھڑے دیکھے۔ عبدالرحمٰن ابنِ غانم اور اسکندرانی نے ان کو نیزے سے اتار کر پھینک دیا اور اس کے بدلے ایک نیا عمامہ باندھا۔ اس وقت جمہور وہاں موجود نہ تھے جب وہ آئے تو انھوں نے اس حرکت کی مخالفت کی اور ان چیتھڑوں کو ڈھونڈھ کر جھنڈے پر باندھنے کا حکم دیا مگر وہ تلاش کرنے پر بھی کسی کو نہ ملے۔

اس زمانے میں یوسف مدّور صدف میں تھا۔ جب فریقین کی فوجیں حرکت میں آئیں تو دونوں کے درمیان ایک دریا حائل تھا۔ ابنِ معاویہ طشانہ میں اتر گئے۔ یہ واقعہ ابتدائے ذی الحجہ ۱۳۸ھ کا ہے۔ دونوں لشکروں میں چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی مگر چوں کہ دریا طغیانی پر تھا، پانی بہت تھا اس لیئے عبور کی کوئی سبیل نہ نکلی۔ عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ نے دریا کا زور کم ہو جانے کے خیال سے تھوڑے دن اور انتظار کیا۔ پھر ابنِ معاویہ نے چاہا کہ قرطبہ پہنچنے میں یوسف سے سبقت کریں کیوں کہ ان سے یہ کہا گیا تھا کہ وہاں عموماً آپ کے طرف دار رہتے ہیں جو بہ کثرت ہیں اس لیے عبدالرحمٰن

ابنِ معاویہ نے راتوں رات تیاری کرکے کوچ کر دیا تاکہ یوسف سے پہلے قرطبہ پہنچ جائیں۔ قرطبہ کا فاصلہ طشانہ سے پنتالیس میل تھا۔

عبدالرحمٰن ایک میل بھی نہ گئے تھے کہ ایک واقف کار شخص نے یوسف کو عبدالرحمٰن کے ارادے سے مطلع کیا اور یوسف بھی قرطبہ کی طرف چل پڑا۔ اب یہ دونوں گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح تیز تیز چل رہے تھے۔ دریا ان کے درمیان حائل تھا۔ ابنِ معاویہ نے یوسف کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ وہ میرے ارادے سے واقف ہو گیا ہے اس لیے آگے نہ بڑھے۔ یوسف بھی دریا پار وہیں ٹھیر گیا۔ اس کے بعد پھر یہ دونوں سفر کرتے رہے۔ آخر یوسف مسارہ میں اُترا اور ابنِ معاویہ دربار کے اس پار بالش میں ٹھیر گئے۔

اس وقت ابنِ معاویہ کے ہم راہیوں میں سے جو لوگ کم ظرف اور ان کے رتبۂ امارت سے ناواقف تھے وہ ان سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ لوگ صرف اس امید پر ساتھ ہو گئے تھے کہ عبدالرحمٰن قرطبہ پہنچ گئے تو ہماری معاش وسیع ہو جائے گی اور اہلِ قرطبہ سے مدد پہنچے گی۔ درحقیقت یہ معاش کی طرف سے تکلیف میں تھے، صرف باقلے پر بسر کرتے تھے۔ مہینہ مئی کی گرمی کا تھا۔ برخلاف ابنِ معاویہ کے یوسف نہایت آرام سے اپنی منزل پر پہنچا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے جہاں چاہا قیام کیا۔

جن لوگوں کے دل ذرا بھی مضبوط تھے وہ سب قرطبہ کے بنی امیہ اور یمنی عبدالرحمٰن کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ پنج شنبہ ۹ ذی الحجہ یعنی عرفے کے دن دریا کا زور کم ہو گیا۔ عبدالرحمٰن نے

اپنی جماعت سے کہا "لوگو! ہم یہاں ٹھیرنے کے لیے نہیں آئے ہیں
اور یہ تم جانتے ہو کہ ہم کو یوسف نے کس بات پر توجہ دلائی تھی اور ہم سے
کیا چاہا تھا۔ اب میں تمھاری رائے سے متفق ہوں۔ اگر تم مضبوط و قوی ہمت
ہو اور مقابلے کو پسند کرتے ہو تو مجھے مطلع کرو اور اگر امن و صلح کی طرف
مائل ہو تو ویسا کہہ دو۔" تمام یمنی قبائل نے متفق ہو کر جنگ پر آمادگی
ظاہر کی۔ بنی امیہ نے بھی یہی رائے ظاہر کی۔ چناں چہ امیر عبدالرحمٰن
نے لشکروں کی ترتیب دی۔ اہلِ شام کی سوار فوج پر عبدالرحمٰن ابن
نعیم کلبی اور یمنی پیادوں پر بلوہہ لخمی جو اہلِ فلسطین سے تھا اور
بنی امیہ کے پیادوں اور بربری سپاہیوں پر عاصم العریان سردار
بنائے گئے۔ عاصم کو عریان اس لیے کہتے ہیں کہ ایک موقع پر وہ
صرف پاے جامہ پہن کر لڑا اور اللہ نے اسے فتح دی۔ بنی اُمیہ
کی سوار فوج پر حبیب ابن عبدالملک قرشی جو عمر ابن عبدالولید کی
اولاد سے تھا سردار مقرر ہوا۔ بربریوں کی سوار فوج میں سے جو لوگ
عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے ان پر
ابراہیم ابنِ شجرہ اوری افسر بنایا گیا۔ جھنڈا ابو عثمان کو تفویض ہوا
اس وقت عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ بنی امیہ کے گروہ میں کھڑے
تھے اور کمان ہاتھ میں لیے ہوئے ایک اشقر گھوڑے پر سوار تھے۔

اس تمام تیاری کے بعد پنج شنبہ کو حملہ آوروں نے دریا عبور
کیا مگر یوسف نے کوئی مزاحمت نہ کی اور اسی شام کو ان سے صلح
کے لیے مراسلت شروع کی۔ قریب تھا کہ تمام مراحل طے ہو جائیں۔
بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بنی امیہ بھی صلح پر کچھ آمادہ تھے۔ یوسف

نے گائیں اور بکریاں ذبح کرا کے سب کے لیے راتوں رات کھانا پکوایا تاکہ دونوں لشکروں کو دعوت دے۔ کیوں کہ اس کے نزدیک فیصلۂ صلح میں کوئی شک نہ تھا۔ برخلاف اس کے ہمارا گمان یہ ہے کہ ابنِ معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے یوسف کو صلح کی امید اس لیے دلائی تھی کہ وہ ابنِ معاویہ کی فوجوں کے دریا سے اُترنے میں مزاحمت نہ کریں۔

جمعہ کی صبح کو عیدالضحیٰ کی صبح تھی۔ صلح کی توقّعات متوہّم ثابت ہوئیں اور دفعتہً جنگ شروع ہوگئی۔ یوسف کی فوج کا انتظام یہ تھا کہ تمام اہلِ شام اور اہلِ مضر کی سوار فوج پر عبید ابن علی اور پیادہ فوج پر کنانہ ابنِ کنانہ کنانی اور جوشن بن ضمیل سردار تھے۔ پیادہ فوج پر یوسف نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بھی مقرر کیا تھا اور اپنے غلاموں اور پروردہ لوگوں کے گروہ پر اپنے ہی غلام خالد سوری کو نگراں بنایا تھا۔ خالد کی فوج میں یوسف کے موالی اور بربری اور عوام کثرت سے شامل تھے۔ عبید ابنِ علی کے ساتھ میسرہ میں بنی قیس کے سوار تھے لڑائی گھمسان کی ہوتی۔ ابنِ معاویہ کی فوج نے جنگ کی حالت نازک دیکھی تو اہلِ یمن گھبرا سے گئے اور ابنِ معاویہ کی طرف دیکھنے لگے جو اس وقت اپنے موالی کے حلقے میں گھوڑے پر سوار تھے اور آپس میں کہنے لگے "یہ تو ایک کم سن لڑکا ہے اگر اس گھوڑے کو دوڑا کر پارے کی طرح اڑ جائے تو ہم مفت میں ہلاک ہوں گے" ابنِ معاویہ کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ انھوں نے بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا کہا ہے۔ ان لوگوں نے اقبال کیا

اس پر ابنِ معاویہ نے ابوالصباح کو بلا کر کہا " ہمارے لشکر میں تمہارے خچر سے اچھا کوئی خچر نہیں ہے اور یہ گھوڑا تو مجھے تکلیف دیتا ہے اور میں اس پر سے ٹھیک طور پر تیر نہیں چلا سکتا۔ تم میرا یہ گھوڑا لے لو اور مجھے اپنا خچر دے دو۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایسی سواری پر ہوں کہ اگر کہیں گھر جاؤں تو آسانی سے پہچانا جا سکوں" ابوالصباح کا خچر سفیدی مائل اشہب رنگ کا تھا۔ ابوالصباح عبدالرحمٰن کی گفتگو سے کچھ شرمندہ ہو گیا کیوں کہ یہ بھی یمنی تھا اور کہا " کیا امیر اپنے ہی گھوڑے پر بیٹھا رہنا پسند نہیں کریں گے" عبدالرحمٰن نے نفی میں جواب دے کر ابوالصباح سے خچر لے لیا اور اس پر سوار ہوئے یہ دیکھ کر یمن والے مطمئن ہو گئے اور تیر اندازی سے سوار فوج کی مدافعت کرتے رہے۔ نیز ان میں سے کچھ تیلے لوگوں نے بڑھ کر دشمن پر حملہ کیا۔ جنگ پھر گھمسان کی ہونے لگی۔ ابنِ معاویہ کی فوج میں سے حبیب ابنِ عبدالملک اپنے سواروں کو لے کر یوسف کی سوار فوج کے میمنہ و قلب پر حملہ آور ہوا اور اسے شکست دی۔ خالد سوری اور اس کے ہم راہی بھاگ گئے۔ یہ دیکھ کر عبید بن علی للکارا اور خالد سے نبرد آزما ہوا۔ پھر حبیب اور ابنِ نعیم نے اہلِ شام کے سواروں کے ساتھ یوسف کے قلبِ لشکر پر حملہ کیا۔ اس حملے میں کنانہ ابنِ کنانہ، عبداللہ ابن یوسف اور جوشن بن صمیل کام آئے۔ یوسف اور صمیل کے قدم اکھڑ گئے۔ یوسف کی فوج میسرہ میں عبید اور قیس کی جماعت ثابت قدمی کے ساتھ مصروفِ جنگ رہی۔ یہ جنگ دوپہر تک زور پر رہی پھر یوسف کے میسرہ کو بھی

شکست ہوئی اور یہ لوگ نہایت بُری طرح مارے گئے۔ عبید بن علی اور قیس کے سردار کام آئے۔ قبیلۂ قیس کے چند معمولی آدمیوں کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔

فتح پاکر ابنِ معاویہ یوسف کے قصر میں آئے تو اس میں کوئی نہ ملا۔ اس کے بعد ابنِ معاویہ کا لشکر میدان سے پلٹا تو یوسف کے لشکر گاہ کو لوٹا۔ یہاں ان لوگوں کو یوسف کا تیار کرایا ہوا کھانا اور تمام اشیا ملیں۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ ابنِ معاویہ نے خالد ابن زید کو قید کر کے بنی امیہ کے دو بوڑھوں کی حراست میں دے دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ اگر لوگ مزاحم ہوں تو اسے قتل کر دیا جائے۔ خالد کہا کرتا تھا کہ میں نے اپنے لیے اتنی دعا کبھی نہ کی تھی جتنی اس موقع پر کی۔ میں یوسف کی فتح کے لیے دُعا مانگتا رہا پھر یہ بھی سوچتا تھا کہ وہ کامیاب ہوا تو، اور ابنِ معاویہ کو فتح ہوئی تو، میں بہ ہر حال مارا جاؤں گا۔ غرض خالد صلح ہو جانے تک قید ہی میں رہا۔

جب ابنِ معاویہ قصر میں داخل ہوئے تو انھیں کوئی نہ ملا۔ جلد باز لوگ یوسف کے مال و عیال وغیرہ پر ہاتھ ڈالنے لگے ابنِ معاویہ نے انھیں دیکھا تو بھگا دیا اور یوسف کے اہل و عیال میں سے جو لوگ بے لباس ہو رہے تھے انھیں کپڑے پہنائے اور جو کچھ مال و متاع واپس مل سکا لے لیا۔ یمن کے لوگ اس بات پر بگڑ گئے کیوں کہ یوسف کی اولاد و ناموس کو رُسوا کرنے کی نسبت جو ان کا ارادہ تھا پورا نہ ہو سکا اس لیئے ابنِ معاویہ کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ مگر ابنِ معاویہ کا

یہ سلوک ان میں کے صاحب عقل لوگوں کو زیادہ گراں نہیں گزرا۔ دل میں ابنِ معاویہ کی طرف داری سے ناراض ضرور ہوئے مگر ظاہر میں تعریف کرتے رہے البتہ بعض ان میں سے ایسے بھی تھے جنھوں نے باہم اظہارِ ناراضی کرتے ہوئے کہا تم اپنے دشمن بنی مضر سے فارغ ہو چکے ہو مگر یہ شخص (ابنِ معاویہ) اور اس کے ساتھی بھی بنی مضر ہی سے تعلق رکھتے ہیں آؤ ایسے میں ان سے بھی فرصت پالیں تاکہ ہمیں ایک دن دو فتحیں حاصل ہوں۔

ان میں بعض لوگ اس تحریک سے خوش ہوئے بعض ناراض. قبیلۂ قضاعہ نے بالاتفاق اس تحریک کو ناپسند کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر ثعلبہ ابن عبد...... جذامی جو فلسطین والے قبیلۂ جذام کے ممتاز لوگوں میں تھا اگرچہ ان کے سرداروں میں سے نہ تھا، ابنِ معاویہ کے پاس آیا اور از راہِ خیر خواہی انھیں اس گفتگو سے مطلع کیا جو ان کے اور ان کے موالی کے قتل کے متعلق ہوئی تھی اور یہ باور کرایا کہ میں ان لوگوں میں ہوں جو اس تحریک کو ناپسند کرتے ہیں اور قبیلۂ قضاعہ کا اس تحریک سے ناراض ہونے کا بھی ذکر کر دیا۔ پھر ابنِ معاویہ سے کہا اب آپ ہوشیار رہیں اور اپنے موالی کو اپنے پاس رکھیں۔ آپ کے قتل کی جس نے سب سے زیادہ شدّ و مد سے صلاح دی تھی اور دیگر لوگوں کو بھی اس سازش میں شریک کرنا چاہا تھا وہ ابوالصباح ہے۔

ثعلبہ کی اس بات کا یہ اثر ہوا کہ عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ نے اس کی بڑی عزت افزائی کی اور اسی دن عبدالرحمٰن بن نعیم کو اپنا

محافظ بنایا اور اپنے غلاموں اور جاں نثاروں کو بلا کر اپنی حفاظت پر مقرر کیا۔

قرطبہ میں بنی اُمیہ ابنِ معاویہ کے پاس اکٹھا ہوئے اس وقت قرطبہ میں بنی امیہ کے بہت سے خاندان تھے جن کے پاس بربریوں وغیرہ کی بے حساب دولت و ثروت موجود تھی۔

جب ابنِ معاویہ نے یوسف کا قصد کیا تھا یوسف نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو لکھ دیا تھا کہ سرقطہ سے پانچ سو سوار لے کر آئے مگر بدقسمتی سے وہ یوسف سے شکست کے دن قرطبہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ملا۔ یوسف اس وقت طلیطلہ جا رہا تھا۔

اس واقعے کے بعد یوسف طلیطلہ پہنچا اور صمیل اپنے پڑاؤ پر واپس آیا۔ یوسف نے اہلِ طلیطلہ میں سے جہاں تک ممکن ہوا لوگوں کو اکٹھا کر لیا۔ اس زمانے میں طلیطلہ کا عامل ہشام بن عروہ فہری تھا۔ یوسف اس جمعیت کو لے کر آگے بڑھا مگر عروہ خود وہیں رہا۔ پھر صمیل آیا تو اس نے مضر کے باقی ماندہ لوگوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا۔

عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ نے جیان کا حاکم حصین ابنِ دجن کو اور البیرہ کا جابر بن علا ابنِ شہاب کو مقرر کیا تھا۔ جب یوسف اور صمیل جیان کی طرف بڑھے تو حصین ابنِ دجن منتیشہ کے قلعے میں قلعہ بند ہو گیا مگر یوسف اور صمیل نے اس سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ صرف اپنے مددگاروں اور حامیوں کو فوج میں بھرتی کر لیا۔
جب یوسف و صمیل جیان سے البیرہ گئے تو جابر ابن علا البیرہ

کو چھوڑ کر پہاڑوں میں چلا گیا۔ البیرہ والے بنی قیس کے ساتھ ہو گئے۔

جب ابنِ معاویہ کو یوسف کا البیرہ پہنچنا معلوم ہوا تو وہ بھی لشکر اکٹھا کر کے یوسف کی طرف بڑھے اور قرطبہ میں ابوعثمان کو نائب مقرر کر کے چند قرطبی یمنیوں اور بنی اُمیّہ کے ساتھ وہیں چھوڑا۔

کسی موقع پر ابنِ معاویہ کو دو لونڈیاں ہدیے میں دی گئی تھیں۔ تیسری لونڈی اور چند غلام انھوں نے خود خریدے تھے اور ان سب کو اپنی ذات کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔ البیرہ جانے سے پہلے جب یوسف جیان ہی میں تھا اور اسے ابنِ معاویہ کے ارادۂ آمد کی اطلاع ہو چکی تھی اس وقت یوسف نے اپنے بیٹے ابوزید عبدالرحمٰن کو حکم دیا تھا کہ تم دوسری طرف سے چڑھائی کر کے قرطبہ پر حملہ کر دو۔ ادھر ابنِ معاویہ یوسف کے ارادے سے البیرہ روانہ ہو چکے تھے۔ ابوزید عبدالرحمٰن ابن یوسف نے دوسری طرف سے قرطبہ پر دھاوا بول دیا۔

ابوعثمان عبیداللہ جن کو ابن معاویہ نے قرطبہ کا نائب مقرر کیا تھا۔ قصر کی جامع مسجد میں محصور ہو گئے۔ ابوزید نے ان کو یہ وعدہ کر کے حصار سے نکالا کہ تمھیں قتل نہ کریں گے چناں چہ قید کر کے ساتھ لے چلا۔ ابوزید عبدالرحمٰن ابن یوسف کو ابنِ معاویہ کی وہ دو لونڈیاں بھی ہاتھ آئیں۔ تیسری لونڈی جسے ابنِ معاویہ نے عرب کے کسی خاندان سے مول لیا تھا بھاگ گئی۔ یا جب یہ واقعہ پیش آیا تو وہ عرب اسے اپنے ساتھ لے گئے اس وقت اس کے پیٹ میں ابن معاویہ کی لڑکی عائشہ تھی۔

ابوزید (عبدالرحمٰن) ابنِ یوسف ان دونوں لونڈیوں اور

ابو عثمان کو لے کر چلا تو اس کے کسی دانش مند ساتھی نے اس سے کہا تو نے وہ کام کیا جو عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ نے تیرے ساتھ نہیں کیا۔ جب عبدالرحمٰن کے بس میں تیری مائیں اور بہنیں تھیں تو اس نے ان کے پردے کا خیال رکھا اور ان کو کپڑے پہنائے مگر تو نے اس کی دو کنیزوں پر قابو پاکر انھیں پکڑ لیا" یہ سُن کر ابو زید کی آنکھیں کھلیں اور اس کو اپنی نادانی معلوم ہوئی۔

پھر ابو زید نے قلعۂ تدین میں جو شہرِ قرطبہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھا خیمہ لگانے کا حکم دیا۔ اس خیمے میں ان دونوں لونڈیوں کو اتارا اور ان کا مال و متاع بھی ان کو دے دیا۔ خود ابو عثمان کو پا بہ زنجیر اپنے باپ کے پاس البیرہ لے کر پہنچا۔ ادھر ابنِ معاویہ سیدھے صوبۂ البیرہ میں آ پہنچے اور موضع ارملہ میں قیام کیا۔ یہاں سے فریقین میں پھر مراسلت شروع ہوئی۔ یوسف وصمیل نے ابنِ معاویہ سے تحریک کی کہ اگر ہماری جانیں اور مال و جائداد محفوظ رہے تو ہم حکومت سے دست بردار ہو جائیں اور سارے ملک اور رعایا کو بھی امان حاصل ہو جائے۔ اور امورِ سلطنت ٹھیک ٹھیک چلنے لگیں۔

ابنِ معاویہ نے منظور کر لیا اور ۱۴۰ھ میں دونوں کے درمیان صلح ہو گئی اور صلح نامہ لکھا گیا۔ پھر یوسف وصمیل اور ابنِ معاویہ ایک دوسرے سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔ اس سلسلے میں ابنِ معاویہ نے خالد ابنِ زید کو چھوڑ دیا اور یوسف نے عثمان کو رہائی دے دی۔ ابنِ معاویہ نے یوسف سے معاہدہ کر لیا کہ ہم تمھارے پیچھے

عبدالرحمٰن ابوزید اور محمد ابوالاسود کو یرغمال کے طور پر رکھیں گے، چناں چہ ان دونوں کو یہ وعدہ کر کے حراست میں لے لیا کہ ہم انھیں ملکی معاملات کے اصلاح پر آنے تک نہایت اچھی طرح قرطبہ میں نظربند رکھیں گے اور کسی طرح کی سختی نہ کریں گے پوری طرح امن ہو جانے کے بعد دونوں کو واپس کر دیا جائے گا۔

جب ابنِ معاویہ صمیل کا ذکر کرتے تو کہتے " حکومت اللہ کو زیبا ہی۔ صمیل میرے ساتھ البیرہ سے قرطبہ تک گیا۔ اس کے زانو میرے زانو سے ملے نہ اس کے خچر کا سر میرے خچر کے سر سے آگے نکلا۔ اس نے مجھ سے کسی بات کو نہ پوچھا اور نہ بغیر پوچھے بے ضرورت گفتگو کی۔ لیکن ابنِ معاویہ یوسف کی نسبت ایسا کوئی ذکر نہ کرتے یہ بات اس لیے تھی کہ جب صلح ہو گئی تو یوسف ابنِ معاویہ کے دائیں جانب تھے اور صمیل بائیں جانب۔ اسی حالت میں یہ تینوں قرطبہ میں داخل ہو گئے۔ ابنِ معاویہ نے قصرِ قرطبہ میں قیام کیا اور یوسف اپنے محل بلاطؒ الحرا میں اُترا جو اس سے پہلے حر بن عبدالرحمٰن سقفی والیِ اندلس کا محل تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہی کہ یوسف نے ابنِ حر پر ظلم کر کے اسے قتل کیا اور محل پر قابض ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں اس سے خرید لیا تھا۔ واللہ اعلم غرض جب یہ لوگ قرطبہ آئے تو یوسف کے خلاف شکایتیں ہونے لگیں اور لوگوں کو یہ توقع ہوئی کہ ابنِ معاویہ شکایت کرنے والوں کے موافق ہو کر یوسف پر سختی کریں گے۔ اس خیال سے یوسف کے بعض اموال و اراضی پر یوسف کا ناجائز قبضہ ظاہر

کرتے ہوئے دعوئی کیا کہ اس کے اصل مالک ہم ہیں اس پر ہمارا قبضہ ہونا چاہیے اور ابنِ معاویہ سے درخواست کی کہ اس کو اور ان کو قاضی کے رُو بہ رُو پیش کر دے۔

اس زمانے میں یزید ابنِ یحییٰ، قضا کے عہدے پر مامور تھے۔ مدعیوں کو قاضی سے یہ امید تھی کہ قاضی اپنی ذاتی کاوش کی وجہ سے یوسف کے خلاف ہماری طرف داری کریں گے کیوں کہ یوسف وصمیل نے شقندہ میں یمنیوں کو قتل کرکے ساری قوم سے عداوت مول لے لی تھی۔ یزید ابن یحییٰ دربارِ خلافت سے باقاعدہ فرمان کے ساتھ قاضی ہوکر آئے تھے۔ یوسف نے ان سے اہلِ اندلس کی رضامندی کی وجہ سے تعرّض نہیں کیا تھا۔ اس موقع پر یوسف وصمیل اور مدعی قاضی کے یہاں پیش ہوئے لیکن مدعیوں کو بڑی مایوسی ہوئی جب قاضی نے یوسف وصمیل کے خلاف کوئی خاص کارروائی نہ کی۔ کہا جاتا ہے کہ قاضی نے بعض مدعیوں کو دس دس دن تک پریشان رکھا۔ جو زیادہ سکت والے تھے۔ وہ تین پیشیوں میں تین تین دن سے زیادہ نہ رہ سکے۔ اس مقدمے کے بعد یوسف وصمیل نہایت آزادی واطمینان کے ساتھ ابنِ معاویہ کے پاس آتے جاتے رہے اور وہ ان دونوں کو وقتاً فوقتاً شریکِ مشورہ کرتے رہے۔

راوی کا بیان ہے کہ اس سال عبدالملک ابنِ عمر ابنِ مروان جن کو مروانی بھی کہتے ہیں اور جزئی بن عبدالعزیز ابنِ مروان اپنی اولاد و موالی اور چند بنی امیہ کے ساتھ اندلس میں داخل ہوئے

اور تھوڑے دن میں خاصی تعداد بڑھالی۔
قرطبہ میں موالی بنی ہاشم و بنی فہر اور قبائلِ قریش وغیرہ کے کئی خاندان تھے۔ ان لوگوں نے یوسف کی بدولت بڑے بڑے مرتبے حاصل کیے تھے۔ اب چوں کہ ابن معاویہ کے تسلّط سے یہ بات باقی نہ تھی اس لیے یہ لوگ یوسف کے پاس آ آکر اس کو اس کی موجودہ حالت پر شرمندہ کرکے ابنِ معاویہ کے خلاف اکساتے تھے۔ آخر یوسف نے ان کے کہنے میں آکر لوگوں سے خط وکتابت شروع کی۔ لشکر والوں نے تو یوسف کو جواب دے دیا کہ "ہم صلح کے بعد پھر جنگ پر تیار نہیں ہیں عمیل اور قبیلۂ قیس والوں کو بھی یوسف کی یہ بات ناگوار ہوئی اور انھوں نے کہا کہ جو کچھ ہو گیا ہم اسی پر راضی ہیں اپنا فرض ادا کر چکے ہیں اور اب ہم ابنِ معاویہ سے خلع نہ کریں گے۔ جب یوسف کو ان لوگوں سے مایوسی ہوئی تو اس نے بلدیوں کو خصوصاً ماروہ اور لقنت[1] والوں کو ہموار کرنا شروع کیا۔ یہ لوگ یوسف کا ساتھ دینے پر بہ خوشی آمادہ ہو گئے۔ ان میں زیادہ تر یوسف کے خاندان کے لوگ تھے جو جنگِ مسارہ کے دن لقنت وطلیطلہ میں آباد ہو گئے تھے۔ جب عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ سے صلح ہوئی تو ابن معاویہ نے یوسف کے گھرانے کے بعض لوگ یوسف کو دے دیے اور اس کی بعض بیٹیوں کو ان کے شوہروں کے پاس چھوڑ دیا، نیز یوسف کے خاندان کے ان افراد کو جنھیں اپنے پاس رکھنا مناسب نہ سمجھا یوسف کی بیٹیوں کے پاس چھوڑ دیا۔ ان لوگوں کے دعوتی خطوط بھی یوسف کے پاس آئے اور یوسف ۱۴۱ھ میں

بھاگ کر ماردہ پہنچا۔

جب ابنِ معاویہ کو یوسف کے بھاگنے کا علم ہوا تو انھوں نے سوار تعاقب میں بھیجے مگر وہ چھپ گیا۔ اس کے دو بیٹے البتہ گرفتار ہوگئے جنھیں ابنِ معاویہ نے قتل کر ڈالا۔ صمیل قرطبہ میں پکڑ لیا گیا مگر صمیل نے صفائی پیش کی کہ میرا کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگر میں مجرم ہوتا تو میں بھی اس کے ساتھ بھاگ جاتا۔ ابنِ معاویہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ وہ بغیر تیرے مشورے کے نہیں بھاگا۔ تجھ پر ہماری وفاداری واجب تھی۔ غرض ابنِ معاویہ نے صمیل کو قید میں رکھا۔

یوسف ماردہ آیا اور وہاں کے عربوں اور بربریوں کو جمع کیا۔ پھر لقنت پہنچا۔ یہاں کے لوگوں نے اسے خلیفہ تسلیم کر لیا۔ پھر یوسف اشبیلیہ کی طرف چلا۔ اس وقت اشبیلیہ میں عبدالملک ابن مروانی کی حکومت تھی۔ یوسف کے آنے پر اشبیلیہ میں حمص کے کچھ عرب عبدالملک کی طرف ہوگئے اور بلدی سب کے سب چند آدمیوں کے سوا عبدالملک سے علیحدہ ہوکر یوسف کے حامی ہوگئے۔ اس طرح یوسف کا لشکر بہت بڑھ گیا اور اس کی جمعیت بیس ہزار سے زیادہ ہوگئی۔ اس جمعیت کے ساتھ یوسف نے اشبیلیہ میں عبدالملک ابن مروانی پر حملہ کر دیا۔

عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ قرطبہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے لشکروں کا انتظار کر رہے تھے۔ دوسری طرف جب یوسف کی فوجیں جمع ہوگئیں تو یوسف نے مروانی پر چڑھائی کی۔ مروانی تھوڑی سی شامی فوج کے ساتھ اشبیلیہ میں قلعہ بند تھا۔ جب یوسف نے

مروانی کی جمعیت تھوڑی دیکھی تو وہ ان کی طرف سے بے خطر ہو گیا اور اشبیلیہ کو اسی حال میں چھوڑ کر ماردہ کے عربوں، بربریوں اور لقنت والوں اور چند اشبیلیہ والوں کے ساتھ ابنِ معاویہ کے مقابلے کے لیے چلا۔ اب یوسف کا لشکر بہت بڑھ گیا تھا۔

ادھر ابنِ معاویہ کے لشکر بھی قرطبہ میں جمع ہو چکے تھے وہ بھی آگے بڑھے اور اس جگہ قیام کیا جسے برج اسامہ کہتے ہیں۔ یوسف اپنی عاقبت سے بے پروا ابنِ معاویہ کی طرف بڑھا۔ مروانی اپنے دارالحکومت اشبیلیہ میں اپنے بیٹے کا منتظر تھا۔ جب مروانی کا بیٹا عبداللہ والیِ ملک مورور آگیا تو اس نے باپ کو محصور دیکھ کر فوج کو جمع کیا اور باپ کے پاس اشبیلیہ پہنچا۔ عبداللہ کے اشبیلیہ میں داخل ہونے تک مروانی پر سے محاصرہ اُٹھ چکا تھا۔ عبداللہ نے اسے یوسف کی آمد و بازگشت سے باخبر کیا پھر عبداللہ نے لوگوں کو بلا کر رائے طلب کی۔ ان کے سرداروں نے کہا کہ ہم تمھارے باپ کے تابع فرمان ہیں جب تمھارا جی چاہے یوسف پر حملے کے لیے چلو۔ اس مشورے پر مروانی اور اس کا بیٹا عبداللہ اہلِ اشبیلیہ و مورور وغیرہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔

جب امیر ابنِ معاویہ کو یہ معلوم ہوا کہ یوسف مروانی کو چھوڑ کر میری طرف بڑھ رہا ہے تو وہ بھی آگے بڑھ کر حصن مدور میں جا ٹھہرے۔ اس وقت یوسف وادیِ کذا میں تھا۔

لوگوں نے یوسف کو اطلاع دی کہ مروانی یلغار کرتا ہوا آرہا ہے بلکہ چند اول پر غالب آچکا ہے تو یوسف اس اندیشے سے کہ کہیں

ایسا نہ ہو عبدالرحمٰن ابن معاویہ بھی آجائے اور ہم دونوں طرف سے دشمنوں میں گھر جائیں۔ مروانی کی طرف متوجّہ ہوا۔ ادھر مروانی خود اس فکر میں تھا کہ فی الحال جہاں تک ممکن ہو مقابلے کی نوبت نہ آئے مگر یوسف کی سبقت کی وجہ سے اس ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا اور آخر کار مروانی اور یوسف کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے پر آگئیں۔ یہاں بنی فہر کے موالی میں سے لقنت یا مارده کے رہنے والے ایک بربری نے مروانی کے لشکر سے مقابلے کے لیے مبارز طلبی کی۔ یہ بربری بڑا بہادر اور دلاوری میں بہت مشہور تھا اس لیے مروانی کے لشکر سے کوئی شخص اس کے مقابلے کے لیے نہ نکلا۔ آخر مروانی نے اپنے بیٹے عبداللہ سے مخاطب ہو کر کہا "یہ آفت کی ابتدا ہی اور ہماری قلّتِ فوج سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہی۔ بیٹا اب تم خدا پر بھروسا کر کے مقابلے پر جاؤ" یہ سُن کر عبداللہ خود مقابلے کے لیے نکلا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک خاندانی حبشی غلام بھی چلا جس کی کنیت ابو بصری تھی۔ اس غلام نے عبداللہ سے پوچھا "آپ کس ارادے سے نکلے ہیں" عبداللہ نے کہا اس شخص کے مقابلے کے لیے۔ غلام نے کہا اس کے لیے تو میں کافی ہوں اور یہ کہہ کر ابو بصری بربری کے مقابلے پر آیا۔ اس وقت آسمان سے خفیف سا ترشح ہو رہا تھا۔ دیر تک دونوں میں کشمکش رہی کیوں کہ دونوں دلیر اور قوی و تنو مند تھے۔ اتفاق سے بربری کا پانو پھسل گیا اور وہ گر گیا۔ ابو بصری نے فوراً حملہ کر کے تلوار سے اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ یہ دیکھتے ہی مروانی کے لشکر والوں نے زور سے تکبیر کہی

اور ایک دم حملہ کر دیا۔ دم کے دم میں یوسف کو شکست ہو گئی۔ اس کے اکثر لوگ میدان چھوڑ کر منتشر ہو گئے مگر قتل بہت تھوڑے ہوئے مروانی کی فوج نے اپنی قلّت کی وجہ سے دشمن کے تعاقب میں بہت کم حصّہ لیا۔ صرف وہ لوگ جو یوسف کے لشکر سے الگ رہ گئے تھے وہی مروانی کی سپاہ کے ہاتھوں میں پڑ کر لوٹے گئے اور قتل ہوئے۔

ابھی امیر ابن معاویہ مدور ہی میں تھے کہ عبداللہ ابن عبدالملک مروانی یوسف کی شکست کی خبر اور مقتولوں کے سر لے کر امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر نے اس فتح پر خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فوراً ایک قاصد اپنے غلام بدر کے پاس روانہ کیا اور لکھا کہ "مروانی کی مدارات کا خیال رکھو اور پہلے سے دو چند اس کا احترام واکرام کرو"۔ عبداللہ نے اس موقع پر امیر کو جنگ کے تمام حالات اور فتح کی وجوہات سے مطّلع کر دیا۔ جب سے اب تک مروانی کے خاندان کا بول بولا ہے۔

یوسف اس جنگ سے فرار ہو کر قریش کی طرف گیا اور وہاں سے فحص البلوط کی طرف ہوتا ہوا طلیطلہ کے راستے پر ہو لیا تاکہ ابن عروہ کے پاس جاکر پناہ لے۔ اب طلیطلہ صرف دس میل رہ گیا تھا کہ یوسف کا گزر عبداللہ ابن عمر انصاری کی طرف ہوا جو ضلع طلیطلہ کے کسی گانو میں رہتے تھے۔ کسی نے عبداللہ ابن عمر کو اطلاع دی کہ یہاں سے یوسف شکست کھا کر گزر رہا ہے۔ عبداللہ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے کہا کہ "آؤ یوسف کو قتل کر ڈالیں تاکہ دنیا کو اس کے شر سے اور اسے دنیا سے نجات مل جائے" چناں چہ یہ لوگ حملے کے لیے تیار ہو کر بڑھے۔ اتنے میں یوسف آگے نکل چکا تھا جب

ہشام کے بیٹے کو جو ان کے پاس یرغمال کے طور پر تھا قتل کرا دیا اور اس کا سر منجنیق میں رکھ کر شہر میں پھنکوا دیا۔ بعد ازاں امیر اسی سال وہاں سے واپس ہو گئے۔

انتظام کی حالت متغیّر دیکھ کر علا ابن مغیث یحصبی نے بھی امیر کے خلاف سر اُٹھایا۔ بعض کہتے ہیں کہ علا باجہ کا ایک حضرمی تھا۔ اس نے سیاہ عباسی لباس اختیار کیا اور لوگوں کو ابو جعفر منصور کی اطاعت پر توجہ دلاتی۔ ابو جعفر منصور عبّاسی خلیفہ نے ایک سیاہ نشان مہر لگا کر بانس کے اندر چھپا کر علا کے پاس بھیج دیا تھا۔ اس موقع پر علا نے اس نشان کو نکال کر اسے ایک نیزے میں باندھا اور مصر کے لشکروں میں سے لے کر نکلا۔

اس بغاوت میں واسط ابنِ مغیث اور امیہ ابنِ قطن فہری نے بھی علا کا ساتھ دیا۔ یمانی فرقے بڑھ کر اشبیلیہ پہنچے اور وہاں ان لوگوں نے امیہ ابنِ قطن پر تہمت لگا کر اسے گرفتار کر لیا۔ یہ حالات سُن کر امیر نے بھی فوجیں جمع کیں، باغیوں کی سرکوبی کے لیے بڑھے اور قلعۂ رعواقؔ میں پڑاؤ ڈال دیا۔

غیاث ابنِ علقمہ شذونہ سے باغیوں کی مدد کے لیے آرہا تھا۔ امیر کو اس کی اطّلاع ملی تو انھوں نے اپنے غلام بدر کو ایک چھوٹا سا لشکر دے کر غیاث سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ بدر سفر کرتا ہوا دلجہ میں جو وادیِ آبرہ اور نہرِ اعظم کے درمیان ہے مقیم ہوا۔ ابھی جنگ کا آغاز نہ ہوا تھا کہ دونوں کے درمیان مراسلت ہو کر صلح کی ٹھیر گئی اور غیاث ابنِ علقمہ لخمی لڑائی سے ہاتھ کھینچ کر اپنے شہر کو واپس ہو گیا۔

بدر امیر کے پاس چلا آیا۔

باغیوں کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے آپس میں کہا "اب ہمارے لیے صرف قرمونہ ہی رہ گیا ہی" اور یہ سوچ کر رات کو وہاں جانے کی تیاری کرنے لگے۔ امیر نے یہ سُن کر بدر کو بُلایا اور اسے ہدایت کی کہ جلد سے جلد قرمونہ روانہ ہو جاؤ اور قرمونہ کے دروازے پر اپنے ڈیرے لگا دو اور صبح کو ہمارے پہنچنے تک غیر مسلم رعایا کو اپنے پاس جمع کر لو۔

بدر کو روانہ کر کے امیر بہت سویرے قرمونہ کی سمت چلے اور ظہر تک وہاں پہنچ گئے۔ باغیوں کو وہاں تک پہنچنے میں دیر ہوئی وہ دن نکلے قرمونہ کے گنجان درختوں تک پہنچے تھے کہ انھیں قرمونہ کے دروازے پر ڈیرے لگے ہوئے نظر آئے جنھیں دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ امیر ہم سے پہلے آ پہنچے۔ یہ ابھی مختلف الرائے تھے کہ امیر کے سوار بھی بڑھ آئے۔ فریقین میں خوب مقابلہ ہوا آخر باغی بُری طرح پسپا ہو کر قتل ہوئے۔ امیہ ابن قطن بہ حالت قید امیر کے لشکریوں کے ہاتھ آیا۔ امیر نے اسے آزاد کر دیا۔ جب مقتولین کا اندازہ کیا گیا تو دشمنوں کے سات ہزار سر شمار میں آئے جن میں سے ممتاز مقتولین کے سر اور علا کا سر علیحدہ کر لیے گئے۔ علا کے ناک کان بھی کاٹ لیے پھر ہر مقتول کے نام کا ایک پرچہ لکھ کر اس کے کان میں لٹکا دیا پھر اس شخص کو بڑا انعام دیا جس نے تمام سروں کو خُرجیوں میں رکھ کر جہاز کے ذریعے سے قیروان کی راہ لی۔ وہاں پہنچ کر اس شخص نے رات کے وقت یہ تمام سر بازار میں پھینک دیے صبح کو جب

لوگوں نے بازار میں سر ادھر اُدھر پڑے دیکھے اور ان کے ساتھ ایک ایک پرچہ بھی دیکھا تو بڑی ہل چل مچ گئی اور یہ خبر ابو جعفر منصور تک پہنچی۔

اس واقعے کے بعد امیر نے پھر ہشام ابنِ عروہ کی طرف توجہ کی اور تمام ابنِ علقمہ اور اپنے غلام بدر کو کچھ فوج کے ساتھ طلیطلہ بھیجا جہاں ان دونوں نے ہشام ابن عروہ کو گھیر لیا۔ امیر نے طلیطلہ کی مہم پر بھی فوجیں بھیجیں اور ہر چھٹے مہینے ایک تازہ دم فوج امداد کے لیے بھیجتے رہے۔ آخر اہلِ شہر طولِ محاصرے کی تاب نہ لا سکے اور انھوں نے لڑائی کی صعوبت ناقابلِ برداشت سمجھ کر امیر کی فوج سے سازش شروع کی۔ تمام اور بدر سے معاملات طے ہو گئے اور شہر والوں نے ہشام، عمری اور حیوہ سے بیزار ہو کر انھیں امیر کی فوج کے سپرد کر دیا۔

تمام ان لوگوں کو قید کر کے انھیں قرطبہ پہنچانے کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔ بدر شہر میں ٹھیرا رہا تاکہ امیر کا حکم حاصل کر کے تعمیل کرے۔ تمام ان لوگوں کو لیے ہوئے اوریط تک پہنچا تھا کہ عاصم ابن مسلم ثقفی سے ملا۔ عاصم نے امیر کی طرف سے اسے حکم دیا کہ تم طلیطلہ کے والی مقرر کیے گئے ہو، اب تم وہیں روانہ ہو جاؤ اور بدر کو واپس کر دو۔ عاصم نے قیدیوں کو اپنی حراست میں لے لیا۔ تمام نے اس حکم کی تعمیل کی اور طلیطلہ واپس ہو گیا۔ عاصم ثقفی اسیروں کو لیئے ہوئے قریۂ حلوہ میں جا اُترا۔ امیر نے ان کی اطلاع پا کر پولیس کے حاکمِ اعلیٰ عبدی کو ان اسیروں کی سزا پر مامور کیا۔ عبدی نے ان

کے لیے ایک ایک اُون کا جبّہ لیا اور اپنے ساتھ ایک حجّام اور چند گدھے لے کر ان کے پاس پہنچا۔ ان کے سر اور داڑھیاں مُنڈوائیں اور جبّے پہنا کر ٹوکریوں میں بٹھا کر گدھوں پر سوار کرکے سب کو اپنے ساتھ لیے ہوئے قرطبہ پہنچا۔ اس موقع پر عمری نے جو بہت ضعیف تھا حیوہ سے کہا کہ مجھے بہت تنگ جُبّہ پہنایا گیا ہے۔ حیوہ نے حسرت سے جواب دیا۔ کاش تمھیں اتنے عرصے ہی کے لیے چھوڑ دیا جاتا کہ یہ جُبّہ تنگ ہونے کی وجہ سے پھٹ جاتا۔ غرض امیر کے حکم سے ان سب کو قتل کرکے صلیب پر چڑھا دیا گیا۔

ان کے بعد سعید الیحصبی معروف بہ مطری نے بغاوت کی اور لبلہ پر حملہ کیا۔ اس شورش کا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات جب کہ وہ نشے میں تھا اس کے سامنے اہلِ یمن کے قتل کا ذکر ہوا اور علا کے قتل کا حال بھی سنایا گیا۔ یہ سُن کر مطری نے اپنے نیزے میں نشان باندھ دیا گویا جنگ کے لیے آمادگی ظاہر کردی۔ جب نشہ اترا تو اس نے دریافت کیا کہ نیزے پر یہ نشان کیسا بندھا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا "کل رات کو آپ ہی نے یہ نشان اپنی قوم کے قتل کا حال سُن کر غصّے میں باندھا تھا" اس نے حکم دیا "قبل اس کے کہ یہ خبر مشہور ہو اس نشان کو کھول دو" مگر ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ "میں اپنی رائے سے کیوں پھروں" وہ ایک بہادر اور جری شخص تھا اس نے اپنی قوم کو طلب کیا۔ ایک جماعت اس کے ساتھ ہوگئی اور یہ سب قلعۂ رعوان کی طرف بڑھے اور قلعے میں داخل ہوگئے۔

جب امیر کو اس کی اطلاع ملی تو وہ بھی اسی طرف روانہ

ہو کر قلعے کے پاس جا پہنچے ان کی آمد سے مطلع ہو کر مصری قلعے سے لڑتا ہوا باہر نکلا۔ مصری کے ہم راہ سالم بن معاویہ کلاعی بھی تھا۔ یہ دونوں گھمسان میں پھنس گئے اپنے لشکر تک واپس نہ پہنچ سکے۔ مصری کی مجبوراً جماعت نے اپنا جنرل خلیفہ ابن مروان یحصبی کو بنالیا جس نے امیر سے اپنے اور اپنی قوم کے لیے امان مانگی۔ امیر اسے امان دے کر واپس ہو گئے اور یہ لوگ بھی قلعہ خالی کر کے چلے گئے۔

اب ابوالصباح نے سر اٹھایا۔ اس کی سرکشی کا سبب یہ تھا کہ امیر نے ابوالصباح کو اشبیلیہ کا گورنر مقرر کیا تھا مگر کسی بات پر معزول کر دیا ابوالصباح ناراض ہو گیا۔ جب ابوالصباح نے دل میں جنگ کی ٹھان کر لشکروں سے خط و کتابت کی تو امیر کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ عبداللہ ابن خالد بھی اپنے کسی عہد کی وجہ سے ابوالصباح کی حمایت کے لیے بڑھ رہا ہے تو امیر نے چال سے کام لیا اور مختلف مقامات سے جعلی خطوط ابوالصباح کے پاس بھیجے۔ ابوالصباح اس چال میں آ گیا۔ اور امیر کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے بعد عبداللہ ابن خالد خود حکومت کے کاموں سے دست کش ہو گیا اور قنیتین[1] میں سکونت اختیار کر لی۔ وہیں اس کا انتقال بھی ہوا۔

اس واقعے کے متعلق ایک بیان یہ بھی ہے کہ تمام ابن علقمہ ابوالصباح کو بہلا پھسلا کر کوئی عہد کیے بغیر اپنے ساتھ لیے ہوئے قرطبہ آ گیا۔ امیر نے ابوالصباح کو اپنی خدمت میں طلب کیا۔ اس وقت ابوالصباح کے ساتھ اس کے لشکر کے چار سو آدمی بھی تھے۔

ابوالصباح نے امیر سے کچھ شکایتیں کیں۔ ان کے جواب میں امیر سختی سے پیش آئے اور اسے دھمکا دیا۔ مگر پھر صلح کی گفتگو شروع کر دی۔ اس نے ایک سیاہ فام مدینے کی رہنے والی لونڈی کو بلایا جو دوسری لونڈیوں پر داروغہ اور ان کی معلّمہ تھی وہ امیر کے پاس ایک خنجر لے کر حاضر ہوئی۔ یہ دیکھ کر ابوالصباح نے چاہا کہ ہاتھ بڑھاکر خنجر چھین لے مگر امیر نے فوراً خدام کو اشارہ کیا وہ جھپٹے اور ابوالصباح کی شہ رگ پر خنجر سے حملے کیے۔ ابوالصباح بے بس ہو گیا تو خدام نے اسے قتل کر ڈالا۔

امیر نے کمبل میں اس کی نعش لپٹوا کر پھنکوا دی اور خون کے نشانات اس جگہ سے بالکل زائل کرا دیے پھر اپنے وزرا کو طلب کیا اور ان سے ابوالصباح کے قتل کی نسبت رائے لی۔ وزرا کو اس وقت تک بھی معلوم تھا کہ ابوالصباح امیر کے پاس قید ہے اس جلسے میں کسی نے بھی ابوالصباح کے قتل کی رائے نہ دی اور یہی کہا کہ "اس کے چار سو آدمی دروازے پر موجود ہیں اور امیر کا لشکر اس وقت تیار نہیں ہے ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں کوئی آفت نہ برپا ہو۔" صرف مروانی نے البتہ قتل کی رائے دی اور اپنے کچھ شعر پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے ؎

لَا یُفْلِتَنَّکَ فَیَأْتِیَنَّا بِبَائِقَۃٍ   اُشْدُدْ یَدَیْکَ بِہٖ تَبْرَأْ مِنَ السَّقَمِ

(ایسا نہ ہو کہ وہ تجھ سے نجات پا کر چلا جائے اور ہم پر کوئی آفت لائے اپنے دونوں ہاتھوں کو مضبوط کر کے اسے روک اور بے خطر ہو جا)

امیر نے یہ سب سُن کر وزرا سے کہا کہ میں تو اس کو قتل کر چکا۔ پھر اس کا سر نکالا گیا اور منادی نے چلّا کر اس کے لشکر والوں سے کہا کہ ابوالصبّاح قتل کر دیا گیا۔ جو جانا چاہے امن و آزادی کے ساتھ اپنے اپنے شہر چلا جائے" یہ سُن کر لوگ منتشر ہو گئے اور کوئی فساد نہ ہُوا۔

اس کے بعد فاطمی نے سرکشی کی اور چار سال تک امیر سے لڑتا رہا۔ فاطمی کا نام سفیان ابن عبدالواحد المکناسی ہے اور اس کی ماں کا نام فاطمہ۔ وہ لجدانی قبیلے کا تھا اور پہلے کسی مکتب میں معلّم تھا۔ اس نے اپنے فاطمی ہونے کا دعویٰ کیا اور اچانک سالم ابوزعبل عامل ماردہ پر ایک رات حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا اور قوریؔہ کے اطراف میں چاروں طرف لوٹ مار مچا دی۔ اس کی سرکوبی کے لیے امیر خود روانہ ہوئے۔ اس کی ان لڑائیوں کو غزات الدور کہتے ہیں۔ فاطمی امیر کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور مفازہ کی طرف بھاگ گیا۔ امیر نے شہر کو فتح کر کے تباہ و برباد کر ڈالا اور جن لوگوں پر کچھ نہ کچھ جُرم ثابت تھا ان میں سے کسی کو بغیر سزا دیے نہ چھوڑا۔ وہ غارت گری، آتش زنی اور مکانات کے ڈھانے میں مشغول تھا کہ اس اثنا میں اس کے پاس بدر کا خط قرطبہ سے آیا۔ جہاں وہ امیر کا قائم مقام تھا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ "حیوہ ابن ملامس نے اشبیلیہ میں حمص والوں کے ساتھ مل کر سر اٹھایا ہے۔ (یہ حیوہ حضرمی قبیلے کا تھا) اور عبدالغافر یحصبی بھی اس کی اعانت کر رہا ہے"۔

جس وقت امیر کو یہ خط ملا امیر کے لشکر میں اشبیلیہ کے لوگوں میں سے ملہب کلبی، ابن خشخاش کا بیٹا اور ابن خشخاش تھے۔ یہ خط پڑھ کر امیر مسارہ میں جا اُترے اور اشبیلیہ کے لوگوں میں سے تیس آدمی گرفتار کیے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جن کے ہم نے نام لیے ہیں، اور ان کے قید میں رہنے کا حکم دیا۔ پھر امیر دشمنوں کی طرف بڑھے اور دشمن بھی پیش قدمی کرتے ہوئے بمیسر تک آپہنچے۔ انھوں نے اپنی حفاظت کے لیے خندقیں کھود لی تھیں۔ جب امیر کے مقابل پہنچے تو جنگ چھڑ گئی اور کئی دن تک جاری رہی۔ ان لوگوں کے ساتھ الغرب[1] کے بربری بھی تھے۔ امیر نے ان بربریوں سے خط وکتابت کرنے کے لیے بنی میمون کو ہدایت کی اور یہ بھی سمجھا دیا کہ بربریوں کو امیر کی نیک خیالی کا یقین دلا دیں۔ اس کے بعد امیر نے اپنے غلاموں اور جدید اسیرانِ جنگ کو بیچنا شروع کر دیا۔ لوگ تائب ہو کر امیر کی طرف متوجہ ہونے لگے اور ایک بڑی جماعت نے اپنے نام فوجی رجسٹر میں لکھوا دیے۔ چناں چہ امیر نے ان کو لڑنے کا حکم دے دیا۔ محاصرہ اور قتال سے تنگ آ کر بربریوں نے بنی میمون سے وعدہ کیا کہ صبح جس وقت لڑائی چھڑے گی اس وقت ہم خود بہ خود شکست کھا جائیں گے مگر شرط یہ ہے کہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ چناں چہ دوسرے روز عین گرمیِ جنگ میں بربریوں نے اپنے وعدے کا ایفا کیا اور امیر کے مخالفوں کو شکستِ فاش دلائی۔ فوجِ غنیم کا کوئی بربری قتل سے بچا، نہ کوئی عرب۔ سب بُری طرح مارے گئے۔ شاید ہی کسی جنگ

ہیں اتنے آدمی مارے گئے ہوں۔ علاء کے ہمراہیوں میں جتنے قتل ہوئے
تھے اس سے زیادہ حبشی اس جنگ میں کام آئے۔ جیوہ بھی مارا گیا۔
عبدالغافر سمندر کے راستے سے فرار ہو کر مشرق جا پہنچا۔ اس کے بعد امیر
نے بدر کو لکھا کہ "جو تنیس آدمی تمھارے پاس قید ہیں انھیں قتل کر دیا
جائے" اس حکم کی تعمیل ہوئی۔

اسی زمانے میں امیر نے بزیع الحارث ابن بزیع القاتل کو
خریدا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب امیر نے اس کی شجاعت کے بعض
واقعات خود ملاحظہ کیے تو اس سے دریافت کیا "تم غلام ہو یا آزاد"؟
اور اس نے جواب میں اپنے آپ کو غلام بیان کیا تو امیر نے اسے
خرید کر حبشیوں کا چودھری بنا دیا لیکن اُس زمانے کی چودھرات
کو اس زمانے پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ موجودہ بندوبست امیرالحکم
کے وقت سے جاری ہوا ہے۔ پہلے صرف دو گروہ ہوا کرتے تھے۔ سوار
یا پیدل۔ سوار بھی عبدالحمید ابن غانم کے ماتحت تھے جو پیدل فوج
کا سردار تھا، پیدل اور سوار کی علیحدہ علیحدہ قیادت نہیں تھی جیسی
اب ہے۔

اسی سال امیر نے پھر فاطمی کا تعاقب کیا مگر فاطمی مفاز سے
بھاگ کر قصرِ ابیض سے آگے بڑھ چکا تھا اس لیے امیر واپس ہو گئے

پھر یحییٰ ابنِ یزید ابنِ ہشام یزیدی اور عبداللہ ابن ابان
ابنِ معاویہ ابن ہشام ابنِ عبدالملک نے بغاوت کی۔ اور
ابنِ دیوان الحیشانی و ابنِ یزید ابنِ یحییٰ التجیبی اور ابنِ
ابی غریب نے ان کی اعانت کی۔ جب یہ لوگ

متفق ہوکر امیر کے خلاف کھڑے ہوئے تو عبید اللہ کا ایک مسلمان غلام رات کو فصیل سے لٹک کر شہر میں اُتر آیا اور بدر سے بغاوت کا حال کہہ دیا۔ اس وقت امیر تفریح و شکار کے لیے وادیِ شوش[۱] گئے ہوئے تھے۔ بدر نے ڈاک کے ذریعے سے اطلاع دی۔ اس بنا پر امیر نے فوراً سماعہ کو بُلایا جو سواروں کا افسر تھا اور اسے حکم دیا کہ "جتنے آدمی میسّر آسکیں اپنے ساتھ لے جاؤ اور عبداللہ ابنِ ابان کو گرفتار کرو" پھر عبدالحمید ابنِ غانم پیدل فوج کے افسر کو بُلاکر یحییٰ ابن یزید کی گرفتاری کا حکم دیا۔ ان دونوں نے جاکر ان دونوں کو گرفتار کرلیا۔ اس اثنا میں امیر رصافہ پہنچ گئے اور عبید اللہ و یحییٰ کے قید میں رکھے جانے کا حکم دے کر باقی لوگوں کو گرفتار کرایا۔ جب سب گرفتار ہو گئے تو امیر کے حکم سے قتل کر دیے گئے اور ان کی لاشیں رصافہ سے گھسیٹ کر قرطبہ کے کنکریلے میدان میں ڈال دی گئیں۔

پھر عبدالرحمٰن بن حبیب فہری جو سقلابی کے نام سے مشہور ہے ایک سال تک تدمیر میں امیر سے لڑتا رہا۔ سقلابی نے سلیمان اعرابی کلبی سے جو ان دنوں برشلونہ میں تھا اعانت کے لیے مراسلت کی لیکن اس نے مدد دینے سے انکار کر دیا۔ سقلابی نے خفا ہوکر خود سلیمان سے لڑائی چھیڑ دی مگر سلیمان نے اس کو شکست دے دی اور سقلابی تدمیر کو واپس ہو گیا۔ یہ موقع دیکھ کر امیر سقلابی کی طرف بڑھے اور تدمیر کو تباہ و برباد کر دیا۔

اسی دوران میں برانس[۲] کا ایک شخص محعان نامی اور ریط والوں میں سے سقلابی کے پاس آیا اور اس کے مصاحبوں میں

شامل ہوگیا۔ اس نے اتنی خیر خواہی ظاہر کی کہ سقلابی کو اس پر پورا اعتماد ہوگیا۔ اور سقلابی کے دل میں اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہا۔ ایک دن محعان نے دھوکا دے کر اسے قتل کر ڈالا اور سقلابی کے سواروں کو اپنے ساتھ لے کر امیر کے پاس جا پہنچا۔

اس کے بعد امیر نے تمام اور ابو عثمان کو ایک لشکر دے کر فاطمی کی مہم پر بھیجا جو اس وقت ایک قلعے میں مقیم تھا۔ ان دونوں نے وجیہہ غسانی کو سفیر بنا کر فاطمی کے پاس بھیجا۔ وجیہہ ابو عثمان کا بھانجا تھا۔ فاطمی نے وجیہہ کو بہکا کر اپنی طرف کرنا چاہا۔ وجیہہ اس کے کہنے میں آکر وہیں ٹھیر گیا۔ پھر تمام اور ابو عثمان اپنے لشکر کے ساتھ فاطمی کی طرف بڑھے۔ فاطمی بھی میدان میں اُترا۔ دونوں طرف سے خوب معرکہ آرائی ہوئی مگر فتح فاطمی کو ہوئی۔ امیر کا لشکر پسپا ہوا اور فاطمی شنبتریہ کی طرف بڑھا اور ایک موضع میں جس کو قریۃ العیون کہتے ہیں جا اُترا یہاں ابو معن داؤد ابن ہلال اور کنانہ بن سعید الاسود نے دھوکا دے کر فاطمی کو قتل کر ڈالا۔

وجیہہ غسانی بھاگ کر ساحلِ البیرہ میں پناہ گزیں ہوا۔ اس کے لیے امیر نے شہید و عبدوس بن ابی عثمان کو مقرر کیا انھوں نے عین عید کے دن اس کے پاس پہنچ کر دوستی ظاہر کی اور ایک دن موقع پاکر دھوکے سے وجیہہ کو قتل کر ڈالا۔

جس وقت امیر نے شہید و عبدوس کو وجیہہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ اسی وقت بدر کو ابراہیم ابن شجرہ برنسی مروانی کی طرف بھیجا تھا اور جس دن شہید و عبدوس نے وجیہہ کو قتل کیا ہی عین

اسی دن بدر بھی ابراہیم کے پاس پہنچا چوں کہ ابراہیم ایک بہادر شخص تھا اس لیے مقابلے کے وقت دونوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ آخر کار بدر نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد سلمی نے امیر پر حملہ کیا۔ پہلے امیر کے یہاں سلمی کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ایک رات سلمی نشے میں مدہوش شہر کی طرف چلا شہر کے دروازے بند تھے اس نے چاہا کہ باب القنطرہ یعنی پل والے دروازے کو کھولے مگر چوکی دار مانع آئے۔ اس نے تلوار سے چوکی داروں پر حملہ کر دیا۔ اس کی خبر ہوگئی۔ عبدی نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا بلکہ رات امن و سکون سے گزر جانے دی۔ جب سلمی کا نشہ اترا اور اس نے اپنی حرکت پر غور کیا تو امیر کے خوف سے شرق کی طرف بھاگا اور حفاظت کے لیے ایک قلعے میں پناہ لی۔ امیر نے اس کے پیچھے حبیب بن عبدالملک القرشی کو روانہ کیا۔ حبیب نے سلمی کو مقابلے کے لیے بُلایا۔ سلمی نے سرِ میدان آکر مبارز طلبی کی مغیث کا ایک حبشی غلام مقابلے کے لیے نکل آیا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر پوری قوت سے حملہ کیا اور دونوں ایک دوسرے کے حملے سے ختم ہوگئے۔

اس کے بعد رماحس بن العزیز کنانی والیِ الجزیرہ نے بغاوت کی۔ اس نے دوشنبے کے دن لشکر تیار کیا جمعہ کو اس کی خبر مل گئی۔ شنبے کے روز امیر اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ رماحس کو خبر تک نہ ہوئی اور فسخِ بیعت سے دس روز کے اندر اندر یعنی بدھ کے دن لشکر آ گیا۔ اس وقت رماحس حمام میں ہرتال لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ دفعتہً اطلاع ہوئی تو ہرتال پونچھ کر اپنے اہل و عیال کے ہم راہ جہاز میں سوار ہو کر فرار ہوا۔

اور ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ کے پاس پہنچا۔

اب سلیمان اعرابی نے سرقسطہ پر حملہ کیا۔ اس حملے میں اس کے ساتھ حسین ابن یحیی انصاری بھی تھے جو حضرت سعد ابن عبادہؓ صحابی کی اولاد سے ہیں۔ امیر نے ثعلبہ ابن عبد کو لشکر کے ساتھ سلیمان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ثعلبہ اہلِ شہر (سرقسطہ) سے کئی دن تک مقابلہ کرتا رہا۔ چند روز کی جنگ کے بعد سلیمان نے لشکر سے آرام کی مہلت مانگی۔ اس سے لوگوں نے یہ خیال کیا کہ لڑائی بند ہوگئی اور شہر کے دروازے بند کر کے آرام سے بیٹھ رہے ادھر سلیمان اعرابی نے خفیہ طور پر اپنا سوار لشکر تیار کر کے ثعلبہ بن عبد پر ایک دم حملہ کر دیا اور ثعلبہ کو اس کے ڈیرے ہی میں جالیا اور گرفتار کر کے قید کر دیا۔ ثعلبہ کے لشکر کو شکست ہوئی اور سلیمان نے ثعلبہ کو شاہ قارلہ کے پاس بھیج دیا۔

جب ثعلبہ قید ہو کر شاہ قارلہ کے یہاں پہنچا تو اس نے اپنے دل میں فتح سرقسطہ کی ٹھانی اور حملے کے ارادے سے سرقسطہ کی طرف بڑھا اور وہاں پہنچ کر جنگ شروع کر دی، لیکن اہلِ شہر نے شاہ قارلہ کے خلاف سختی سے مدافعت کی آخر سرقسطہ چھوڑ کر اپنی جگہ واپس جانے پر مجبور ہو گیا۔

اس کے بعد امیر خود سرقسطہ کی جانب جنگ کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ جب وہ فج ابی طویل سے آگے بڑھے تو اثنائے راہ میں حفص ابن میمون اور غالب ابن تمام کے درمیان مفاخرت پر جھگڑا ہو گیا۔ حفص نے اہلِ عرب پر قبیلہ مصمودہ کی فضیلت کا ادعا کیا جسے غالب ابن تمام برداشت نہ کر سکا۔ چناں چہ اس نے حفص کو

تلوار سے قتل کر دیا۔ امیر نے ان کے جھگڑے پر کوئی ناگواری ظاہر نہیں کی اور سفر جاری رکھا۔ جب شنتبریہ پہنچے تو امیر نے چھتیس آدمی گرفتار کیے۔ ان میں ایک ہلال بھی تھا لیکن اس کا لڑکا داؤد جو فاطمی کے قتل میں شریک تھا ہاتھ نہ آسکا۔ یہ سب قیدی قرطبہ بھیج دیے گئے اور وہاں کسی گھر میں قید کر دیے گئے۔ اس وقت سے وہ گھر قید خانے کے نام سے مشہور رہی۔ پھر امیر آگے بڑھے۔ امیر کے سرقسطہ پہنچنے سے پہلے حسین بن یحیی انصاری سلیمان اعرابی کو جمعے کے دن مسجد جامع میں قتل کرا چکا تھا۔ اب جو امیر سرقسطہ پہنچے تو ان کا مقابل صرف حسین ہی تھا۔

سلیمان اعرابی کا بیٹا عیسون اربونہ کی طرف بھاگ گیا تھا جب اسے امیر کے سرقسطہ آنے کی خبر ملی تو وہ بھی سرقسطہ کی طرف بڑھا اور دریا کے اس پار ٹھیر گیا۔ ایک دن عیسون نے دیکھا کہ جس شخص نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا وہ شہر سے نکل کر دریا کے کنارے کنارے جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے فوراً اپنے گھوڑے کو جس کا نام ناہد تھا دریا میں ڈال دیا اور پیچھے سے جا کر اپنے باپ کے قاتل کو مار ڈالا اور اپنے گروہ میں آکر شامل ہو گیا۔ اس جگہ کو اب تک مخاضۃ العیسون کہتے ہیں۔ امیر نے خواہش کی کہ عیسون ہمارے لشکر میں شامل ہو جائے چناں چہ عیسون نے امیر کی خواہش کا احترام کیا اور سرقسطہ میں امیر کی طرف سے ان کے دشمنوں سے لڑتا رہا۔ جب اہلِ شہر محاصرے سے تنگ آ گئے تو حسین نے مجبور ہو کر صلح کی خواہش کی اور اپنے بیٹے کو بہ طورِ یرغمال پیش کیا جس کا نام سعید تھا۔ یہ بڑا دلاور جوان تھا۔ امیر نے اس کی استدعا قبول کی

اور واپس ہو گیا لیکن سعید امیر کے لشکر میں ایک روز سے زیادہ نہیں رہا اور کسی حیلے سے شہر بلیارش میں جا پہنچا۔

امیر نے یہاں سے آگے بڑھ کر بنبلونہ اور قلنیرہ کو فتح کیا۔ پھر لشکنش اور ملک شرناطیس پر حملہ کیا۔ وہاں سے ابن بلسکوط کے پاس آئے۔ اس کے لڑکے کو بطور یرغمال ساتھ لیا اور باشندوں کو جزیہ دینے پر مجبور کر کے صلح کر لی۔ ہنوز امیر کو عیسون کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس لیے عیسون کو قید کر دیا۔

حفص ابن میمون کے بھائی وہب اللہ نے اپنے بھائی کے واقعۂ قتل پر کہا تھا کہ اگر قریش اس حادثے پر ہماری مدد کے لیے جوش میں نہ آئے تو کیا ہی قسم ہے خدا کی ستر ہزار تلواریں ہماری امداد کے لیے اٹھیں گی۔ چناں چہ امیر نے وہب اللہ کو قید کر دیا۔ جب امیر قرطبہ واپس ہوئے تو ایک دن رصافہ میں بالاخانے پر بیٹھے بیٹھے وہب اللہ کو بلا کر قتل کرا دیا۔ اس کے بعد عیسون کو بلوایا۔ عیسون نے لوگوں سے کہا کہ میں امیر کے مفید مطلب کا ایک مشورہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا کہ امیر کے پاس کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ تب اس نے اپنے پاس کی ایک چھری سے جو اس نے امیر کے قتل کے لیے چھپا رکھی تھی اس آدمی پر حملہ کر دیا جس سے یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ آدمی زخمی ہو کر وہیں مر گیا۔ عیسون رات بھر اندھیرے میں اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ اس کے تمام ساتھی اس سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ اسی اثنا میں حمام کا داروغہ یوسف جس کے پاس جلانے کی لکڑی تھی آ پہنچا اور اس نے وہی لکڑی عیسون کے سر پر مار کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس واقعے کے بعد امیر کے حکم سے عیسون اور وہب کی لاشیں

رصافہ سے قرطبہ تک گھسیٹی گئیں پھر ان لاشوں کو قصرِ شاہی کے نیچے سولیوں پر چڑھا دیا گیا۔

سعید ابن حسین جو پہلے امیر کے ساتھ تھا بھاگنے کے بعد لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس لیے امیر کو جنگ کے لیے پھر سرقسطہ جانا پڑا۔ وہاں پہنچ کر امیر نے شہر کے چاروں طرف چھتیس منجنیقیں نصب کر دیں اہلِ شہر اس محاصرے سے سخت تنگ ہوئے اور انھوں نے سعید ابن حسین کو پکڑ کر امیر کے حوالے کر دیا۔ امیر نے سعید بن حسین اور برانس کے ایک باشندے رزق کے سوا کسی کو قتل نہیں کیا۔ رزق کے ہاتھ پانو کٹوا دیے، اسی میں اس کی جان گئی۔

بعد ازاں امیر پھر قرطبہ واپس ہوا اور رصافہ میں مقیم ہوا۔ اب امیر کے بھانجے مغیرہ ابن ولید نے امیر پر حملے پر ارادہ کیا اور ہذیل ابنِ صمیل ابنِ حاتم نے اس کی اعانت کی۔ علا ابنِ عبدالحمید القشیری نے امیر کو اس حال سے خبردار کیا۔ امیر نے فوراً مغیرہ اور ہذیل کے پاس اپنے آدمی بھیج کر حالات کی تحقیق کی۔ ان لوگوں نے اپنی خطا کا اقرار کیا۔ امیر نے انھیں قتل کر دیا اور پھر رصافہ سے قصر میں منتقل ہو گئے۔

ابوالاسود محمد ابنِ یوسف نے اہلِ مشرق کی مدد سے امیر کے خلاف بغاوت کی اور شہر قسطلونہ جا پہنچا۔ امیر بھی اس کے مقابلے کے لیے بڑھے۔ یہ جنگ چند روز جاری رہی مگر نتیجے میں محمد ابن یوسف کو شکستِ فاش ہوئی اور اس کی جماعت پراگندہ ہو گئی۔ اس جنگ میں محمد ابنِ یوسف کے چار ہزار آدمی کام آئے۔ محمد قوریہ کی

طرف نکل گیا۔ امیر نے اس کا تعاقب کیا مگر وہ نہیں ملا اور جنگلوں میں روپوش ہوگیا۔ آخر کار امیر نے اس کے اہل وعیال کو گرفتار کر لیا اور اس کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا اور اس کے زیرِ اثر شہروں کو تباہ کرتے ہوئے قرطبہ واپس آگئے۔ یہ ان کی آخری جنگ تھی۔ اس کے بعد امیر نے تینتیس سال تین ماہ حکومت کر کے انتقال کیا۔ خدا ان پر رحم فرمائے۔

امیر کے بعض اور حالات

ایک مرتبہ کسی قریشی نے جو امیر عبدالرحمٰن الداخل کے ہاں مہمان ٹھیرا ہوا تھا اپنے وظیفے کے اضافے کی درخواست اور موجودہ وظیفے کے کم ہونے کی شکایت کی تھی۔ نیز امیر کے ساتھ اپنی قرابت بہ طورِ حجّت پیش کی تھی۔ اس کے جواب میں امیر نے یہ اشعار لکھے:

شَتَّانَ مَنْ قَامَ ذَا اِمْتِعَاضٍ مُنْتَضِيَ الشَّفْرَتَيْنِ نَصْلاً

(دوسرے لوگوں میں اور اس شخص میں فرق ہے جو جوش اور غضب کے عالم میں دو دھاری تلوار کھینچ کر کھڑا ہوگیا)

فَجَابَ قَفْراً وَشَقَّ بَحْراً مُسَامِياً لُجَّةً وَمَحْلاً

(بحر و بر سے گزرتا ہوا، موجوں سے ٹکراتا ہوا اور غبار سے مقابلہ کرتا ہوا چلا گیا)

فَبَنَّرَ مُلْكاً وَشَادَ عِزّاً وَمِنْبَراً لِلْخِطَابِ وَفَصْلاً

(اس نے سلطنت قائم اور دوامی عزت حاصل کی اور خطبہ دینے کے لیے ایک منبر بہم پہنچایا)

وَجَنَّدَ الْجُنُدَ حِيْنَ اَوْدٰى وَمَصَّرَ الْمِصْرَ حِيْنَ اَخْلٰى

(اس نے ایسے وقت لشکر جمع کیے جب وہ تباہ ہو چکے تھے شہروں کو اس وقت بسایا جب وہ ویران ہو چکے تھے)

ثُمَّ دَعَا اَهْلَهٗ جَمِيْعًا حَيْثُ اَنْتَوَوْا اَنْ هَلُمَّ اَهْلًا

(پھر اس نے اپنے تمام خاندان کو مختلف مقامات سے بلوایا جب کہ وہ در بہ در پھر رہے تھے)

فَجَاءَ هٰذَا طَرِيْدُ جُوْعٍ شَرِيْدُ سَيْفٍ اَبِيْدَ قَتْلًا

(اس حالت میں یہ بھوک کا مارا ہوا، تلوار اور قتل سے ڈرا ہوا شخص یہاں آیا)

فَنَالَ اَمْنًا وَنَالَ شَبْعًا وَنَالَ مَالًا وَنَالَ اَهْلًا

(اور اس نے امن، فراخیٔ معاش اور دولت و خاندان سب کو پالیا)

اَلَمْ يَكُنْ حَقُّ ذَا عَلٰى ذَا اَعْظَمَ مِنْ مُنْعِمٍ وَمَوْلٰى

(کیا ایسے شخص کا حق خاندان پر ایک منعم و آقا سے زیادہ نہ ہوگا)

ایک دفعہ امیر سرحد کے قریب کسی لڑائی میں مصروف تھے۔ اس کے لشکر کے اطراف میں کچھ کلنگ آگئے۔ ایک شخص نے جو امیر کے شوقِ شکار سے واقف تھا خبر دی اور امیر کو شکار کے لیے آمادہ کرنا چاہا۔ امیر نے کچھ دیر تامل کیا اور یہ اشعار پڑھے:۔

دَعْنِيْ وَصَيْدَ وُقَّعِ الْغَرَانِقِ فَاِنَّ هَمِّيْ فِيْ اصْطِيَادِ الْمَارِقِ

(مجھے قازوں کے شکار سے معاف رکھو کیوں کہ مجھے تو سرکشوں کے شکار کی فکر ہے)

فِيْ نَفَقٍ اِنْ كَانَ اَوْ فِيْ حَالِقِ اِذَا الْتَظَتْ هَوَاجِرُ الطَّرَائِقِ

(یہ سرکش سرنگوں میں ہوں یا پہاڑوں میں جس وقت راستوں سے شدتِ گرما کی وجہ سے آگ کی لپٹیں نکل رہی ہوں اس وقت)

كَانَ لِقَائِيْ ظِلُّ بَيْتٍ خَافِقٍ بِالْقَفْرِ وَالْاِيْطَانِ فِي السُّرَادِقِ

لہراتے ہوئے جھنڈے کا سایہ میری چادر ہوتا ہے۔ جنگلوں اور خیموں میں زندگی بسر کرنے کی وجہ سے)

غَنِیْتُ عَنْ رَوْضٍ وَقَصْرٍ شَاهِقٍ　　　　فَقُلْ لِمَنْ نَامَ عَلَى النَّمَارِقِ

(میں باغوں اور بلند محلوں سے بے نیاز ہوگیا ہوں۔ غالیچوں پر سونے والوں سے کہہ دے کہ

إِنَّ الْعُلَا شُدَّتْ بِهَمٍّ طَارِقٍ

ہمت شب بیدار لوگوں کے لیے مخصوص ہے

فَارْكَبْ إِلَيْهَا ثَبَجَ الْمَضَائِقِ　　　　أَوْلَا فَأَنْتَ أَرْذَلُ الْخَلَائِقِ

(اس لیے تنگیوں اور دشواریوں کا بے خطر مقابلہ کرو۔ ورنہ خلائق میں سب سے زیادہ ذلیل ہو جاؤ گے)

ایک روز عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے اپنے مصاحبوں سے پوچھا کہ قریش کا شہ باز کون ہے؟ لوگوں نے کہا "امیر المومنین" ہی ہیں کہ تمام ملک کو مطیع و منقاد کرلیا، فسادات کا سدِّ باب کر دیا، تمام شکایتوں کو دُور کر دیا اور اب ملک میں امن و امان ہے"۔ کہا "نہیں" تم نے کچھ ٹھیک جواب نہیں دیا۔ پھر لوگوں نے کہا "معاویہ"۔ جواب دیا "وہ بھی نہیں"۔ پھر لوگوں نے کہا "عبدالملک ابن مروان" کہا "نہیں" آخر لوگوں نے خود ابوجعفر سے دریافت کیا کہ وہ کون ہے تو ابوجعفر نے کہا "وہ عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ ہے جو اپنی چالاکی سے بھالوں اور تلواروں سے نجات پاکر تنہا جنگل اور سمندر کو عبور کرتا ہوا ایک اجنبی ملک میں پہنچا۔ شہر آباد کیے، لشکر جمع کیے اور وہ سلطنت جو اس کے خاندان سے بالکل جاتی رہی تھی حُسنِ تدابیر اور عزمِ راسخ کی بدولت پھر قائم کرلی۔

معاویہ ابن ابی سفیان تو اس گھوڑے پر سوار ہوئے جسے حضرات عمرو عثمان (رضی اللہ عنہم) نے تیار کیا تھا اور معاویہ کے لیے آسانیاں مہیا کر دی تھیں۔ عبدالملک ابنِ مروان اپنی سابقہ بیعت کی وجہ سے کامیاب ہوا اور میں اپنے قبیلے اور طرف داروں کی بدولت فائزالمرام ہوا مگر عبدالرحمٰن ابنِ معاویہ تنہا تھا صرف اس کی رائے اس کی موئید اور اس کا ارادہ اور اس کا رفیق تھا"۔

جب امیر نے سرقسطہ پر حملہ کیا تو ابنِ اعرابی مدافعت کے لیے نکلا دونوں میں سخت جنگ ہوئی آخر کار امیر غالب ہوئے۔ اس جنگ میں امیر اپنے لشکروں کی دیکھ بھال کرتے اور اپنی سپاہ کا معائنہ کر رہے تھے۔ ایک سوار کو جس نے جنگ میں نہایت بہادری و ہنرمندی دکھائی تھی اپنے گھوڑے سے اترتے دیکھا وہ شخص یہ شعر پڑھ رہا تھا:۔

لَمْ يُطِيقُوْا اَنْ يَنْزِلُوْا وَ نَزَلْنَا   وَ اَخُوْ الْحَرْبِ مَنْ اَطَاقَ النُّزُوْلَا

(ہم میدان میں اُتر آئے مگر ان میں اتنی طاقت نہیں تھی۔ جنگ جُو تو وہی ہے جو میدان میں مقابلے پر آسکتا ہو)

امیر نے اپنے خادم سے کہا کہ "جاؤ اور اس شخص کا حال معلوم کرو۔ اگر شرفا سے ہو تو ایک ہزار دینار اور معمولی آدمی ہو تو پانچ سو دینار دے دو" جب خادم اس کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ قعقع ابن زنیم ربیعہ کا عرب ہے۔ خادم نے ایک ہزار اشرفیاں اس کو دے دیں۔ پھر امیر نے اس شخص کو اردن کے لشکر کا قاضی بنا دیا۔ جب اس کی مالی حالت درست ہو گئی تو اس نے امیر سے بغاوت کی۔ لیکن امیر نے اس پر غالب آکر معاف کر دیا تاکہ پہلا احسان ضائع نہ ہو اور اسے پھر قاضی مقرر کر دیا۔

امیر ہشام ابن عبدالرحمٰن الداخل

ہشام ابنِ عبدالرحمٰن نہایت نیک، فاضل، فیاض اور کریم النفس امیر تھا۔ رعیت کے ساتھ اس کا سلوک اچھا تھا۔ ملک کی حدود اس کے عہد میں نہایت محفوظ رہیں۔ اس کے عہد کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ کفار میں سے کسی شخص نے وصیت کی تھی کہ مسلمانوں کے قبضے میں جو چند قیدی ہیں ان کو مال کے ذریعے سے رہائی دلائی جائے۔ چناں چہ بے حد کوشش کی گئی مگر سرحدوں کے سخت انتظام و نگرانی اور مسلمانوں کی قوت اور مشرکین کے ضعف کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی۔

ہشام کا دستور تھا کہ جب اس کے لشکر کا کوئی سپاہی چھاؤنی یا سرحد پر مارا جاتا تو اس سپاہی کی جگہ اس کے بیٹے کا نام دفترِ وظائف میں درج کرا دیتا۔ جب ہشام کی تعریف حضرت مالک ابن انس رحمۃ اللہ علیہ سے کی گئی اور ان کو اس کے فضائل کا علم ہوا تو انھوں نے آرزو کی کہ "اللہ تعالیٰ اس کو حج کی توفیق عطا کرے"

یہ روایت فقیہ ابن ابی ہند کی ہے جو حضرت مالک سے ملے تھے اور ان کے شاگرد بھی تھے۔ انھوں نے حضرت مالک سے حدیث کی سند لی تھی اور ان سے روایت کرتے تھے۔

ہشام کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ الہواری نے اس سے ایک مال دار آدمی کے مرنے کا ذکر کر کے کہا کہ وہ بہت مقروض اور اس کی جائداد غیر منقولہ مکفول ہے۔ پھر اسی قسم کی اور باتیں کر کے امیر کو اس جائداد کی خریداری پر راغب کیا اور کہا کہ وہ جائداد عنقریب فروخت ہو جائے گی۔ امیر نے

کہاکہ "مَیں تو ایسا کام کروں گا جو مجھ کو اس جائداد سے بے نیاز کر دے گا اور اگر مَیں نے وہ کام نہ کیا تو جائداد بے کار سی چیز ہی۔ میرے نزدیک اس جائداد کو خریدنے سے بہتر یہ ہی کہ مَیں کسی شخص کے ساتھ احسان کروں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ آپ اس جائداد کو منفک کرا کے مجھ پر احسان کیجیے۔ چناں چہ امیر نے اس شخص کو اس جائداد کی قیمت عطا کر دی۔

ہشام کا معمول تھا کہ وہ اشرفیوں کے توڑے بار کرا کے اکثر تاریک اور برسات کی راتوں میں مساجد میں بھیجا کرتا تھا تاکہ وہاں تقسیم کر دی جائیں۔ اس طرزِ عمل سے اس کا منشا یہ تھا کہ مسجدیں آباد رہیں۔

امیر ہشام اپنے عمّال اور اہل کاروں کے ظلم و استبداد کے خلاف نہایت سخت گیری کرتا تھا۔ ایک دفعہ ہشام کے موکب میں ایک شخص آ گیا جس پر اس کے کسی حاکم نے ظلم کیا تھا۔ شور و غل کی وجہ سے اس کی فریاد امیر تک نہ پہنچ سکی۔ اس موکب میں اس حاکم کا ایک دوست بھی تھا۔ وہ شخص اس مظلوم کے پاس آیا اور اس کو اپنے خیمے میں لے گیا۔ وہاں اس سے وعدہ کیا کہ مَیں تمھارے معاملے میں انصاف کروں گا۔ ادھر حاکم کو اطلاع دے دی۔ حاکم فوراً اس مظلوم سے لطف و مہربانی سے پیش آیا اور اس کی استمالت کی یہاں تک کہ اس کو دوبارہ اپنے سے خوش کر لیا۔ کچھ عرصے بعد ہشام کو بھی اطلاع ہو گئی کہ اس طرح ایک فریادی آیا تھا اور بے نیلِ مرام واپس چلا گیا۔ ہشام کو یہ بات بہت گراں گزری۔ جب اس سے یہ کہا گیا کہ اس کے نقصان کی تلافی کر دی گئی ہی۔ تو اس نے یہ جواب دیا کہ "جب تک ظالم کو

اس کے ظلم کی سزا نہ دی جائے۔ یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ مظلوم کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے۔" پھر مظلوم کو تلاش کرا کے بلایا اور کہا کہ "حدود اللہ کے سوا جو کچھ تجھے نقصان پہنچا ہے اس کو حلف سے بیان کر" وہ شخص قسمیہ بیان کرتا جاتا تھا اور امیر کی طرف سے اس کا معاوضہ ملتا جاتا تھا۔ ہشام کی اس سختی کا اثر عمّال پر تلوار اور کوڑے سے زیادہ ہوا۔ اسی طرح ایک قِصّہ اس کے فرماں روا ہونے سے پہلے کا ہے کہ وہ ایک دن دوپہر کے وقت اپنے بالا خانے میں جو لب دریا تھا۔ بیٹھا ہوا نواحِ شہر کا منظر دیکھ رہا تھا کہ اس نے بنی کنانہ کے ایک شخص کو جو ہشام ہی کا پروردۂ نعمت تھا۔ جیان کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ یہ شخص وہیں کا رہنے والا تھا۔ ہشام کا بھائی ضلع جیان کا والی تھا۔ ہشام نے اسے چلچلاتی دھوپ میں تیزی سے آتے ہوئے دیکھا تو اپنے خدمت گار کو بُلا کر حکم دیا کہ حاجب سے کہہ دو کہ جب یہ شخص آئے تو فوراً اسے ساتھ لے کر ہمارے پاس حاضر ہو۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ابو ایوب نے تکلیف دی ہے جو ایسے وقت میرے پاس آ رہا ہے" کنانی جب آیا تو فوراً ہشام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس وقت ہشام کے پاس اس کی ایک کنیز بیٹھی ہوئی تھی۔ کنانی آیا تو کنیز کو پردے میں کر دیا گیا۔ ہشام نے کنانی سے پوچھا "کیا حال ہے؟ میں سمجھتا ہوں کوئی اہم بات ہے" کنانی نے کہا "جی ہاں ایک کنانی نے کسی شخص کو غلطی سے قتل کر ڈالا۔ مقتول کی دِیت کنبے پر عائد کی گئی۔ چناں چہ تمام بنو کنانہ ماخوذ ہوئے۔ مجھ پر خصوصیت کے ساتھ ظلم ہوا ہے" چوں کہ ابو ایوب جانتا ہے کہ مجھے آپ کے حضور

میں کتنی خصوصیت ہے اس لیے وہ میری فکر میں ہے۔ مجبور ہو کر آپ کے پاس فریاد لے کر آیا ہوں"۔ ہشام نے کہا کہ مطمئن رہو، ہشام تیری اور تیری قوم کی طرف سے دیت ادا کر دے گا۔ پھر پردے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اپنی کنیز کا گلوبند اُتار کر اس کنانی کو دے دیا جس کی قیمت تین ہزار دینار تھی اور اس سے کہا کہ "اس کو فروخت کر کے اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے رقم دیت ادا کر دے اگر کچھ باقی بچ جائے تو اپنے کام میں لا"۔ کنانی نے کہا کہ "میں دولت حاصل کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں نہ مجھے دیت کے لیے اس کی حاجت ہے میں تو اس ظلم کے خلاف صرف آپ سے مدد مانگنے آیا ہوں جو مجھ پر روا رکھا گیا ہے اور یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس معاملے میں میرے ساتھ عنایت و توجہ سے پیش آئیں"۔ ہشام نے کہا اس کی کیا صورت ہوگی۔ اس نے کہا صرف یہ کہ امیر، ابو ایوب کو لکھ دیں کہ "اس معاملے میں فلاں کنانی سے جتنی دیت ناواجب وصول کی جا رہی ہے، نہ وصول کی جائے بلکہ جتنی تمام قبیلے والوں سے لی گئی ہے اتنی ہی از روئے انصاف اس سے بھی لی جائے"۔ ہشام نے کہا اچھا تو اس زیور کو اپنے ہی پاس رہنے دے۔ میں ابھی انتظام کیے دیتا ہوں اور اسی وقت سوار ہو کر اپنے باپ امیر عبدالرحمٰن کی خدمت میں گیا جو اس وقت رصافہ میں تھے۔ امیر عبدالرحمٰن کو اطلاع ہوئی تو کہا کوئی ایسی ہی غیر معمولی بات ہے جو ہشام اس وقت آیا ہے۔ پھر ہشام کو بُلایا تو وہ سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا "بیٹھو" ہشام نے جواب دیا کہ "اللہ امیر کے اقبال میں برکت دے جو رنج و اذیت مجھے پہنچی ہے اس کے ہوتے ہوئے

کیسے بیٹھوں" پھر امیر سے سب قصہ بیان کر کے استدعا کی کہ میری آرزو پوری کی جائے" امیر نے کہا بیٹھو تمھاری خواہش پوری کی جائے گی اور جو مانگتے ہو ملے گا۔ پھر ہشام سے پوچھا کیا چاہتے ہو۔ کہا "یہی کہ اس کو لکھ دیا جائے کہ اس شخص سے ہاتھ روک لے اور اس سے ناواجب مطالبہ نہ کرے"۔ امیر نے کہا اگر کوئی صورت اس سے بہتر ہو تو کیسا ہے؟ جب تمھاری عنایت اس کنانی پر اتنی ہے تو بیت المال سے دیت ادا کر دی جائے تاکہ تمام بنی کنانہ سے اس کا بار اُٹھ جائے۔" ہشام نے اسے منظور کر لیا اور امیر کا بہت شکریہ ادا کیا۔ امیر نے بیت المال سے دیت ادا کرنے کا حکم دے کر ابو ایوب کو لکھ دیا کہ اب کنانی اور اس کے خاندان سے کوئی تعرض نہ کرے۔

اس انتظام کے بعد جب وہ کنانی ہشام سے رُخصت ہونے آیا تو ہشام سے کہا "میرے آقا! مجھے اپنی آرزو سے زیادہ کامیابی ہوئی اور میرے خیال سے زیادہ حضور نے مجھے مدد دی۔ اب اللہ نے مجھے اس ہار کی طرف سے بھی مستغنی کر دیا ہے۔ یہ حاضر ہے کیوں کہ میں نہیں چاہتا کہ ادھر بیت المال سے دِلوا کر بنی کنانہ کے لیے وجہِ برکت بنوں۔ ادھر ایک کنیز کا زیور چھینوا کر اس کے حق میں منحوس ثابت ہوں" ہشام نے جواب دیا کہ "اے کنانی جو چیزیں دے چکا ہوں واپس نہیں لے سکتا، اسے تو ہی لے لے کنیز کو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر دے گا۔"

امیر الحکم بن ہشام

امیر الحکم ابنِ ہشام بڑا بہادر، محتاط اور فتح مند بادشاہ تھا۔ اس نے

تمام فتنے فرو کر کے شجرِ نفاق کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکا اور اطراف و نواح کے کفار کو ذلیل کیا۔ اس میں یہ وصف بہت نمایاں تھا کہ اپنی اس شجاعت و عزتِ نفس کے باوجود نہایت درجے حق پسند تھا۔ خود بھی انصاف کے آگے گردن جھکا دیا کرتا تھا۔ اولاد اور مقربین کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ امورِ سلطنت پر نیک سے نیک اور منصف مزاج سے منصف مزاج لوگوں کو مقرر کرتا تھا۔ اس کے عہد میں جو بزرگ قضا کے عہدے پر مامور تھے انھوں نے اپنے زُہد و ورع اور کمالِ قابلیت سے الحکم کو رعایا کی طرف سے بہت مطمئن کر رکھا تھا۔ ذیل میں وہ واقعہ درج کیا جاتا ہے جس سے الحکم کے دل پر ان قاضی صاحب کی دیانت و قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا تھا۔

ضلع جیان کے رہنے والے ایک شخص کی ایک کنیز کسی حاکم نے غصب کر لی تھی جب وہ حاکم معزول ہوا تو اس نے یہ تدبیر کی کہ اس کنیز کو الحکم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ادھر اس شخص نے جب قاضی صاحب کے فیصلے سنے اور پھر سُنا کہ وہ الحکم اور اس کے مُقربین تک سے رعیّت کے حقوق دلواتے ہیں تو وہ قاضی صاحب کے پاس آیا اور اپنا سارا حال سنایا۔ قاضی صاحب نے گواہ طلب کیے۔ گواہ نے اس شخص کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ میں اس کنیز کو پہچانتا بھی ہوں چناں چہ بہ رُوئے شریعت واجب ہوا کہ کنیز کو بھی حاضر کیا جائے۔ قاضی نے صاف لفظوں میں کہا کہ جب تک خواص قانون کے پابند نہ ہوں عوام کے ساتھ عدل ممکن نہیں ہے پھر امیر سے کنیز کی حکایت بیان کی اور امیر کو اختیار دیا کہ خواہ کنیز کو عدالت میں شریعت کے مطابق بھیجیں یا ان

کو قضات سے معزول کر دیں،" امیر الحکم نے کہا کہ "اس کے علاوہ ایک تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مستغیث جس قدر قیمت طلب کرے ادا کر دی جائے۔" قاضی نے کہا اس میں یہ خرابی ہے کہ گواہوں کو جو اس قدر دور دراز سے حق کی ضمانت میں شہادت دینے آئے ہیں، آپ ان کو بغیر انصاف کیے آستانے سے واپس بھیج رہے ہیں۔ بہت ممکن ہے کوئی اعتراض کرے کہ جب تک مغیث کنیز پر قبضہ نہ پالے بیع کامل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا امیر کو اس باب میں ان دو باتوں کے سوا کوئی اختیار نہیں ہے۔ یا لونڈی کو عدالت میں بھیجیں یا پھر جس کو چاہیں قضات تفویض فرما دیں۔

امیر نے جب اس معاملے میں قاضی صاحب کو بہت مستقل پایا تو کنیز کو عدالت میں بھیجنا گوارا کر لیا۔ اگرچہ یہ بات اسے بہت ہی شاق گزری کیوں کہ وہ اس کنیز پر فریفتہ تھا۔ غرض گواہوں نے بعدِ شناخت گواہی دی کہ یہ کنیز مستغیث ہی کی ہے۔ قاضی نے مستغیث کے حق میں فیصلہ صادر کیا اور ہدایت کی مستغیث اگر لونڈی کو فروخت کرنا چاہے تو اپنے شہر میں لے جا کر فروخت کرے تاکہ رعایا کو حقوق طلبی میں کافی قوت حاصل ہو اور وہ بے خوف و خطر امیر و غریب کے مقابلے میں انصاف کی طالب ہو سکے۔

جب ان قاضی صاحب کا انتقال ہوا تو الحکم کو سخت ملال ہوا اور وہ بہت پریشان ہو گیا۔ الحکم کی ایک کنیز نے اس موقع کی ایک عجیب حکایت بیان کی جو یہاں درج کی جاتی ہے۔

جس رات الحکم کو قاضی صاحب کے انتقال کا علم ہوا اس رات

کو یہی کنیز جو اس واقعے کی راوی ہے امیر کے پاس سو رہی تھی۔ درمیانِ شب میں جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے الحکم کو اس کے بستر پر نہیں پایا۔ تلاش کیا تو الحکم قصر کے ایک حصّے میں نماز میں مصروف نظر آیا۔ یہ انتظار میں اس کے پاس بیٹھ گئی۔ ہنوز وہ سجدے ہی میں تھا کہ یہ وہیں پڑ کے سو گئی۔ پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو الحکم کو بہ دستور سجدے میں پایا۔ کچھ دیر انتظار کرکے پھر سو گئی۔ صبح کے وقت الحکم نے خود اسے اُٹھایا تو اس نے پوچھا کہ "اس قلق و اضطراب کی کیا وجہ تھی جو آپ رات بستر سے علیحدہ رہے"۔ الحکم نے کہا مجھ پر سخت مصیبت پڑی ہے۔ قاضی صاحب جن کو میں نے رعایا کے معاملات اور انصاف پر مقرر کیا تھا، انتقال کر گئے ہیں۔ مجھے ان کی قابلیت، دیانت داری اور زُہد پر پورا بھروسا تھا۔ انھوں نے مجھے بڑی حد تک رعایا کی طرف سے مطمئن کر رکھا تھا۔ اب مجھے خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے ان کا سا جانشین نہ ملے۔ اس لیے خدائے تعالیٰ سے دُعا کر رہا تھا کہ وہ مجھے مرحوم کے سے جامع اوصاف قاضی کے مقرر کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ مجھے مطمئن کر سکے اور منصفانہ فیصلے کرتا رہے۔

جب صبح ہوئی تو الحکم نے وزرا کو طلب کیا اور انتخابِ قاضی کے لیے مشورہ کیا۔ مالک ابنِ عبداللہ قرشی نے محمد ابنِ بشیر کی رائے دی جو باجہ میں مالک کے کاتب رہ چکے تھے اور کہا کہ مجھے ان کی قابلیت اور زُہد پر پورا اعتماد ہے۔ امیر کے دل میں بھی یہ بات جم گئی اور اس نے محمد ابن بشیر ہی کو قاضی صاحب مرحوم کا جانشین بنایا۔ محمد ابن بشیر اپنی قابلیت، اتقا اور انصاف میں اپنے پیش رو

سے بھی سبقت لے گئے۔ لیکن جس طرح پہلے وہ نفیس کپڑے پہنا کرتے تھے قاضی ہونے پر بھی اسی طرح پہنتے رہے۔ ان کا دستور تھا کہ گھر سے گلابی رنگ کی ازار پہنتے، بالوں میں مانگ نکالتے ہوئے مسجد میں آتے اس سے قطع نظر فضیلت، زہد و تقویٰ میں سب سے بڑھ کر تھے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک شخص کہیں باہر سے قاضی صاحب کو تلاش کرتا ہوا جامع مسجد میں آیا۔ قاضی صاحب اسی ہیئت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس شخص نے ایک حلقے میں آکر قاضی صاحب کو دریافت کیا۔ لوگوں نے اس جلسے کی طرف اشارہ کر دیا جس میں قاضی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس جلسے میں گیا اور واپس آکر انھی لوگوں سے کہنے لگا "خدا تم لوگوں پر رحم کرے۔ میں نے تم کو بھلا آدمی جان کر تم سے دریافت کیا تھا تم مجھ سے مذاق کرتے ہو اور ایک مطرب کو قاضی بنا کر مجھے دھوکا دیتے ہو۔" ان لوگوں نے جواب دیا "خدا کی قسم ہم تمھیں دھوکا نہیں دیتے، قاضی وُہی ہیں اور تم کو جن خوبیوں کی تلاش ہے وہ سب انھی میں ملیں گی۔ وہ شخص پھر قاضی کے پاس گیا تو انھوں نے اس کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اس کے معاملات میں گفتگو کی وہ بہت مسرور ہوا اور خوش خوش واپس ہوا۔ پھر ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور کہا "میں نے قاضی صاحب میں اپنے گمان سے زیادہ صفات پائیں۔"

عباس ابنِ عبداللہ ابنِ مروان القرشی امیر کے خاص درباریوں میں تھا جو تقرب اور خصوصیت اس کو حاصل تھی کسی دوسرے کو میسر نہ تھی۔ ایک شخص نے اس کے خلاف ایک جائدادِ غیر منقولہ کا مقدمہ

قاضی محمد ابن بشیر کی عدالت میں دائر کیا جب عباس قرشی کو معلوم ہوا کہ قاضی صاحب نے اس کے خلاف فیصلہ کیا ہے تو الحکم کے پاس آیا اور شکایت کی اور برا بھلا کہہ کر قاضی صاحب کے معزول کرنے کو کہا۔ اس سلسلے میں قاضی صاحب کی اور بھی شکایتیں کیں۔ الحکم نے کہا کہ "اگر تو سچا ہے تو قاضی صاحب کے گھر جا کر ان سے خارج اوقاتِ عدالت میں اگر وہ تجھے تنہا اپنے پاس آنے دیں تو بے شک ہم تجھے سچا جانیں گے اور انھیں موقوف کر دیں گے۔"

قرشی اس قرار داد کے موافق قاضی صاحب کے گھر گیا۔ امیر نے چند جاسوس مقرر کر دیے کہ وہ خبر لائیں کہ قاضی صاحب نے قرشی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ قرشی اس شان کے ساتھ قاضی صاحب کے گھر گیا کہ اس کے ہم راہیوں کی کثرت سے لوگوں کو راستہ چلنا دشوار تھا۔ قرشی نے قاضی صاحب کے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک بڑھیا باہر نکلی۔ قرشی نے اپنا نام بتا کر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ قاضی صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے بڑھیا کو گھر کا اور کہا کہ اس سے کہہ دو کہ اگر کوئی حاجت ہے تو مسجد میں جہاں اہلِ مقدمہ بیٹھے ہوئے ہیں، ان میں بیٹھو اور میرے باہر آنے کا انتظار کرو۔ تمھارے اندر آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ قرشی نے اندر آنے کے لیے اصرار کیا مگر قاضی صاحب کے یہاں کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ جاسوس نے الحکم کو اس کی اطلاع دی۔ وہ اس خبر سے بہت خوش ہوا۔

لجدانیہ کی طرف کا ایک شخص امیر کی خدمت میں حاضر ہوا امیر نے اس سے سرحد کے حالات دریافت کیے اس نے دشمن کی ایک جنگ

کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ میں نے ایک عورت کو چلاتے اور آپ کی دُہائی دے کر یہ کہتے ہوئے سنا کہ "اے الحکم ہماری فریاد کو پہنچ، تو بے شک ہم سے غافل ہو گیا اور ہم کو دُشمنوں کی لوٹ مار کے لیے چھوڑ گیا ہے۔" یہ واقعہ سُنتے ہی الحکم غصّے میں بھر گیا اور اسی وقت تیار ہو کر لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا اور اس سرحد میں پہنچ کر دشمن پر حملہ کیا اور خدا کی مدد سے کامیاب ہوا۔ اس جنگ میں بہت سے قیدی اور قلعے اس کے قبضے میں آئے۔ واپسی میں الحکم نے اس شخص سے اس عورت کا پتا دریافت کیا جس کو اس نے دُہائی دیتے سُنا تھا۔ وہ اس کو اس عورت کے پاس لے گیا۔ جب الحکم اس عورت سے ملا تو چند قیدی اس کو دیے اور کہا کہ ان کو فدیے میں دے کر اپنے رشتے داروں کو قید سے چھڑا لے۔ پھر اسی کے سامنے باقی قیدیوں کی گردنیں ماردیں۔ اس سے پوچھا "کیوں الحکم تیری فریاد کو پہنچا یا غافل رہا" عورت نے کہا "بے شک فریاد کو پہنچا۔ اس نے ہماری مدد کی خدا ہمیشہ اس کا مددگار رہے"۔

ایک بار الحکم حائر میں اپنے خاص گھوڑوں پر چوگان کھیل رہا تھا۔ اتنے میں خبر آئی کہ جابر ابنِ لبید نے جیان کا محاصرہ کر لیا ہے الحکم کے پاس دو ہزار گھوڑے ہر وقت اصطبل میں جو زیرِ قصر نہر کے کنارے تھا، بندھے رہتے تھے۔ یہ اصطبل دو حصّوں میں تقسیم تھا اور ان پر دس دس رسالدار مقرّر تھے جن کی نگرانی میں سو سو گھوڑے ہوتے تھے۔ ان گھوڑوں کے دانے پانی کا انتظام انھی رسالداروں کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ اگر کوئی گھوڑا بیمار ہوتا تو یہ

لوگ فوراً اس کے بجائے دوسرا گھوڑا مہیا کرتے تاکہ فوری ضرورت کے وقت سب تیار ملیں۔ چناں چہ وقتِ ضرورت سب ایک ساتھ روانہ ہو جاتے تھے۔

جیان کے محاصرے کی خبر سُن کر الحکم نے ایک رسال دار کو بُلا کر چُپکے سے کہا کہ "فوراً جیان کی طرف ابنِ لبید کی مہم پر روانہ ہو جاؤ اور کسی کو اطلاع نہ کرو کہ کہاں جا رہے ہو"۔ یہ ہدایت کر کے پھر کھیل میں مصروف ہو گیا۔ ایک گھنٹے کے بعد دوسرے رسال دار کو بلایا اور اسے بھی یہی حکم دیا۔ غرض اسی طرح اس نے دسوں رسال داروں کو یکے بعد دیگرے روانہ کر دیا۔ ایک کو دوسرے کا مقصد نہ معلوم ہو سکا۔

دوسرے روز یہ سب رسال دار ترتیب کے ساتھ ابنِ لبید کے سامنے جیان پہنچتے رہے اور ان کی آمد سے رات تک فوج کا تانتا لگا رہا۔ جب دشمن نے یہ دیکھا تو اپنا تباہی کا یقین کر کے خیال کیا کہ سارا ملک میرے خلاف اُمنڈ آیا ہے اور ہیبت کے مارے بھاگ کھڑا ہوا۔ امیر کے سواروں نے دشمن کا مال و اسباب خوب لوٹا اور تیسرے ہی دن غنیم کے سرداروں کے سر لیے ہوئے مظفر و منصور واپس ہوئے۔ الحکم اس وقت حائر ہی میں اپنے خدام کے ہم راہ مقیم تھا اور کسی کو اس بات کی اطلاع نہ تھی۔ الحکم نے خود اس واقعے سے لوگوں کو مطلع کر دیا۔

الحکم کے متعلق یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ربض والوں نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اس کو معزول کرنا چاہا۔ یہ لوگ اس کے لشکر کی جان تھے۔ جب ان سے مقابلہ ہوا تو الحکم نے صبر و استقلال

سے کام لیا۔ جب لڑائی پوری شدت کے ساتھ ہو رہی تھی اس نے عطر و مشک منگا کر اپنی مانگ میں لگایا۔ اس کے خادم نے دریافت کیا کہ "آقائے ولی نعمت آج خوش بو کے استعمال کا کیا موقع ہے"! الحکم نے اس کو جھڑک کر کہا "آج میں نے عہد کیا ہے کہ یا دشمن پر فتح حاصل کروں گا یا مارا جاؤں گا۔ اس لیے میرا منشا ہے کہ لوگ اس خوش بو سے الحکم کے سر کو دوسرے سروں میں پہچان سکیں۔"

ایک بار ماردہ کے عامل نے الحکم کو لکھا کہ "یہاں کے بربری رعایا پر تاخت و تاراج کر رہے ہیں۔ ہمیں لڑائی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے"! الحکم کے لشکر کا ایک رسال دار بیان کرتا ہے کہ اس موقع پر الحکم نے مجھے طلب کیا۔ اس وقت تک مجھے عامل کی کسی تحریر کی اطلاع نہ تھی۔ نہ وہاں جنگ و فساد کا خیال تھا۔ میں حاضر ہوا تو الحکم محل سرا کے کسی صحن میں بیٹھے تھے مجھ سے فرمایا "کیا تمھارے ہم راہی سب تیار ہیں"! میں نے کہا "خدا امیر کے اقبال و دولت میں ترقی دے سب تیار ہیں"! فرمایا "تم فلاں شخص کو جانتے ہو"! میں نے عرض کیا "جانتا ہوں" فرمایا "جاؤ اس بربری سردار کا سر لے آؤ ورنہ اس کی جگہ تمھارا سر قلم ہوگا۔ حتی الامکان اتنی سختی سے لڑنا جتنی سختی تم سے ممکن ہو"! میں یہ حکم سن کر واپس ہونے لگا تو مجھے پھر بلایا اور کہا کہ "میں تمھارے انتظار میں یہیں بیٹھا ہوں"۔ میں الحکم کی اس تاکید و تخذیر پر بہت متعجب تھا۔ وہاں سے نکل کر فوراً روانہ ہوگیا۔ میں نے دشمن کو نہایت محفوظ پایا مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی کسی جنگ میں اس سے زیادہ صعوبت اٹھائی ہو۔ میں گھبرا کر پسپا ہی کا ارادہ

بھی کرتا تھا۔ مگر مجھے الحکم کے یہ الفاظ کہ "پھر تمھارا سر اس کی جگہ قلم ہوگا"
یاد آتے تو لڑنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آتا۔ آخر کو اللہ نے مجھے نصرت
عطا کی اور چوتھے دن میں دشمن کا سر لیے ہوئے الحکم کے حضور میں
پہنچا۔ میں نے اس کو اسی جگہ بیٹھے ہوئے دیکھا جس جگہ سے میں اس
سے رخصت ہوا تھا۔ الحکم کے خدام نے مجھ سے کہا کہ سوائے نماز اور وضو
وغیرہ ضروریات کے امیر اپنی جگہ سے نہیں ہلے"۔

واقعہ ربض کے بعد الحکم نے جو شعر کہے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

رَأَیْتُ صُدُوْعَ الْاَرْضِ بِالسَّیْفِ رَاقِعًا ۔۔۔ وَقِدْمًا لَامَتُ الشَّعْبَ مُذْ کُنْتُ یَافِعًا

(میں نے زمین کے شگافوں میں تلوار سے پیوند لگا دیا (فساد ات کی اصلاح
کر دی) میں تو لڑکپن ہی سے ایسی اصلاح میں مشغول ہوں۔)

فَسَائِلْ ثُغُوْرِیْ ھَلْ بِھَا الْیَوْمَ ثَغْرَۃٌ ۔۔۔ اُبَادِرُھَا مُسْتَنْضِیَ السَّیْفِ دَارِعًا

(میرے سرحد والوں سے پوچھو کہ ان کے یہاں کوئی خلل ہے جس کے
انتظام کے لیے میں زرہ پہنوں اور تلوار سونت کر سبقت کروں (یعنی
نہیں ہے)

وشافھہ مع الارض الفضا جماجما ۔۔۔ کاقحاف شریان الھبید لوامعا

(میدان جنگ کی وسیع زمین کھوپریاں سے گفتگو کرو جو ایسی چمکتی
ہیں جیسے حنظل کے شکستہ پھل)

تنبئک انی لم اکن فی قراعھم ۔۔۔ لوانٍ وقدماکنت بالسیف قارعا

(یہ کھوپریاں تمھیں آگاہ کر دیں گی کہ میں نے ان سے لڑنے میں ضعف
کا اظہار نہیں کیا۔ میں ہمیشہ سے شمشیر زنی میں مشہور رہوں)

وانی اذا حادوا اجزاعا من الردی ۔۔۔ فلم ال ذا حید من الموت جازعا

(اگرچہ وہ ہلاکت سے گھبرا کر میدان سے ہٹ گئے مگر ہیں نے موت کے خوف سے منھ نہیں موڑا)

حمیت ذماری فانتہبت ذمارہم   ومن لا یحامی ظل خزیان ضارعا

(اپنی آبرو کی حفاظت کی اور ان کی آبرو لے لی. جو اپنی آبرو نہیں بچاتا وہ ذلیل و رسوا ہوتا ہی)

ولما تساقینا سجال حروبنا   سقیتہم سما من الموت ناقعا

(ہم ایک دوسرے کو جام شہادت پلا رہے تھے کبھی ہمارا پلہ بھاری ہوتا کبھی دشمن کا بالآخر ہم نے انھیں موت کا زہر آب ہلاہل پلا ہی دیا.

وھل زدت ان وفیتہم صاع قرضہم   فوافوا منایا قدرت ومصارعا

(اگر ہیں نے ان کا قرض جو جو ادا کر دیا (یعنی بدلہ لے لیا) اور اس کے نتیجے میں انھیں موت اور شکست نصیب ہوئی تو اس میں میری کیا زیادتی ہی)

فھاک بلادی انّنی قد ترکتھا   مھادا ولم اترک علیہا منازعا

(دیکھ! میرے ان شہروں کو تو آکر دیکھو جنھیں میں نے پُرامن و آسایش اور ہر مفسد سے پاک کر دیا ہی)

عثمان ابن المثنیٰ ادیب کہتا ہی کہ عباس ابنِ ناصح امیر عبدالرحمٰن (ابن الحکم) کے زمانۂ حکومت میں قرطبہ آئے اور انھوں نے مجھ سے الحکم کے یہ شعر جو ربض کی شورش کے بعد کہے گئے تھے سُنے جب میں اس شعر پر پہنچا۔

وھل زدت ان وفیتہم صاع قرضہم   فوافوا منایا قدرت ومصارعا

تو مجھ سے کہا "اگر الحکم اہلِ ربض کے ساتھ سخت دشمنی کا برتاؤ بھی کرتا

تو اس کے لیے یہ شعر ایک معقول عذر تھا"

الحکم کے پاس پانچ لونڈیاں تھیں جن کا عشق اس پر غالب آگیا تھا۔ ان لونڈیوں نے اس پر اتنا قابو پالیا تھا کہ الحکم دوسری بیویوں اور عورتوں سے بے تعلق سا ہو گیا۔ ایک دن الحکم نے دوسری عورتوں کے پاس جانا چاہا تو ان لونڈیوں نے اس بات کو ناپسند کیا اور اٹھ کر امیر کے پاس سے جانے لگیں۔ امیر نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا اور ان کی رضا جوئی کے لیے یہ اشعار پڑھے:۔

قضب من البان ماست فوق کثبان   ولین عنی وقد ازمعن هجرانی

(چند نازنینیں جو نازکیٔ اندام اور گدازیٔ سرین کی وجہ سے ریگ تودوں پر درخت بان کی جھومتی ہوئی ٹہنیوں سے مشابہ ہیں مجھ سے خفا ہو کر چلی ہیں اور مجھ سے جدائی کی ٹھان لی ہے)

ناشدتھن بحقی فاعتزمن علی   العصیان لما خلا منھن عصیان

(انھوں نے میری نافرمانی کی تو میں نے اپنا حق جتا کر بلایا مگر ان کا ارادہ مضبوط تھا)

ملکننی ملکا ذلت عزائمه   للحب ذل اسیر موثق عانی

(وہ مجھ ایسے بادشاہ کی مالک بن بیٹھی ہیں جس کے حوصلے محبت سے ایسے پست ہو گئے ہیں جیسے کسی قید میں جکڑے ہوئے قیدی کے ہو جاتے ہیں)

من لی بمغتصبات الروح من بدنی   یغصبنني فی الهوی عزی وسلطانی

(ایسی دل رُباؤں سے مجھے کون بچا سکتا ہے جو میرے بدن سے رُوح کو زبردستی چھینے لیتی ہیں اور عشق کے زور سے میری عزت و سلطنت کو

غضب کر رہی ہیں)

انھی کنیزوں کے متعلق یہ اشعار بھی ہیں:-

ظل من فرط حبہ مملوکا ولقد کان قبل ذلک ملیکا

(وہ شخص فرطِ محبت سے غلام بن گیا جو حقیقت میں اس سے پہلے بادشاہ تھا)

ان بکا او شکی الھوی زید ظلما بعاد اادنی حماما وشیکا

(اب اگر وہ روتا ہی یا محبت کی شکایت کرتا ہی تو اس پر اور ظلم توڑے جاتے ہیں اور وہ موت سے زیادہ قریب ہو جاتا ہی)

ترکتہ جاذر القصر صبا مستھاما علی الصعید بریکا

(اس کو قصر کی نازنینوں نے اپنا والہ وشیدا بنا کر خاک میں لوٹنے کے لیے چھوڑ دیا ہی (جاذر۔ گاؤ وحشی کے بچے)

یجعل الخد واضعا فوق ترب للذی یجعل الحریرا ریکا

(اس شخص کے رُخسارے خاک پر رکھے ہوئے ہیں، جن کا تکیہ ریشم سے بنایا جاتا تھا)

ھکذا یحسن التذلل للحر اذا کان فی الھوی مملوکا

(آزاد جب بندۂ محبت ہو جائے تو اس کے لیے ایسی ہی مسکنت زیبا ہی)

امیر عبد الرحمٰن ابن الحکم

امیر عبدالرحمٰن ابن الحکم نہایت بُردبار، فیّاض، ادیب، فقیہ، حافظِ قرآن اور راویِ احادیثِ نبوی تھا۔ ایک روز اس کے مصاحبوں

میں سے کسی نے عبدالرحمٰن سے غزوات کے متعلق کسی حدیث کے بارے میں بہت دیر تک بحث کی جب جھگڑا بہت بڑھ گیا تو اس نے کہا "سُنو! مجھے یہ واقعات حفظ ہیں" اور یہ کہہ کر واقعات سُنا دیے۔ اس کی فیاضی کے متعلق ایک بات یہ بھی بیان کی جاتی ہو کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی شخص نے عبدالرحمٰن سے مل کر کوئی بڑی یا چھوٹی چیز مانگی ہو اور اُسے نہ ملی ہو۔

عبدالرحمٰن ابن الحکم کو سلطنت ایسے عالم میں ملی تھی کہ ملک میں امن و امان تھا۔ اس لیے وہ عیش و عشرت اور ہوس رانی میں ڈوبا رہتا تھا۔ اس کی مثال بالکل اس جنتی کی سی تھی جس کی ہر خواہش پوری ہو جاتی ہو۔

ایک روز بہت سا مال وزر عبدالرحمٰن کے پاس آیا۔ اشرفیوں کے توڑے اس کے سامنے پیش ہوئے۔ جب سوائے ایک خادم کے تمام خدام اہل کاروں کے پاس مسلیں وغیرہ لے کر چلے گئے اس وقت عبدالرحمٰن کو کچھ غنودگی سی آگئی۔ خادم نے اسے سوتا خیال کر کے ایک توڑا اٹھایا اور اپنی آستین میں چھپا لیا اور چل دیا۔ عبدالرحمٰن اس حرکت کو دیکھ رہا تھا اتنے میں دوسرے خادم بھی آ گئے۔ امیر نے حکم دیا کہ سب مال شمار کر کے خزانے میں داخل کر دیا جائے۔ جب توڑے شمار کیے تو ایک توڑا کم نکلا۔ خدام آپس میں ایک دوسرے پر الزام رکھنے لگے۔ عبدالرحمٰن نے کہا "اس بات کو جانے دو۔ جس نے لیا لیا اور جس نے دیکھا ہو وہ بتائے گا نہیں" پھر حکم دیا کہ "جتنا مال موجود ہو داخل کر لیا جائے" اپنے کرم و مروّت کی بنا پر امیر نے اس کی چوری کا کھولنا معیوب سمجھا۔

اسی زمانے میں عبدالرحمٰن کی ایک کنیز اس سے ناراض ہو گئی۔ عبدالرحمٰن نے اس کے پاس آدمی بھیجا مگر اس نے دروازہ بند کر لیا اور آدمی کو نہ آنے دیا۔ عبدالرحمٰن نے حکم دیا کہ اس کے دروازے پر توڑے اس طرح چُن دو کہ دروازہ ڈھک جائے۔ جب اس کنیز نے دروازہ کھولا تو یہ توڑے اس پر گر گئے شمار کیا گیا تو تقریباً بیس ہزار اشرفیاں نکلیں۔

ایک دفعہ امیر نے اپنی کنیز کے لیے دس ہزار اشرفی کا ایک ہار خریدنے کا حکم دیا۔ ایک وزیر نے جو اس وقت دربار میں موجود تھا، اس رقم کو بہت زیادہ خیال کیا۔ امیر نے کہا تجھ پر افسوس ہے، اس ہار کی پہننے والی قدر و منزلت کے لحاظ سے اس سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اگرچہ سنگ ریزہ دیکھنے میں اچھا معلوم ہوتا ہے اور آنکھوں کو بھلا لگتا ہے مگر وہ کنیز ایسی جواہر پارہ ہے کہ خدا نے اس کو لوگوں کی عقلوں کو فریفتہ کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ کیا روئے زمین پر بہ اعتبار زینت، شرافت، ناز و ادا اور حُسنِ معاشرت کوئی بھی اس سے بڑھ کر آنکھوں کی ٹھنڈک اور سراپا خوبی ہے۔ خدا نے اس کے چہرے کو کمالِ حُسن سے آراستہ کیا ہے اور شادابیٔ جمال عطا کی ہے۔" یہ کہہ کر امیر ابن شمر کی طرف مخاطب ہوا اور کہا "تم کو اس موقع کا کوئی شعر یاد ہے؟" اس نے حسب ذیل اشعار پڑھے:۔

اتقرن حصباء الیواقیت والذر ۔۔۔ الی من تعالی عن سنا الشمس والبدر

کیا تو یاقوت کے دانوں اور موتیوں کو ایسی ہستی کے برابر کیے دیتا ہے جو آب و تاب اور رُتبے میں چودھویں کے چاند اور سورج سے بالاتر ہے

الی من برت قدما ید اللہ خلقہ ۔۔۔ ولم یلث شیئا غیرہ ابدا یبری

(یہ وہ ہستی ہے جسے اللہ نے خود اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ اس سے پہلے کسی کو ایسا حسین نہیں بنایا تھا)

فاکرم بہ من صنعۃ اللہ جوھرا　　　تضاءل عنہ جوھر البر والبحر

(سبحان اللہ کیا نفیس خداساز جوہر ہے جس کے مقابلے میں برّ و بحر کے جوہر ماند پڑ گئے)

لہ خلق الرحمن ما فی سمائہ　　　وما فوق ارضیہ ومکن فی الامر

(زمین اور آسمان پر جو کچھ پیدا ہوا ہے وہ سب کچھ خدا نے اسی کے لیے پیدا کیا ہے اور اسے با اختیار بنایا ہے)

امیر عبد الرحمن ابن الحکم نے اس کے جواب میں یہ اشعار کہے:۔

قریضک یا ابن الشمر عفی علی الشعر　　　وجل عن الاوھام والفھم والفکر

(اے ابن شمر تیرے شعروں نے تمام اشعار پر قلم پھیر دیا ہے اور وہ فہم و فکر کے احاطے سے باہر ہیں)

اذا شافھتہ الاذن ادی بسحرہ　　　الی القلب ابداعا تجل عن البحر

(جب تیرے شعر کو کان سُن لیتے ہیں تو وہ اپنے سحر کے اثر سے قلب تک نئی نئی باتیں پہنچا دیتا ہے، اس لیے وہ رُتبے میں دریا سے بھی بڑا ہے)

وھل برء الرحمن من کل مابرا　　　اقر لعینی من منعمۃ بکر

(کیا اللہ نے تمام مخلوقات میں کسی کو اس نرم و نازک دوشیزہ سے بڑھ کر آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا ہے)

تری الورد فوق الیاسمین بخدھا　　　کما فوق الروض المنور بالزھر

(تو دیکھے گا کہ اس کے رخساروں کی بدولت یاسمین پر گلاب اس طرح نمایاں ہیں جس طرح خوش نما باغوں میں شگوفے)

فلو انني ملكت قلبي و ناظري نظمتهما منها على الجيد والنحر

(اگر مجھے اپنے قلب و نگاہ پر قدرت ہوتی تو میں ان دونوں کو پرو کر اس کے سینے اور گردن کا ہار بنا دیتا)

پھر امیر نے حکم دیا کہ ابنِ شمر کو پانچ سو دینار کا ایک توڑا انعام میں دیا جائے۔ خادم ان توڑوں کو لے کر چلا گیا اور امیر کی نظر سے اوجھل ہو گیا۔ تو امیر نے ابنِ شمر سے دریافت کیا "رات کو چاند کہاں رہا" اس نے کہا "امیر کے پہلو میں"

امیر بڑی در پے سات سال تک اہلِ ماردہ سے لڑتا رہا۔ ساتویں سال جب کہ محصورین مرنے کے قریب تھے۔ ایک دن امیر لشکر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا لشکر شہر کی دیواروں پر چڑھ رہا ہے اور اہلِ شہر پر غالب ہو چلا ہے۔ اہلِ شہر میں مدافعت کی طاقت نہیں رہی پھر اس نے عورتوں اور بچوں کی چیخ پکار سُنی، یہ سُن کر امیر نے حکم دیا کہ جنگ موقوف کر دی جائے اور قتل سے ہاتھ روکا جائے۔ پھر اپنے وزیروں اور فوجی افسروں کو طلب کر کے کہا "تم کو معلوم ہے کہ میری فوج ان ناوانوں پر غالب آگئی تھی لیکن میں نے اہلِ شہر سے محض خدا کے خوف سے درگزر کی۔ مجھے ڈر تھا کہ لڑکے اور عورتیں اور بہت سے لوگ جو محض بے قصور تھے، دشمنوں کے ساتھ قتل ہو جائیں گے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری عنایت و شفقت اور عین فتح کے وقت درگزر کرنے اور انتقام نہ لینے کا ان لوگوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔ اگر انھوں نے امن و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کی تو ان کے لیے بہتر ہوگا ورنہ خدا نے جس طرح اس وقت ہماری مدد کی اور ہمیں غالب کیا پھر ان

پر غلبہ دے گا اور انھیں ذلیل اور تباہ و برباد کرے گا۔"

اس تقریر کے بعد امیر تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ دشمنوں کے آدمی اظہارِ اطاعت کے لیے آگئے اور خود کو اس کو حوالے کر دیا۔

عبدالرحمٰن کے بعض خدام میں سے کسی نے اس کے نام ایک عریضہ لکھا جس میں ایسی ملازمت کی استدعا کی تھی جس کا وہ اہل نہ تھا۔ امیر نے اس عریضے پر اس مضمون کی عبارت اپنے قلم سے لکھی "جو شخص حصولِ مطلب کا طریقہ نہیں جانتا اس کے حق میں محرومی بہتر ہے۔"

عبداللہ ابنِ قرطان ابنِ بدر اس کا خاص خادم اور ندیم تھا۔ عبداللہ ایک دن اپنی جاگیر کی طرف گیا ہوا تھا۔ یہاں امیر کے گھر مجلسِ عیش و نشاط گرم تھی کیوں کہ اس روز امیر نے فصد لی تھی۔ جب لوگ مجلس سے واپس ہوتے تو ہر شخص کو حسبِ حیثیت دو سو اشرفیوں سے پانچ سو تک نقد انعام دیا گیا۔ عبداللہ ابن قرطان کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے بھی چاہا کہ اور لوگوں کی طرح انعام حاصل کرے۔ اس موقع پر عبداللہ نے حسبِ ذیل اشعار لکھے:۔

یا ملکا حل ذری المجد وعم بالانعام والرفد

(اے بادشاہ! عزت و بلندی کی چوٹیوں پر تو نے مقام کیا اور عطا و بخشش کو عام کر دیا ہے)

طوبیٰ لمن اسمعته دعوۃ فی یوم احماعک للفصد

(اس کے لیے مژدہ ہے جسے تو نے اپنے فصد کے دن دعوت دی)

فظل ذالک الیوم من قصفه مستوطنا فی جنة الخلد

(وہ دن اس شخص نے لہو ولعب، عیش و عشرت کی وجہ سے گویا

جنّتِ خلد میں بسر کیا)

وقد عدانی ان ادمی حاضرا　　　جدمتی تحفظ الوری یکدی

(میرے نصیب نے جو اس دن بھی محروم رہتا ہی جب ساری دنیا بہرہ اندوز ہوتی ہی، مجھے آپ کی مجلس میں حاضر ہونے سے باز رکھا)

فانتعش العثرۃ من عاثر　　　عدت علیہ النحس القرد

(تو ایسے لغزش کرنے والے کی لغزش سے درگزر کر جس پر منحوس تو یں بندر یعنی بختِ سیاہ نے زیادتی کر رکھی ہی)

وامنن باصفادی عطائم تزل　　　یشمل اھل القرب والبعد

(مجھے ایسی بخشش سے متقید کر کے احسان فرما جس نے ہر قریب و بعید کو مستفید کیا ہی)

امیر نے اس کے اشعار کے نیچے یہ لکھ دیا:۔

من اثرالتضجع فلیرض بحظہ من النوم

(جس نے سستی کی اور اینڈتا رہا اس کا حصّہ نیند ہی (یعنی محرومی)

اس پر عبید اللہ نے پھر حسبِ ذیل اشعار لکھے:۔

لانمت ان کنت یا مولای محروما　　　ولا طعمت علی ما نالنی نزما

(ای آقا آپ کی بخشش سے محرومی ہونے کی وجہ سے میری راتوں کی نیند اڑ گئی ہی اور اس نقصان کے رنج سے جو مجھ کو سوتے رہنے سے ہوا مجھے خورد و نوش حرام ہی)

اشقی لحرمان یوم لا اعتیاض بہ　　　لوان من جنۃ الفردوس لی یوما

(میں تو اس دن کی محرومی پر افسوس کرتا ہوں جس کا کوئی بدلہ نہیں ہو سکتا خواہ مجھے جنّت کا دن ہی مل جائے)

ودونتي منك وجها ما اكتحلت به الا تعرفت صنعا منه محتوما
(ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ میں نے اپنی آنکھوں میں تیری دید کا سُرمہ لگایا ہو اور تیرے احسانات سے روشناس نہ ہوا ہوں)

فکیف امنع ورد امتك املہ صدیان حام رجائی فوقه حوما
(پھر میں آپ کے چشمۂ فیض پر آنے سے کیسے روکا جاتا ہوں۔ حالاں کہ میں تشنگی میں اس کا امیدوار بن کر آیا ہوں)

اس پر امیر نے عبداللہ کے لیے انعام کا حکم دے دیا اور اس کے شعروں کے نیچے یہ اشعار لکھ دیے:۔

لا غروان کنت ممنوعا ومحروما اذ کنت اثرت ھوبا یورث النوما
(جب تو نے ایسی حماقت کو پسند کیا جس کا نتیجہ نیند ہے تو تیری محرومی جائے تعجب نہیں)

لم ینل احد من عفوہ املا حتی یشد علی الاجهاد حیزوما
(کوئی شخص عفو کو فقط امید سے حاصل نہیں کر سکتا۔ جب تک صبر و استقلال سے صعوبتیں نہ برداشت کرے)

فھاك من سیبنا ما کنت تاملہ اذ حمت فوق رجاء الورد تحویما
(یہ ہماری بخشش یہ ہے جس کی تجھے امید تھی اور جس کے لیے تو نے امید کے گھاٹ پر چکر لگایا)

امیر محمد ابنِ عبدالرحمٰن

محمد ابنِ عبدالرحمٰن ابنِ الحکم حلیم، نیک نفس، عفو پیشہ، بُردبار، مؤدب امیر تھا۔ فنِ حساب میں ماہر تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امیر محمد

اپنے عمّال و خدام کا حساب خود جانچا کرتا تھا۔ کیوں کہ اسے علم حساب میں دست گاہِ کامل تھی، ذوق صحیح بھی تھا اور دیگر علوم و فنون پر بھی دست رس حاصل تھی۔ اگر ان سے کوئی غلطی یا لغزش ہو جاتی تو اصلاح و تنبیہ کر دیتا تھا۔ جن حالات سے اس کی متانت و سنجیدگی اور اعتدالِ طبیعت پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے:۔

ہاشم ابن عبدالعزیز نے امیر کے ایک خادم کے خلاف سازش کی اور بہت سے لوگوں کو اس میں شریک کر لیا۔ اپنے آپ کو اس معاملے سے بالکل علیحدہ رکھا تاکہ امیر اس بارے میں اسی سے مشورہ کرے۔ چند روز کے بعد امیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور دورانِ گفتگو میں اسی خادم کا ذکر اس طریقے سے چھیڑا کہ اس کی نسبت امیر کا خیال ظاہر ہو سکے۔ لیکن امیر نے اس کے متعلق کوئی بات دریافت نہیں کی۔ پھر اور لوگوں سے اس خادم کی امیر سے بُرائیاں کروادیں۔ جب حسب مراد وہ شخص معزول نہ ہوا تو خود ہاشم نے بھی موقع نکال کر اپنی رائے پیش کر دی اور بیش از بیش بُرائیاں کیں اور اس خادم کی نہ صرف معزولی بلکہ قتل تک کی تحریک کر دی۔ لیکن امیر محمد نے اس کے جواب میں ہاشم کو بلا کر صرف ایک خط دکھایا اور پوچھا کہ کیا یہ تمھارا خط ہے۔ ہاشم نے اقرار کیا۔ امیر نے کہا مجھے اس خادم کے خلاف بے حد شکایتیں پہنچی ہیں، تمھاری کیا رائے ہے۔ ہاشم نے کہا "عبرت ناک سزا اور جلاوطنی۔" اس پر امیر نے کہا "اچھا ٹھیرو دیوان خانے کے طاق میں سے وہ پلندہ کاغذوں کا اُٹھا لاؤ۔" ہاشم پلندہ اُٹھا لایا۔ اس میں کوئی سو خط بندھے ہوتے تھے۔ امیر نے حکم دیا کہ "انھیں پڑھو۔"

ہاشم نے ایک ایک کر کے ان خطوں کو پڑھا۔ ہر خط کا مضمون اس نتیجے پر پہنچتا تھا کہ ہاشم واجب القتل ہی۔

خطوں کے پڑھتے وقت ہاشم کا ہاتھ کانپ رہا تھا، اس کی پیشانی عرق آلود تھی، مُنھ سے کف آ رہے تھے۔ جب وہ ایک خط پڑھ چکتا تو دوسرا پڑھنے کو دیتا۔ جب وہ سب خط پڑھ چکا تو امیر نے دریافت کیا کہ کیا تمھارے پاس بھی کچھ عذرات ہیں۔ ہاشم نے قسمیں کھانا شروع کیں اور کہا کہ میرے حاسدوں نے آپ کی توجہ اور نیک خیالی دیکھ کر مجھے تباہ کرنے کے لیے یہ جال بچھایا ہی۔ حضور اگر اس کی تحقیقات فرمائیں اور حق و باطل کے ظاہر ہونے تک مجھ سے درگزر کریں تو بہتر ہی۔ اس لیے کہ جو کام آپ کر گزریں گے اس پر ندامت بے سود ہوگی اور جو نہیں کیا ہی اس کے کرنے کی قدرت ہر وقت حاصل ہی۔

امیر نے کہا "اے ہاشم جلد بازی کا نتیجہ اکثر ندامت ہوتا ہی۔ اور تو جانتا ہی کہ میں جلد باز نہیں ہوں ورنہ تو ہی پہلا شخص تھا جو اب تک قتل ہو چکا ہوتا۔ ہم نے ان امور کی جانچ کر لی ہی اور ہمیں معلوم ہو گیا ہی کہ ان میں سے بہت سی باتیں غلط اور بے بنیاد ہیں اگر ہم ان بہتانوں کو ان کے لکھنے والوں کے پاس واپس کر دیتے اور انھیں یہ معلوم ہو جاتا کہ ہم ایسے معاملات پر کوئی توجہ نہیں کرتے تو وہ ہماری خیر خواہی اور خبر رسانی سے دست کش ہو جاتے۔ ہم نے ان معاملات کو دل میں رکھا اور ان کا پورا علم حاصل کر لیا کہ فکر و نظر کے بعد فیصلہ کروں۔

اب تجھے لازم ہی کہ ان اطلاع دینے والوں میں سے کسی کو

معلوم نہ ہو کہ تو ان کے خطوں کے متعلق کچھ جانتا ہے۔ اگر ان مخبروں میں سے کسی کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کے خط کا کوئی لفظ بھی دوسروں تک پہنچ گیا ہے تو تجھ کو سخت سزا بھگتنی پڑے گی اور اس کے بعد میری نظروں میں تیری کوئی قدر نہیں رہے گی۔ اب چاہے تو اپنا خیال رکھے یا نہ رکھے میں نے آگاہ کر دیا۔

جب ہاشم مقام کرکر میں قتل ہو گیا اور امیر کو اس کی اطلاع پہنچی تو امیر محمد نے اس کی بُرائی کرتے ہوئے کہا " یہ ہاشم کی عجلت، کم عقلی اور بے غوری کا نتیجہ ہے اسی وجہ سے ہمیشہ ناکام رہا۔" اس مجلس میں وزرا کے ساتھ ولید بن عبدالرحمٰن بن غانم بھی موجود تھا۔ اس کے اور ہاشم کے درمیان منافرت تھی پھر بھی صرف اس نے بولنے کی جُرأت کی اور کہا "ہاشم تقدیر سے مجبور ہو گیا ورنہ اس نے پوری کوشش سے امیر کی خیر خواہی کی اور یہ مشیتِ ایزدی ہے کہ اُسے اور اس کے ہم راہیوں کو ناکامی ہوئی لیکن اس نے اپنی جان قربان کر دی۔" امیر نے ولید کی اس گفتگو کو بہت پسند کیا اور خفگی دُور ہو گئی۔ پھر امیر نے وہ تمام کام از قبیل میر آخوری وسپہ سالاری جو ہاشم سے متعلق تھے ولید کے سپرد کرنا چاہے۔ لیکن ولید نے عرض کی کہ "خدائے تعالیٰ امیر پر اپنا فضل وکرم رکھے، ہاشم امیر کا غلام تھا اور دشمن کے حق میں آپ کے تیروں میں کا ایک تیر اور آپ کی تلواروں میں کی ایک تلوار تھا۔ وہ امیر کی خدمت گزاری میں یہاں تک مصروف رہا کہ امیر پر قربان ہو گیا اور امیر کی رضامندی حاصل کی اس لیے امیر کو بھی چاہیے کہ ہاشم کے بعد اس کا کام اس کی اولاد

ہی کے سپرد فرمائیں۔" امیر نے کہا" واللہ تو نے نہایت شریفانہ بات کہی اور ہمیں بھلائی کی طرف متوجّہ کیا تو ہمیشہ سے نیک خیال اور اچھا آدمی ہے۔ ہمارے لیے بہترین آدمی وہ ہے جو مشورے کے وقت خیر خواہ ہو اور جب ہم کسی معاملے میں غافل ہوں تو ہمیں یاد دلا کر ہوشیار کر دے اور ہمیں مصلحت کے کاموں پر آمادہ کرتا رہے۔ ہمیں تمھارا مشورہ بہت پسند آیا۔ بہتر ہے ہاشم کے بیٹے کو اس کی جگہ مقرّر کرو اور اپنے الطاف و عنایات سے اسے مستفید کرتے رہو۔

امیر محمد خود ادیب تھا اور اہلِ ادب کا قدر شناس بھی تھا۔ اس کے ایک خادم نے ایک خدمت کے لیے درخواست کی اور چند مرتبہ اس کے حضور میں چکنی چپڑی باتیں بنائیں۔ امیر نے درخواست کے جواب میں لکھا کہ تم کو اس خدمت کا کوئی حق نہیں ہے کیوں کہ تمھاری کارگزاری ایسی نہیں جس کا صلہ ایسی ملازمت سے دیا جائے مگر چوں کہ تم نے اس درخواست کو اچھے الفاظ اور دل کش عبارت سے زینت دی ہے اس لیے صرف یہی ایک وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ہم تمھاری طرف متوجّہ ہوں۔ اگر یہ تحریر تم نے لکھی ہے تو نہایت اچھی ہے اور اگر کسی جگہ سے نقل کی ہے تو تمھارا حُسنِ انتخاب قابلِ داد ہے۔ ان صورتوں میں تم ہماری نظروں میں مستحقِ انعام ہو لہٰذا ہم تمھیں اس خدمت پر مقرّر کرکے امید کرتے ہیں کہ تم اس کام کو بھی ایسی ہی خوبی سے انجام دیتے رہوگے جیسی خوبی سے تم نے انشاپردازی کی ہے اور ہماری خوش خیالی کو جو تمھاری نسبت پیدا ہوگئی ہے قائم رکھوگے۔ اگر چھوٹی خدمت کو بوجہِ حُسن انجام دوگے تو بڑے

سے بڑے عہدے پر فائز ہوگے۔ جو ابتدا میں خوش اسلوبی سے کام کرتا ہی
اس کا انجام بھی اچھا ہوتا ہی اور لوگ غیبت میں بھی اس کی تعریف
کرتے ہیں۔

ابوالیسر شاعر جو الریاضی کے نام سے مشہور ہی، مشرق میں بے روزگاری
سے پریشان ہوکر مغرب میں اندلس آیا اور ابنِ شیخ شامی کی جانب سے
ایک جعلی خط تیار کیا اور اپنے شہر والوں کی طرف سے ایک محضر ترتیب
دیا۔ اس میں دربارِ خلافت تک رسائی کے لیے جو باتیں ضروری تھیں
سب درج کیں۔ اس کے بعد جب امیر محمد کی خدمت میں حاضر ہوُا اور
یہ کاغذات پیش کیے تو امیر سمجھ گیا کہ یہ کاغذات جعلی ہیں اور الریاضی
ایک چلتا ہوُا چالاک اور کھانے کمانے والا آدمی ہی۔ تاہم اس نے
حکم دیا کہ الریاضی کو مہمان رکھا جائے۔ الریاضی ایک مدت تک مہمان
رہا، اس کے بعد اس نے وطن واپس ہونے کی اجازت چاہی۔ امیر
نے ہاشم کو بُلا کر کہا یہ شخص یہاں حصولِ معاش کے لیے آیا اور حیلہ سازی
سے اس نے معیشت حاصل کرلی۔ ہم اس کو صحیح تسلیم کریں اور اس
کے مطابق جواب دیں تو بنی ہاشم مضحکہ اُڑائیں گے اور اگر ہم اسے
جھٹلائیں اور انعام سے محروم رکھیں حالاں کہ وہ ہمارا مہمان ہی تو یہ
بات ہماری دنائت اور بخل پر محمول کی جائے گی، اور ہم بدنام
ہوجائیں گے۔ ہم نے اس شخص سے گفتگو کی تو اس کو خوش گفتار اور
شیریں لہجہ پایا۔ اگر یہ خط ہمارے پاس اپنے وطن سے بھیج دیتا تو
بھی یہ شخص مستحقِ اکرام تھا۔ چناں چہ امیر نے اسے پانچ سو دینار دے کر
رخصت کردیا اور خط حوالے کیا جس میں تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کے کچھ نہ لکھا تھا۔

محمد ابنِ ولید نقیہہ نے ہم سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب الریاضی قرطبہ سے مشرق جانے کے لیے روانہ ہوا ہم بھی اسی وقت عازم مشرق ہوئے تھے، راستے میں ہمارا اس کا ساتھ ہو گیا۔ الریاضی نہایت اچھا ادیب اور قادر الکلام شخص تھا۔ جب ہم دُور نکل گئے تو اس نے اپنے حالات ہمیں سُنا کر امیر کا خط ہمارے سامنے ہی کھولا جس میں صرف بسم اللہ لکھی ہوئی تھی اور کچھ نہ تھا۔ اس وقت الریاضی کو امیر کی دانائی پر سخت تعجب ہوا اور وہ کہتا تھا کہ "امیر کو ایسا ہی سمجھتا ہوں نہ وہ دھوکا کھاتے ہیں اور نہ بدنام ہوتے ہیں"۔

جب الریاضی مصر پہنچا تو وہاں کے گورنر نے اس کی اطلاع پاکر الریاضی کو قید کر دیا۔ محمد ابن ولید کہتے ہیں کہ جب ہمیں یہ معلوم ہوا تو ہم اس کی ہم دردی اور دوستی کے خیال سے اندلس کے تین اور باشندوں کو ساتھ لے کر نمازِ جمعہ کے بعد اس سے ملنے کے لیے قید خانے گئے اور دریافت کرتے کرتے قید خانے کے دروازے تک جا پہنچے۔ پھر ہم نے اس کا پتا معلوم کیا اور اس کی کوٹھری میں پہنچے اور اسے دعائیں دیں۔ الریاضی نے کہا "کیا تم بھی میرے ساتھ قید ہو" ہم نے پوچھا "یہ کیوں" اس نے کہا کہ "جو شخص قید خانے میں داخل ہو جاتا ہے وہ بلا حکمِ امیر رہا نہیں ہو سکتا"۔ پہلے ہم سمجھے کہ وہ ہم سے مذاق کر رہا ہے، پھر ہمیں فکر لاحق ہوا۔ جب ہم وہاں سے واپس ہونے لگے تو ہمیں پہرے والے نے قید خانے میں دھکیل دیا۔ اب ہم سخت مصیبت میں تھے۔ نہ ہمیں کوئی جانتا تھا، نہ ہم کسی کو جانتے تھے۔ ہم قید میں تھے کہ ہماری

اطلاع المزنی فقیہہ کو ہوئی اور انھیں معلوم ہوگیا کہ ہم صرف طالب علم ہیں اور ہماری نیت بہ خیر ہے تو انھوں نے مصر کے گورنر سے ہمارے لیے عرض معروض کی اور ان کی سفارش اور خدا کے فضل وکرم سے ہمیں اس بلا سے نجات ملی۔

ایک موقع پر ولید ابن عبدالرحمٰن ابن غانم نے امیر کی خدمت میں ایک عریضہ پیش کیا جس کا مضمون حسب ذیل ہے "خدا امیر کی عمر دراز کرے امیر کی نعمتیں اس قدر ہیں کہ ان کا شکر ادا نہیں ہوسکتا اور ان کے احسانات ایسے عظیم الشان ہیں کہ حدِ بیان میں نہیں آتے، چناں چہ جب کبھی مَیں امیر کے ادنیٰ احسان اور چھوٹی سے چھوٹی مہربانی کا شکر کرنا چاہتا ہوں تو وفورِ نیاز مندی سے مَیں اپنی کوشش میں عاجز رہتا ہوں اور اپنی شکر گزاری کما حقہ ادا نہیں کرسکتا مجھے اپنے قول وفعل سے حقِ نعمت ادا کرسکنے کی امید نہیں ہے کیوں کہ میری مدح گوئی اور کارگزاری یا تو کسی تازہ اکرام کی وجہ سے یا کسی مزید اعزاز کی امید پر ہوتی ہے۔ چناں چہ میرا گزارا اور سہارا یہی دو چیزیں ہیں۔ خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی طاعت اور شکر گزاری کے صلے میں دارِ شقوت سے دارِ سعادت میں پہنچائے گا اور عارضی تکلیف کی جزا میں ابدی راحت عطا کرے گا۔"

جواب میں امیر نے لکھا خدائے تعالیٰ کی ایک صفت شاکر بھی ہے، وہ شکر گزاروں کو پسند کرتا ہے۔ تو نے ہمیں پکارا۔ ہم نے سُنا، ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ پھر کچھ مدت کے بعد اسے اپنا وزیر بنا دیا۔

امیر محمد جمعرات کے دن تیسری ربیع الآخر ۲۳۸ھ کو امیر ہوا اور چونتیس سال بادشاہ رہ کر جمعہ کے دن آغاز ماہِ ربیع الاول ۲۷۳ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کی عمر سٹرسٹھ سال ہوئی۔

امیر المنذر ابنِ محمد

المنذر امیر محمد کے حکم سے ضلع ریہ میں مصروفِ جنگ تھا۔ وہیں اس کو اپنے باپ کی وفات کا علم ہوا۔ یہ سنتے ہی وہ دو منزلہ سہ منزلہ کوچ کرتا ہوا اتوار کے دن تیسری ربیع الاول کو قرطبہ پہنچ گیا۔ اس نے اپنے باپ کے جنازے کی نماز وزرا کے ہم راہ ادا کی۔ اس وقت ہاشم اپنے آقا کے رنج سے بے تاب ہو کر گریۂ وزاری کر رہا تھا اور ابو نواس کے یہ شعر پڑھ رہا تھا:۔

اغری یا محمد عنک نفسی　　　　معاذ اللہ والایدی الجسام

(اے محمد! میں آپ کا غم فراموش کروں۔ معاذ اللہ وہ احسانات جو تو نے کیے ہیں بھلائے جا سکتے ہیں)

فھلا مات قوم لم یموتوا　　　　ودوفع عنک بی کاس الحمام

(وہ لوگ جو زندہ ہیں کیوں نہ مر گئے اور بجائے تیرے مجھے کیوں نہ موت آگئی)

جب منذر نے یہ اشعار سنے تو سمجھا کہ یہ مجھ پر طعن کیا جا رہا ہے۔ اس بنا پر منذر نے ہاشم کو قید کر کے قتل کرا دیا۔ اس واقعے کی تفصیل باعث تطویل ہوگی۔

المنذر دو ہی سال امیر رہا اور اس قلیل مدت میں وہ بعض بدانتظامیوں

کی اصلاح نہ کرسکا۔ البتہ وہ صاحبِ عزم و ہمت ضرور تھا۔ چناں چہ وہ ببشتر میں محاصرہ کیے ہوئے مقیم تھا کہ روز شنبہ، ۱۵ صفر ۲۷۵ھ کو پیامِ مرگ آپہنچا۔ وفات کے وقت اس کی عمر چھیالیس سال تھی۔

امیر عبداللہ ابنِ محمد

المنذر کے انتقال پر شنبے کے دن اس کا بھائی عبداللہ امیر ہوا۔ ببشترؓ میں جو لوگ محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے۔ اب طولِ محاصرہ سے پریشان ہو چکے تھے۔ جب انھیں المنذر کی وفات کا علم ہوا تو اضلاع کے لشکر اور قبائل منتشر ہونے لگے اور چاروں طرف سے لشکروں کی واپسی شروع ہوگئی۔ عبداللہ نے ان کے روکے جانے اور سب کے اپنی اپنی جگہ قائم رہنے کا حکم دیا لیکن اب کوئی ایسا شخص نہ تھا جو پھر لشکروں کو ان کی جگہ پر قائم رکھ سکتا۔ آخر عبداللہ بھی خائف ہوا کہ وہ تنہا دشمن کا مقابلہ کیوں کر کرے گا، اور واپس ہوگیا۔ منذر مرحوم کی نعش بھی وہاں دفن نہ ہونے دی بلکہ اپنے ساتھ لے گیا اور قرطبہ پہنچا کر اپنے بزرگوں کے پاس قصر میں دفن کی۔

اب ملک کی حالت نہایت خراب تھی۔ لشکر منتفرق ہو گئے تھے اور امیر کے سپہ سالار اس کی مدد سے قاصر نظر آرہے تھے۔ اس زمانے میں امیر نے تقویٰ اور پرہیزگاری پر سختی سے عمل کیا اور مسلمانوں کے اموال کی بہت حفاظت و نگرانی کی۔

اس زمانے میں حملوں اور بغاوتوں کی وجہ سے ملک کی آمدنی بہت کم ہوگئی۔ عبداللہ نے اہلِ شہر کی تنخواہوں میں اضافہ کیا اور دوسرے طبقات

کے ملازموں کی تنخواہیں کم کیں۔ تاہم فسادات نے ملک میں مضبوطی سے جڑ پکڑ لی اور ابنِ حفصون کا واقعہ تو نہایت اہم ہو گیا جو عموماً بہت مشہور رہی۔ یہاں تک کہ اس نے قلعۂ بلائی پر قبضہ کر لیا، جو قرطبہ سے صرف ایک منزل کے فاصلے پر ہے۔

ابنِ حفصون کے سوار اطراف میں پھیل گئے تھے اور اس کے لشکر صبح و شام امیر کے خلاف حملے کیا کرتے تھے۔ شقندہ اور فج المائدہ تک ان کی زد پہنچنے لگی۔ کسی شخص کو مدافعت کی طاقت نہ رہی بلکہ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ جس زمانے میں ابنِ حفصون اور اس کا لشکر قرطبہ کے نواح میں پہاڑ کی وادی میں خیمہ زن تھا اس کے ساتھیوں میں سے ایک بہادر سوار نے حملہ کیا اور گھستا ہوا پل تک چلا آیا اور باب القنطرہ والے مجسمے کے نیزہ مارا اور پھر واپس اپنے ہم راہیوں میں جا ملا۔

یہ مصیبت پچیس سال تک رہی البتہ امیر عبداللہ کے آخری زمانۂ حکومت میں ابوالعباس احمد ابنِ محمد بن ابی عبدہ کی سپہ سالاری کی وجہ سے ملکی معاملات کی اصلاح ہونے لگی۔ ابوالعباس نے ابنِ حفصون اور دیگر باغیوں کے خلاف بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے اور نہ صرف باغیوں سے بدلہ لیا بلکہ ان کی سرکوبی بھی کر دی۔ ابنِ حفصون کو حصن سے نکال باہر کیا اور بعض مشرقی ممالک سے خراج وصول کیا اور دیگر قبیلوں سے اس خراج پر جو پہلے سے مقرر تھا۔ اس شرط پر کہ ان کو اپنے اپنے ٹھکانوں میں رہنے دیا جائے گا۔ صلح کر لی۔

امیر عبداللہ کی توقیعات نہایت درجہ بلیغ و بدیع تھیں، غزل

اور زُہد میں اس کے شعر بڑے بانکے ہیں۔ جیسی فصاحت اس میں تھی اس کی مثال نہ اس سے پہلے کے امیروں میں ملتی ہے نہ آیندہ امید ہے کہ ملے۔

ایک بار عبداللہ نے اپنے جنرل احمد بن محمد کو عید کے دن لکھا "اما بعد! خدا پر ہمیشہ بھروسا رکھو، اپنے تمام کاموں میں اسی پر اعتماد کرو خواہ تم اپنی سرحدوں کی حفاظت پر ہو کیوں کہ اللہ پر بھروسا کرنا تمام مشکلات سے بچاتا ہے اور تمھاری خواہشوں اور آرزووں کی تکمیل کا وسیلہ ہے۔ اپنی عیدوں اور خوشی کے دنوں میں اپنے فرائض وواجبات کو بہ احسنِ وجوہ ادا کرو۔ اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور وہی ارحم الراحمین ہے"

ایک دفعہ عبداللہ نے اپنے کسی عامل کو ایک خط لکھوایا "اما بعد اگر تمھاری توجہ ان مہمات کی طرف جن پر ہم نے تم کو مقرر کیا ہے۔ فضول خط وکتابت سے زیادہ ہوتی تو ہم تمھیں بہترین دقیقہ رس آدمی اور دوراندیش کارگزار خیال کرتے۔ خط وکتابت میں بے ضرورت وقت ضائع نہ کرو اور اپنی فکر وقوت کو پوری توجہ کے ساتھ ایسے کاموں پر صرف کرو جن سے تمھاری کارگزاری اور جفاکشی ظاہر ہو۔ والسلام"

یہ امیر کے غزلیہ اشعار ہیں :۔

ويلي على شادن كحيل في مثله يخلع العذار

(میری تباہی ایک آہو وش سرگین چشم (محبوب) کی بدولت ہے جسے دیکھ کر لوگ از خود رفتہ ہو جاتے ہیں)

كانما وجنتاه ورد خالطه النور والبهاء

(اس کے رخسار گویا گلاب کے پھول ہیں، جس میں نور اور حُسن سموئے

ہوتے ہیں)

قضیب بان اذا تثنی یدیر طرفا به احورار

(وہ جب جھکتا ہے تو نزاکت اور لچک میں درخت بان کی شاخ معلوم ہوتا ہے اور اپنی چمک دار سیاہ آنکھوں کو حرکت دیتا رہتا ہے)

فصفو ودی علیه وقف ما اطرد اللیل والنهار

(جب تک لیل و نہار کا سلسلہ باقی ہے میری پُر خلوص محبت اس کے لیے وقف ہے)

زہد و تقویٰ کے موضوع پر اس کے اشعار یہ ہیں:۔

یا من یرا وغه الاجل حتی م یلهبک الامل

(اے وہ کہ موت نے تجھے فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ امید تجھے کب تک غفلت میں رکھے گی)

حتی م لا تخشی الردی وکانه بک قد نزل

(تو کب تک ہلاکت سے خائف نہ ہوگا حالاں کہ وہ گویا تجھ پر نازل ہو چکی ہے)

اغفلت عن طلب النجا ة ولا نجات لمن غفل

(کیا تو نجات کی طلب سے غافل ہو گیا۔ حالاں کہ جو غافل رہے اسے نجات نہیں ملتی)

هیهات یشغلک المنی ولما یدوم بک الشغل

(افسوس تجھے تمناؤں نے مشغول کر لیا ہے۔ گو یہ ظاہر ہے کہ تیری یہ مشغولیت ہمیشہ نہیں رہے گی)

فکان یومک لم یکن وکان نعیک لم یزل

رتو یہ سمجھ کہ تیرا آج کا دن جیسے کبھی نہ تھا اور موت کی آواز تجھے ہمیشہ سے آرہی ہی)

عبدالرحمٰن الناصر بن عبداللہ

جب عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ اس وقت تمام اندلس پر فتنہ و فساد کے بادل چھائے ہوئے تھے اور ہر طرف سے حکومت کی علانیہ مخالفت ہو رہی تھی۔ لیکن عبدالرحمٰن الناصر ایسے نیک شگون کے ساتھ تخت پر بیٹھا تھا کہ جس شخص سے بھی مقابل ہوا اس پر غالب آیا اور اس کے مقبوضات پر متصرف ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس کے قبضے سے نکلے ہوئے شہر یکے بعد دیگرے دوبارہ فتح کر لیے۔ باغیوں اور سرکش مفسدوں کو قتل کیا۔ انھیں ذلیل کر کے ان قلعوں کو منہدم کرا دیا۔ ان پر سخت سے سخت تاوان عائد کیے اور سزا کے طور پر ان کے عامل ایسے ظالم و جابر مقرر کیے کہ سارا ملک فرماں بردار ہو گیا اور سرکش غایت درجہ مطیع ہو گئے۔ ابنِ حفصون اپنے قلعے میں مر گیا اور اس کا لڑکا سلیمان لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کے بعد اس کے تمام اہل و عیال قلعے سے نکل کر خلیفہ کے مطیع ہوتے اور اس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

پھر خلیفہ نے ببشتر پر قبضہ کیا۔ اس میں عمارتیں تعمیر کرائیں اور قلعے کو مستحکم کیا۔ اس کے اطراف کے سب قلعے گروا دیے۔ اس نے یہ قلعہ اس ضرورت سے باقی رکھا تھا کہ حسب موقع وہ اور اس کی اولاد اس میں پناہ لے سکے۔ اس زمانے میں یہ بات عام طور سے مشہور تھی کہ اندلس

آج کل فتنہ و فساد کا مرکز بنا ہوا ہے۔ باغی شہروں کو تباہ و برباد کرتے اور مردوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور عورتوں اور بچّوں کو لونڈی غلام بنا لیتے ہیں۔ اس عام فساد سے وہی لوگ محفوظ رہ سکتے ہیں جو قلعوں یا جزیروں میں پناہ لیں۔ یہ بھی شہرت تھی کہ اب یہ فساد اس طرح جڑ پکڑ گیا ہے کہ اس کے اصلاح پزیر ہونے کی کوئی امید نہیں۔ واللہ اعلم وہو المستعان۔

خلیفہ عبدالرحمٰن پچاس سال تک اسی عزت و احترام تزک و احتشام سے حکومت کرتا رہا۔ اس کی فتوحات شرق سے غرب تک وسیع ہوتی رہیں وہ برابر اپنے دشمنوں کی سرکوبی اور ان کے قلعوں کے انہدام میں مصروف رہا۔ کبھی اس کو شکست نہیں ہوئی اور کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ اپنی خوش بختی کی بدولت سمندر کے پار بھی بڑے بڑے شہر اور مضبوط مضبوط قلعے مثل سبتہ اور طنجہ وغیرہ فتح ہوگئے۔ وہاں کی رعایا نے اطاعت قبول کر لی اور اس نے اپنے حاکم مقرّر کرکے اپنی فوج سے ان کی حفاظت کی۔

اِن فتوحات کے سلسلے میں خلیفہ نے اپنی بہت سی فوج جہازوں کے ذریعے سے اطرافِ بربر میں پھیلا دی۔ تمام ملکِ بربر اس کے زیرِ نگیں ہوگیا۔ وہاں کے بادشاہ و فرماں روا مطیع ہوگئے۔ کچھ قلعے میں منہ چھپاکر محصور ہوکر بیٹھ گئے، کچھ اطاعت قبول کرکے معافی کے طالب ہوئے، کچھ بھاگ گئے۔ غرض جو پہلے اس کے مقابلے میں آکر سرِ میدان لڑ چکے تھے آج اس کی اطاعت و رضا جوئی کو اپنی تمام ضرورتوں اور خواہشوں پر مقدّم رکھتے تھے۔ اگر اللہ کی مدد اور ان کا عزم کچھ روز اور اس کے

ساتھ رہتا تو یقین تھا کہ مغرب کے علاوہ مشرق میں بھی اس کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو جاتا لیکن اللہ اس کو معاف کرے آخر میں وہ نفسانی خواہشوں کا غلام ہو گیا اور ان فتوحات کی کثرت نے اسے مغرور بنا دیا اور وہ بڑے بڑے عہدوں پر نا اہل اور ذلیل لوگوں کو مقرر کرنے لگا جس سے معزز لوگ ناراض رہنے لگے۔ چناں چہ نجدۃ الحیری اور اس کے ساتھی جو کمینہ اور ذلیل لوگ تھے۔ اس زمانے میں غیر معمولی عزّت پا کر لشکر کی حکومت پر مامور ہوئے۔ بڑے بڑے سردار و سپہ سالار اور عرب وزرا اس کے ماتحت کیے گئے اور اس کے احکام کی پابندی پر مجبور ہو گئے۔

نجدۃ الحیری اپنے طبقے کے لوگوں کی طرح کم ظرف اور کوتاہ عقل آدمی تھا۔ تمام اُمرا اور اہلِ دربار نے متفق ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ جو لڑائی عنقریب ہونے والی ہے۔ اس میں نجدہ کو تنہا چھوڑ کر سب کو بھاگ جانا چاہیے۔ چناں چہ غزوۃ القدرہ میں جو ۳۲۶ھ میں ہوئی اس قرارداد پر عمل کیا گیا۔ اور نتیجے میں عبدالرحمٰن الناصر کی فوج کو سخت شکست ہوئی اور بہت دن تک دشمن عبدالرحمٰن کے سپاہیوں کے تعاقب میں لگے رہے اور انھیں مارنے، پکڑنے اور قید کرنے میں مصروف رہے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک یہ سپاہی اپنے اپنے شہروں، چھاؤنیوں اور جھنڈوں کے نیچے پہنچ کر جمع نہ ہو گئے۔

اس کے بعد سے پھر عبدالرحمٰن بہ نفس نفیس کسی جنگ میں شریک نہیں ہوا اور عیش پرستی اور تعمیرِ عمارات پر ایسا مائل ہوا کہ اس کی انتہا کر دی اور اگلے پچھلے بادشاہوں سے سبقت لے گیا۔

عبدالرحمٰن کے حالات اور اخبار اس کثرت سے ہیں کہ بیان سے

باہر ہیں۔ اس کو ایسے ایسے چیدہ سردار اور سر آمدِ روزگار فضلا جو فضیلت و فہم و مروّت و حسنِ سیرت میں یکتا تھے، میسّر تھے کہ شاید ہی کسی بادشاہ کو ملے ہوں۔ مثلاً موسیٰ ابن حُدیر حاجب، عبدالحمید بن بسیل، عبدالملک ابنِ جہور، اسمٰعیل بن بدر، ابنِ ابی عیسیٰ قاضی، منذر ابن سعید جو علم و ادب اور خطابت میں وحیدِ عصر تھا اور عیسیٰ ابنِ فنتیس کاتب جو اپنے زمانے کا بہترین انشا پرداز تھا۔ ان کے علاوہ بہت سے لوگ تھے جن کے ذکر اور وصفِ محاسن کی اس کتاب میں گنجایش نہیں ہے۔ خدا ہم کو اور ان کو بخشے اور رحم فرمائے۔

جس زمانے میں احمد ابنِ اسحاق قرشی سرقسطہ میں محمد ابن ہاشم تجبی سے مصروفِ جنگ تھا، اس زمانے میں عبدالرحمٰن الناصر نے احمد ابن اسحاق کو ایک خفگی کا خط بھیجا۔ یہ خط ان خطوں میں سے ہے جن کی وجہ سے اس کا کمالِ انشا پردازی ظاہر ہے:- اما بعد! پہلے ہم تیری تعریف کرتے تھے تاکہ تیری اصلاح ہو جائے لیکن افسوس تیری اصلیت تجھ پر غالب آ کر رہی۔ اب فقر ہی سے تیری اصلاح ہو گی کیوں کہ مال و دولت سے تو تیری سرکشی ترقی پر ہے۔ تو دولت کی قدر نہیں کرتا کیوں کہ تو اس کا عادی نہیں تھا۔ شاید تو بھول گیا کہ تیرا باپ ابنِ حجاج کے سواروں میں تھا اور اس کی نظروں میں نہایت درجہ ذلیل تھا۔ وہ اشبیلیہ میں گدھوں کی دلالی کرتا تھا۔ جب تو ہمارے پاس آیا تو ہم نے تجھے پناہ دی، تیری مدد کی اور عزت بڑھائی یہاں تک کہ تو مال دار ہو گیا۔ اور ہم نے تیرے باپ کو وزیر بنا کر تجھے جملہ فوج کا سالار بنایا اور حدودِ ملک کی نگرانی تیرے سپرد کی لیکن افسوس تو نے

اس کے عوض ہمارے احکام کی توہین کی، اور ہم سے بے پروائی برتی اب باوجود مذکورہ احسانات کے تو خلافت کا بھی مدعی معلوم ہوتا ہو آخر یہ جرأت تجھے کس حسب ونسب پر ہو۔ تیری جیسی خصلت والوں کے لیے کہنے والوں نے کہا ہو

انتم خشاء الخشار ولیس خز کخیش

(تم بچے کھچے بیچ میل لوگوں کی نسل ہو۔ ٹاٹ ریشم کی طرح نہیں ہوتا)

ان کنتم من قریش تزوجوا فی قریش

(اگر تم قریش کے خاندان سے ہو تو قریش میں شادی کر دکھاؤ)

او کنتم قبط مصر فذالتعاطی لا یش

(مگر جب تم مصر کے قبطیوں سے ہو تو یہ فخر وغرور کس بنا پر؟)

کیا تیری ماں حمدونہ ساحرہ نہ تھی اور تیرا باپ جذامی نہ تھا۔ کیا تیر دادا حوثرہ ابن عباس کا دربان نہ تھا، جو اس کی ڈیوڑھی میں بیٹھ رتیاں بٹا کرتا اور چٹائیاں بنایا کرتا تھا۔ اللہ تجھ پر اور ان لوگو پر جنھوں نے تجھے ہمارے یہاں مقرر کرایا ہو لعنت بھیجے۔ ای بابور ای جذامی، بچۂ سگ فوراً ذلت کے ساتھ ہمارے حضور میں حاضر ہو

عبدالملک ابن جہور نے اپنی کم سنی میں عبدالرحمٰن الناصر کی خدمت میں جو قصیدہ استجہ سے نذر گزرانا تھا اس کا عنوان یہ تھا

لا بی المطرف سیدی من عبدہ المتعب

بنام آقائے ابو المطرف منجانب بندۂ اطاعت گز

اور عنوان کے ذیل میں یہ اشعار تھے

دامت لک النعمی وان رغمت الوف الحسد

(تجھے عیش دائمی حاصل ہو اگرچہ یہ بات حاسدوں کو کتنی ہی ناگوار ہو کر گزرے)

ودقتک نفسی کل مخ ذور یروح ویغتدی

(تیرے عہد میں بھی وحشت و خوف ہر صبح و شام میرے لیے موجود ہی)

وعلوت حتی لا یقل لقدرک العالی ازدید

(تیرا پایہ اس قدر بلند ہو گیا ہی کہ اس کے لیے مزید بلندی کی دُعا سعی حاصل ہی)

انی کتبت وحر شو قی تیمیح تجلدی

(یہ نظم لکھ رہا ہوں اور میرے شوق کی گرمی آپ سے میرے صبر و استقلال کی طرف سے سفارش کر رہی ہی)

ودموع عینی تنھمی فتحیل ماکتبت یدی

(میرے آنسو بہہ بہہ کر میری تحریر کو مٹاتے دے رہے ہیں)

لتغربی و توحشی وتفردی وتوحدی

(میری یہ حالت غریب الوطنی، وحشت اور تنہائی کی بدولت ہی)

من ذواق طعم البین ذا ق الموت غیر مصرّد

(جس شخص نے جدائی کا مزہ چکھا۔ اس نے موت کا مزہ خوب چکھ لیا)

ورای المنیۃ جھرۃ فی مصدر او مورد

(آتے جاتے اسے موت کا چہرہ صاف نظر آیا)

اتذکر الانس الذی ولی وطیب المشھد

(کیا وہ پُر لطف اگلی صحبتیں اور محبت آپ کو یاد ہیں)

وکریم بشوک لی وجھ ک حین یشرق فی الندی

(اور آپ کو میری طرف اپنا وہ النفات یاد ہو جب آپ کا بشاش چہرہ

مجلسِ احباب میں چمکتا تھا)

فاعی من الحسرات ال — وانا تطیل تبلد ی

(طرح طرح کی حسرتیں مجھے یاد آتی ہیں تو میری عقل گنگ کر دیتی ہیں)

فاسلم وعش وابلغ مدا — ک ودع حسودک یکمد

(خدا کرے آپ عیش و آرام سے رہیں اپنی تمناؤں میں کامیاب ہوں اور آپ کے حاسد جلتے رہیں)

فارحمه ان نلت العلا — وجری بجد انکد

(آپ بلندی اور علو مرتبہ حاصل کر چکے ہیں اس کے تصدق میں اس پر رحم کیجیے جس کی تقدیر بیٹھی ہی)

ثم السلام علیک من — نی دائما یا سید ی

(اے میرے سردار آقا! اب میں پھر دعا کرتا ہوں کہ آپ ہمیشہ سلامت رہیں)

عبدالملک کے ذیل کے دو شعر جو اس نے نرگس کی تعریف میں کہے ہیں اس کے اچھے اشعار میں سمجھے جاتے ہیں ؎

قد بعثنا الیک بالنرجس ال — غص حکی لون عاشق معمود

(ہم نے تمھارے پاس نرگس کا تازہ پھول بھیجا جس کا رنگ دل شکستہ عاشق کے رنگ کی طرح ہی)

فیه ریح الحبیب عند التلاقی — واصفرار المحب عند الصدود

(اس میں ایسی خوش بو ہی جیسی ملاقات کے وقت محبوب کے پاس آتی ہی اور ایسی زردی ہی جیسی محبوب کی روگردانی سے عاشق کے چہرے پر نظر آتی ہی)

عبدالملک اپنی بیوی کی عادتوں سے بہت نالاں تھا آخر کو تنگ آکر اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ عبدالملک نے اس بیوی کی ہجو میں جو اشعار کہے ہیں یہ ہیں ؎

من ذا یفک اساریہ ۔۔۔ ویحل عقد عقالیہ
(کون ہی جو میری بیڑیاں کاٹ دے اور میرے پانو کے بند کھول دے)

من ذا یخلص من ھوی ۔۔۔ من حنیہ فی الھاویہ
(ایسے شخص کو کون رہائی دلاتا ہی، جو تباہ ہو کر گڑھے میں جا پڑا ہی)

انی بلیت بشر من ۔۔۔ تحت السماء العالیہ
(میرا سابقہ ایسی سے پڑا ہی جو آسمان کے نیچے سب سے بدتر ہی)

انی دھیت بحیۃ ۔۔۔ قطعت حراک لسانیہ
(مجھے ایسی ناگن سے پالا پڑا ہی کہ میری زبان کی حرکت تک بند ہو گئی)

لوکنت تبصرھا سال ۔۔۔ ت اللہ منہا العافیہ
(اگر تو اسے دیکھ لے تو اللہ سے عافیت کا طالب ہو (پناہ مانگے)

ما ابصرتہا مقلتی ۔۔۔ مذ ابصرتہا راضیہ
(میری آنکھوں نے آج تک اس کو خوش نہیں دیکھا)

تمضی السنون وتنقضی ۔۔۔ وحیاتہا متمادیہ
(سالہا سال گذرے جا رہے ہیں مگر اس کی رسی دراز ہوتی جاتی ہی)

ولہا اھیل منتن ۔۔۔ عور الوجوہ سواسیہ
(اس کے رشتے دار گندے، بدصورت معیوب چہرے والے ہیں)

لولا الحیاء بصقت فی ۔۔۔ تلک الوجوہ البالیہ
(اگر حیا مانع نہ ہوتی تو میں ان بوسیدہ جھری پڑے ہوتے چہروں پر تھوک دیتا)

یا یوم معرفتی بہم ۔۔۔ یا زانی ابن الزانیہ

راس دن پر سخت افسوس ہی جب ان سے میری شناسائی ہوئی! افسوس ای زانی، زانیہ کے بچے!)

انشبتنی وعردتنی وقعدت عنی ناحیہ

رتو نے مجھے آگ میں جھونک دیا، مصیبت میں ڈال دیا اور خود الگ جا بیٹھا)

ما کان ھذا منک فی ال ود القدیم جزائیہ

رتیری طرف سے قدیم محبت ودوستی کا یہ بدلہ مجھے نہ ملنا چاہیے تھا)

اسمٰعیل ابن بدر نے جو قصیدہ عبدالرحمٰن الناصر کی مدح میں لکھا تھا وہ درجِ ذیل ہی۔

عذمت البین ارق طرف عین وفرق بین من اھوی وبینی

رئیں فراق کو کوستا ہوں جس نے میری نیند اُڑا دی اور محبوب کے اور میرے درمیان جُدائی ڈال دی)

لقد نام القعید قریر عین بمن بھوی وبت سخین عین

رمحبوب کا ہم نشین جو اسے دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتا ہی سو گیا ہی اور ئیں اپنی گرم و پُر سوز آنکھوں کے ساتھ بیدار ہوں)

اذا وجہ الصباح بدا تھادت رکائبنا ہ ین بعد این

رجس وقت صبح ہوتی ہی تو ہماری سواریاں متواتر تکان کی وجہ سے گر پڑتی ہیں)

فقلبی نازح عنی غریب وجسمی دونہ فی غربتین

رمیرا دل مجھ سے جُدا ہو کر غُربت میں پڑا ہؤا ہی رآپ کے پاس ہی) اور جسم اس سے علیحدہ دُہرے فراق میں مبتلا ہی رآپ کی اور دل کی

دونوں کی جدائی دُکھ دے رہی ہے)

اجوب القفر بعد القفر ابغی　　　　بذاک رضی امام المغربین

(میں بیابان پر بیابان طے کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس طرح امام مغربین (بادشاہ مشرق و مغرب) کی رضا مندی حاصل کروں)

ومن لا ینبغی دعته الی ان　　　　یکون خلیفته بالمشرقین

(وہ امام المغربین جو اس وقت تک آرام نہیں کرے گا مشرق و مغرب کا خلیفہ نہ ہو جائے)

لقد حلت حمیا الراح عندی　　　　وطابت بعد فتحک معقلین

(آپ کے دو ٹلے فتح کر لینے کے بعد شراب ناب مجھ پر حلال ہو گئی ورنہ پہلے حرام تھی)

وآذن کل هم بانفراج　　　　وان یقضی غریمک کل دین

(رنج و غم کے دُور ہو جانے کا اعلان ہو گیا ہے، اور اس کا بھی کہ تیرا مقروض کُل قرضہ ادا کر دے گا)

وهذا البحر یذکر منک عهدا　　　　سقی مغناه نوا لمزرمین

نحن الیک منک طامیات　　　　من الامواج ملاّ الخافقین

(اس کی موجیں جو زمانے کو گھیرے ہوئے ہیں آپ کی مشتاق ہو ہو کر اُٹھ رہی ہیں)

لئن جاشت غوارب بها بماء　　　　اجاج لا یسوغ لواردین

(اگر اس دریا کی لہروں سے ایسا پانی جوش زن ہو جو پینے والوں سے

خوش گوار نہ ہو تو مضائقہ نہیں)

فانت البحر عذبا مستهلا علینا باللنضار وباللجین

(کیوں کہ آپ ایسا شیریں دریا ہیں جو ہم پر سونا چاندی برساتا ہی)

فعش فی غبطة وسرور ملک ندوم له دوام الفرقدین

(تو شادمانی و مسرت کے ساتھ ستارہ ہائے فرقدین کے دوام تک ملک رانی کر)

لقد حلت حمیا الراح اور آذن کل هم والے شعروں کی تشریح یہ ہی کہ جب خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر نے دُوسری چڑھائی کی تو قسم کھائی کہ جب تک یہ قلعہ فتح نہ کرلوں گا کوئی خوشی نہ مناؤں گا۔ اس کی یہ قسم پُوری ہوئی اور بجائے ایک قلعے کے ابنِ حفصون کے دو قلعے فتح ہو گئے اور ان شعروں میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہی۔

امیر المومنین عبدالرحمٰن الناصر اسماعیل ابن بدر کے اس قصیدے سے بہت خوش ہوئے اور کانچ کے ایک قطعے پر ایک مختصر سا محبت نامہ لکھوایا۔ اسماعیل نے اس کے شکریے میں حسب ذیل اشعار پیش کیے۔

قد کنت اوجبت فی الزجاج للراس منی بلا اختلاج

کبیرة اترعت رحیقا صرفا ابت ذلة المزاج

(آپ نے میرے لیے بے تامل ایسی نفیس اور پاکیزہ شراب (محبت) شیشے میں بھردی ہی جو کسی چیز سے مخلوط ہونا اپنی ذلت سمجھتی ہی)

فلم ازل بعد ذا ارجاء لها فهل یا دین لراج

(میں اس شراب کا ہمیشہ سے امیدوار رہا اور تلاش میں رہا کہ کہیں کوئی شخص ایسے امیدوار کو پناہ دے (آپ نے یہ امید پوری کردی)

یا ملکا رائیہ ضیاء　　　فی کل خطب المرداجی
(اے آقا آپ کی رائے ہر تاریک مصیبت میں ایسی روشنی ہے)
کانما الفجر من سناہ　　　فی غسق اللیل ذو ابتلاج
(جیسی رات کی تاریکی میں صبح صادق نمودار ہوتی ہے)
بحر من الجود فاض عذبا　　　طم علی الا بحر الاجاج
(آپ فیاضی کا ایک شیریں دریا ہیں جو روانی اور جوش و خروش میں پُر شور دریاؤں سے بھی سبقت لے گیا ہے)
من لی بیوم بہ قراع　　　لیس اخر کربہ بناجی
(کون میری مدد اس لڑائی میں کرے گا۔ جس میں لڑنے والے کا نجات پانا ممکن نہیں)
بکل بیضاء من راھا　　　یحسبھا شعلۃ السراج
(ایسی چمکتی ہوئی سفید تلواروں سے جن کو دیکھنے والا چراغ کی لو خیال کرے)
لا تنس مولاک فی وغاہ　　　واذکرہ فی حزمۃ الھیاج
(اپنے خادم کو اس کی مصیبت کے وقت فراموش نہ کیجیے بلکہ گھمسان کی لڑائی کے وقت اس کو بھی یاد کیجیے)

عبدالرحمٰن الناصر نے اس کے جواب میں یہ اشعار لکھے ؎

کیف وانی لمن یناجی　　　من لوعۃ الشوق ما اناجی
(جو شخص میری طرح آتش شوق سے پناہ کا طالب ہو اسے کہاں نجات مل سکتی ہے)
الیطمع ان یستریح وقتا　　　او تقتل الراح بالمزاج

(کیا وہ اس طمع میں ہو کہ کسی وقت آرام کرے یا شراب ممزوج پی سکے)

لو حمل الصخر بعض شجوی عاد الی رقة الزجاج

(اگر میرے غم کا بوجھ پتھر پر پڑ جائے تو وہ بھی شیشے کی طرح رقیق ونازک بن جائے)

کنت کما قد علمت الھو اذا انا مما شکوت ناج

(تجھے معلوم ہو کہ جب مجھے سوز دردوں سے (جس کا میں شکوہ سنج ہوں) نجات حاصل تھی تو میں بھی عیش کی داد دیتا تھا)

فصرت للبین فی علاج طمر ار بی علی العلاج

(پھر میں جدائی کا علاج کرنے لگا جو علاج کی حد سے متجاوز ہی)

الورد مما یزید حزنی ویبعث السوسن اھتیاجی

(اور یہ حال ہو گیا کہ گلاب کے پھول سے میرا غم اور بڑھ جاتا ہی۔ اور سوسن کے نظارے سے شوق اور ہیجان پیدا ہو جاتا ہی)

اری لیالی بعد حسن اقبح من اوجه سماج

(خوشی کا زمانہ گزرنے کے بعد میں راتوں کو زشت و مکروہ چہروں سے زیادہ بدنما پاتا ہوں)

لا ترج مما اردت شیئا او یوذن الھم بانفراج

(تو نے جس بات کا ارادہ کیا ہو اس کی امید نہ کر نہ یہ خیال کر کہ غم دور ہو جائے گا)

الناصر کی مدح میں اسمٰعیل ابن بدر کا مندرجۂ ذیل قصیدہ ہی:

لطفت انامله بعقرب صدغه عمدا لیلدغ فی فواد العاشق

(محبوب کی انگلیوں نے ازراہ لطف، عقرب گیسو کو اشارہ کیا تاکہ عاشق

کے دل میں کاٹ لے

وکان شاربہ ھلال طالع ۔ قد خط بالمسک احذق حاذق

(اس کی مونچھیں گویا ہلالِ طالع ہیں جن پر کسی نہایت ماہر صناع نے مشک سے خط کھینچ دیا ہی)

وکانما بجبینہ شمس الضحی ۔ قد قنعت بظلام لیل غاسق

(اور اس کی پیشانی میں گویا آفتاب درخشاں ہی جس کو اندھیری رات کی تاریکی سے ڈھک دیا گیا ہی (مُراد ہی بادلوں سے)

وکان وجنتہ ازاھر روضۃ ۔ یبای بھا السوسان فوق شقائق

(اس کے رُخسار گویا کسی باغ کے پھول ہیں جن کی بدولت گُلِ سوسن کو گُلِ لالہ پر فخر کا موقع مل گیا ہی)

فاذا تلفت قلت صورۃ دمیہ ۔ واذا تبسم قلت خطفۃ بارق

(جس وقت وہ مُڑتا ہی تو ایک پُتلی کی طرح معلوم ہوتا ہی اور جب مُسکراتا ہی تو بجلی سی کوند جاتی ہی)

یا غایۃ الحسن الذی ھو غایتی ۔ کیف احتمالی فی فواد خافق

(ای حُسن مطلق کی انتہا! (کہ میرا مقصود وہی ہی) تو ہی بتا دے کہ میں اپنے تڑپتے ہوئے دل کو کیوں کر سنبھالوں)

حکم الالہ بما تراہ فما اری ۔ من حیلۃ فی وقع حکم الخالق

(جو کچھ تو دیکھتا ہی اس کا حکم خدا کی طرف سے ہو چکا ہی اور خدا کا حکم ٹلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی)

قل للخلیفۃ من امیۃ والذی ۔ ما دون فیض نوالہ من عائق

(بنی امیہ کے خلیفہ سے کہہ دے جس کے فیضِ کرم کا روکنے والا کوئی نہیں)

انسیت من منصورها ورشیدها   وفضحت من مهدیها والواثق

(کہ آپ نے خلفا میں منصور وہارون رشید کو بھلا دیا اور مہدی و واثق کی شہرت کو پست کر دیا)

وحکیت عن عبد الملیک وهذیه   سیما الخلیفة والامام الباسق

(آپ نے عبد الملک (جو بالخصوص عالی رتبہ خلیفہ امام تھے) کی سخاوتوں کی یاد تازہ کر دی)

۱۱ ضیع بعد مواثق لک جمة   فیما مضی اکدتها بمواثق

(کیا میں آپ کے مضبوط اور مؤکد وعدوں کے بعد بھی محروم رہ جاؤں گا)

اس کتاب میں اندلس کی فتوحات اور وہاں کے امرا کے حالات ہیں، جو کچھ جمع کیا گیا تھا اس کا بیان ختم ہو گیا۔

الحمد للہ حق حمدہ والصلوٰۃ علی سیدنا محمد نبیه وعبدہ

تعلیقات ترجمۂ اخبارِ مجموعہ

فہرستِ مآخذ

۱۔ تاریخی جغرافیۂ اندلس (مولوی عنایت اللہ صاحب)

۲۔ قاموس الاعلام زرکلی

۳۔ تاریخ الجزائر محمد بن مبارک الہلالی

۴۔ تاریخ خلافت الاندلس (نواب ذوالقدر جنگ بہادر)

۵۔ تاریخِ اسلام جلد سوم (اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی)

۶۔ سفرنامۂ اندلس (ماسٹر ولی محمد صاحب)

۷۔ رسالۂ تاریخ (ابن الوطیہ)

۸۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ (عبدالفتاح شنتناوی وثابت الفندی وغیرہ)

۹۔ بلاغۃ اہل الاندلس (احمد حنیف)

۱۰۔ مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع (صفی الدین عبدالمومن ابن عبدالحق)

۱۱۔ ترجمہ نفح الطیب (مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم)

تعلیقات اخبارِ مجموعہ

صفحہ ۱۳۴ ا (عبدالملک ابن مروان) خلفائے بنوامیہ میں چوتھے اور مروانیوں میں دوسرے خلیفہ تھے۔ مورخ انھیں ابوالملوک کہتے ہیں کیوں کہ ان کے بیٹوں میں یزید، سلیمان اور ہشام خلیفہ ہوئے۔ ان کی بیعت کا سال ۶۵ھ ہے۔ عبدالملک نے اپنا تمام زمانہ مخالفینِ خلافت کے استیصال اور فتنوں کے فرو کرنے میں گزارا اور ۲۱ سال سلطنت کرکے ۸۶ھ میں وفات پائی۔ حجاج بن یوسف ثقفی کو انھی نے عراقین کا والی مقرر کیا تھا۔ انھی کے زمانے میں عربی حروف اور قرآن کریم پر نقطے لگائے گئے۔ سب سے پہلا طلائی سکہ اسلام میں انھی نے چلایا۔ سرکاری دفاتر فارسی اور رومی سے عربی زبان میں انھی کے عہد میں منتقل ہوئے۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ اور حضرت مصعبؓ بن زبیرؓ انھی کی خلافت میں شہید ہوئے — بہت بڑے ادیب، بڑے زاہد اور اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہہ تھے۔

۲ (عبداللہؓ ابن زبیرؓ) حضرت زبیرؓ ابن العوامؓ ایک عالی مرتبہ صحابی تھے۔ عشرۂ مبشرہ میں ان کا بھی شمار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، انتخابِ خلیفہ کے موقع پر ان کا نام بھی پیش کیا گیا تھا۔ ان کے صاحب زادے (عبداللہ ابن زبیر) اسماء بنتِ ابی بکر حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن سے پیدا ہوئے۔ یہ

پہلے مسلمان ہیں جو مسلمان ماں باپ سے پیدا ہوئے۔ اسی لیے ان کو اوّل مولود فی الاسلام یعنی اسلام میں پیدا ہونے والا پہلا بچّہ کہا جاتا ہے۔ جب خلافتِ راشدہ ختم ہوئی اور خلفاے بنی اُمیّہ میں بھی یزید بن معاویہ کا انتقال ہوگیا تو حجاز و یمن و عراق و خراسان کے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس لیے یہ بنی اُمیّہ خصوصاً عبدالملک ابنِ مروان کے زبردست حریف تھے۔ ان سے اور عبدالملک سے بہت لڑائیاں ہوئیں۔ آخر میں جب حجّاج ابنِ یوسف نے مکّۂ مکرمہ کا محاصرہ کیا اور سردارانِ عرب نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تو یہ ۷۳ھ میں مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔

لہ (ابن الاشعث) ابن الاشعث سے مُراد عبدالرحمٰن بن محمد ابن الاشعث ہیں جو اپنے باپ کے بعد حجّاج کی طرف سے سجستان کے والی مقرر ہوئے تھے۔ ان کی فوج بہت مہذّب اور باقاعدہ تھی۔ جب یہ رتبیل کے کئی شہر فتح کر چکے تو حجّاج کو فتح کی اطّلاع دے کر آیندہ سال تک جنگ ملتوی رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حجّاج نے کسی سابقہ عداوت کی وجہ سے اس ارادے کی مخالفت کی اور لکھا کہ جنگ جاری رکھو ورنہ اپنے آپ کو معزول سمجھو۔ حجّاج کی اس حرکت کا نتیجہ بہت بُرا نکلا۔ سارا لشکر برہم ہوگیا اور سب نے حجّاج کے خلع پر بیعت کی اور بعد میں عبدالملک کے خلع کا بھی ارادہ کر لیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن اور حجّاج کے مابین کئی معرکے ہوئے جن میں حجّاج کو شکست ہوئی۔

ادھر رتبیل شاہِ ترکستان نے صلح کر کے عبدالرحمٰن سے عہد و پیمان

کر لیا تھا۔ ۸۳ھ میں عبدالرحمٰن اس کے مہمان تھے۔ حجاج نے خفیہ کارروائیوں سے رتبیل کو ہموار کر کے عبدالرحمٰن پر قابو پا لیا یعنی رتبیل نے حجاج کے ایما سے عبدالرحمٰن کا سر کاٹ کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔

۵۴ (ازارقہ) خارجیوں کا ایک فرقہ ہے جو اپنے سرگروہ نافع بن الازرق کے نام سے موسوم ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اُمّتِ اسلامیہ میں جو لوگ ان کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں سب مشرک ہیں اسی لیے وہ اپنے سوا تمام مذہب والوں کا خون کرنا جائز سمجھتے تھے اور ان کے بچّوں اور عورتوں پر ہر قسم کا تصرّف روا رکھتے تھے۔ نافع کے قتل ہونے کے بعد ازارقہ نے عبیداللہ ابن ماحوز سے بیعت کی۔ ۶۶ھ میں عبیداللہ بھی قتل ہو گیا۔ پھر یہی حشر عبیداللہ کے جانشین زبیر ابنِ ماحوز کا ہوا۔ اب یہ گروہ قطری بن الفجاءۃ کی قیادت میں آیا جب ۷۷ھ میں قطری بھی مارا گیا تو ازارقہ کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور تاریخ ان کے ذکر سے خالی رہ گئی۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ صفحہ ۳۲)

۵۵ (ولید بن عبدالملک) ان کی کنیت ابوالعباس ہے۔ عبدالملک کے بعد ۸۶ھ میں تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے فتوحات کو وسعت دینے کے لیے جا بجا بہت سی فوجیں روانہ کیں۔ موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد جیسے نامور جنرل انھی کے عہد میں مشہور ہوئے۔ ان کے عہد میں بلادِ ہند، ترکستان اور اطرافِ چین تک سلطنت کی حدود اتنی بڑھ گئی تھیں کہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے مابین چھ چھ مہینے کی مسافت تھی۔ انھیں تعمیرات خاص شغف تھا۔ کنوئیں کھدوانا، میدانوں کو ہموار کرانا، فوّارے بنوانا، سڑکیں درست کرانا وغیرہ

اصلاحی کام ان کے دور کی ممتاز خصوصیت ہے۔ اسلامی حکومت میں سب سے پہلے شفا خانے انھی نے بنوائے، قاریوں کی تنخواہیں اور روزینے مقرر کیے تھے۔ غربا اور مسافروں کے واسطے سرائیں اور اقامت خانے بنوائے تھے۔ مسجد نبوی صلعم اور اس سے متعلقہ مکانات گروا کر دوبارہ تعمیر کرائے۔ مکہ معظمہ میں میزاب اور اساطین میں توسیع کی، قدس میں مسجد اقصیٰ کی ترمیم و تعمیر کی، اور دمشق میں جامع الاموی کے نام سے ایک عظیم الشان جامع مسجد بنوائی جس میں (۱۱۲۰۰۰۰) دینار یعنی آج کل کے حساب سے چھ ملین پونڈ انگریزی صرف ہوئے۔ ۸۸ھ میں اس کی تعمیر شروع کی تھی مگر عمارت کی تکمیل ان کے عہد میں نہ ہوسکی۔ ان کے بھائی سلیمان نے پوری کی۔ ولید نے ۹۶ھ میں وفات پائی۔

صفحہ ۲۴ (افریقیہ) یہ ایک بڑی وسیع و عریض مملکت کا نام تھا۔ اس کے حدود حسب ذیل تھے:۔ طرابلس الغرب سے برقہ و اسکندریہ کی سمت میں بلنسیہ تک اس کی مسافت طول میں ڈھائی ماہ کی تخمینی مدت میں طے ہوتی تھی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ افریقیہ کا طول مشرق میں برقہ سے لے کر مغرب میں طنجہ تک ہے اور عرض سمندر سے لے کر سوڈان کے ریگستان تک ہے۔ اس ملک میں بڑے بڑے پہاڑ اور ریگستان ہیں جو مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔ (مراصد الاطلاع)

۵۲ (عقبہؓ بن نافع) پورا نام عقبہؓ بن نافع بن عبدالقیس القرشی الفہری ہے۔ صدر اسلام کے زبردست فاتحین میں ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے مگر صحابی کا درجہ نہ پاسکے۔ تابعین میں

شمار ہوتے ہیں۔ فتح مصر میں موجود تھے۔ حضرت عمرو بن العاص کے خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت عمرو نے انھیں سنہ ۴۲ھ میں مصر کا والی بناکر بھیجا اور انھوں نے سوڈان کے بہت سے علاقے فتح کیے۔ جب ان کی شہرت بڑھی تو سنہ ۵۰ھ میں حضرت معاویہ نے انھیں افریقیہ کا مستقل والی بناکر دس ہزار سپاہی ان کے تحت میں دیے۔ جنھیں لے کر یہ بلادِ افریقیہ میں گھُسے اور وادیِ قیروان تک پہنچ گئے۔ اس مقام کو پسند کرکے وہاں مسجد بنائی اور لوگوں کو وہاں رہنے اور مکان بنانے کا حکم دیا۔ اس طرح شہرِ قیروان کی بنا ڈالی۔ سنہ ۵۵ھ میں حضرت معاویہ نے معزول کر دیا تو مشرق کی طرف مراجعت کی۔ حضرت معاویہ کی وفات کے بعد سنہ ۶۲ھ میں یزید نے پھر مغرب کا والی بنادیا اور انھوں نے قیروان پہنچ کر ایک زبردست فوج سانٹھ لی اور بہت سے قلعے اور شہر فتح کر ڈالے۔ پھر یہ زاب اور تاہرت کی طرف مغربِ اقصیٰ اور بحرِ محیط تک بڑھ گئے۔ واپسی میں لشکر آگے گیا تو فرنگیوں نے موقع دیکھ کر انھیں گھیر لیا اور ان کی قلیل جماعت کے افراد بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ (قاموس الاعلام۔ زرکلی)

ان کا مزار افریقیہ کے اس گانو میں واقع ہے جسے آج کل سیدی عقبہ کہتے ہیں۔ (سفرنامۂ اندلس)

۳۵ (قیروان) یہ مقام پہلے درندوں کا مسکن تھا۔ پہلے سنہ ۵۰ھ میں حضرت عقبہ نے اس مقام پر احاطے کی دیواریں بنوائیں اور وسط میں نیزہ گاڑ کر کہا "یہ تمھارا قیروان ہے"۔ قیروان دراصل کاروان کا معرب ہے۔ اس شہر کی تعمیر میں حضرت عقبہ نے رومانی کھنڈروں کا ملبہ صَرف

کیا تھا۔

۵۴ (عبداللہ بن سعد بن سرح عامری) بنی عامر سے تعلق رکھتے تھے، صحابی تھے۔ افریقیہ کے لیے جو سب سے پہلی مہم بھیجی گئی تھی یہ اس کے سپہ سالار تھے۔ اس مہم میں حضرت حسین و حضرت حسن، عبداللہ بن عبّاس اور عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ پھر عبداللہؓ بن الزبیرؓ بھی شامل ہو گئے۔ ان کی سرکردگی میں افریقیہ کا پایۂ تخت سبیطلہ فتح ہوا اور وہاں کا فرماں روا گریگوریس جس کو عرب مورّخ جرجیر لکھتے ہیں میدانِ جنگ میں قتل ہوا۔ اس طرح افریقیہ کا پورا علاقہ مطیع ہو گیا۔ اس کے بعد یہ اپنی فتوحات کو قصر الجم تک وسعت دے کر ایک سال تین ماہ تک افریقیہ ہی میں رہے۔ اہلِ افریقیہ نے بہت سامان و دولت نذر دے کر صلح کی درخواست کی۔ اس کے بعد مشرق کی طرف واپس ہوئے۔ جب صفین کی لڑائیاں ہوئیں تو یہ ان سے الگ رہے پھر مصر کی نیابت تفویض ہوئی۔ ان کی وفات ۳۷ھ میں ناگہانی ہوئی۔ عسقلان میں نماز پڑھتے پڑھتے انتقال ہو گیا۔

(تاریخ الجزائر و قاموس الاعلام جلد دوم صفحہ ۵۷)

صفحہ (۵) (ٹیونس) شمالی افریقیہ کا مرکزی شہر ہے۔ آج کل یہاں کی آبادی تقریباً دو لاکھ ہے۔

۵۶ (سبرہ) صاحب مراصد الاطلاع نے کتاب السین میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ افریقیہ میں ایک شہر ہے مگر ہسپانی نسخے میں سبرہ کو قیروان کا ایک محلہ ظاہر کیا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔

۵۷ (یزید بن معاویہ ابن ابی سفیان) بنی اُمیہ کا دوسرا خلیفہ۔

۲۵ھ میں پیدا ہوا۔ ۶۰ھ میں خلافت ملی۔ ۶۴ھ میں وفات پائی۔
حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ اسی کے عہد میں ہوا۔ مغرب اقصلی
حضرت عقبہ بن نافع کے ہاتھوں اسی کے عہد میں فتح ہوا۔

۵۸ (الجزیرہ) الجزیرہ سے مُراد جزائر شرق الاندلس ہیں جن کو
آج کل جزائر بلارک Baleric Islande. کہتے ہیں۔

سب سے قدیم زمانے میں یہ جزیرے ملکِ شام کے بنو کنعان
(فینیقین) کے قبضے میں رہے، ان کے بعد قرطاجنہ اور رومہ والوں نے
فرماں روائی کی۔ پھر قوم واندال نے فتح کیا۔ آخر میں ۵۳۴ء میں رومی
کی مشرقی سلطنت کا تسلط ہوا۔ اسی کے تسلط کے زمانے میں موسی بن
نصیر، خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں افریقیہ کی ولایت پر مامور
ہوئے۔ موسی نے افریقیہ کے بربری قبائل پر بڑی فتوحات حاصل کیں
اور اپنے بیٹے عبداللہ کو اُن جزائر کی مہم پر بھیجا۔ عبداللہ نے ان جزیروں
کو فتح کر لیا۔ ان جزائر پر مسلمان پانچ سو سترہ برس کے قریب حکمراں
رہے۔ الجزیرہ میں تین جزیرے شامل ہیں جن کے نام میورقہ، منورقہ
اور یابسہ ہیں۔ (تاریخی جغرافیۂ اندلس صفحہ ۱۹۹)

۵۷ (طنجہ) مراکش کا ایک مشہور بین الاقوامی شہر ہے جس کی
آبادی آج کل تقریباً ستر ہزار ہے۔ پہلے یہی شہر تنغیس بھی کہلاتا تھا
اور آج کل تنجیر یا تنجیرس کے نام سے مشہور ہے۔ (سفر نامۂ اندلس)

۵۹ (حضرت عقبہؓ کی شہادت) ان کی شہادت کا کسی قدر حال
پہلے لکھا جا چکا ہے۔ مزید تشریح یہ ہے کہ جب یہ یزید ابن معاویہ کے عہد
میں ۶۲ھ میں افریقیہ کے دوبارہ والی مقرر ہو کر آئے تو انھوں نے

ابو مہاجر والیِ افریقیہ کو قید کر کے ان کے ساتھ ان کے دوست کسیلہ بربری کو بھی قید کر دیا۔ اس لیے کسیلہ ان سے بہت کینہ رکھنے لگا۔ جب حضرت عقبہؓ باغایہ، لمبس وغیرہ فتح کر کے شہرِ طنجہ میں داخل ہوئے تو تمام ملک کی فتوحات مکمّل ہو جانے کی وجہ سے مطمئن ہو گئے اور ۶۳ھ میں قیروان واپس ہوتے وقت اپنا لشکر پہلے سے روانہ کر دیا اور خود منتخب بہادروں کی مختصر سی جمعیت لے کر اطمینان کے ساتھ مقامِ تہودہ میں ٹھیر گئے۔

اس مقام پر کسیلہ بربری نے عقبہؓ کو غافل اور کم زور سمجھ کر مخفی ذرائع سے رومی اور بربری جتھوں کو خبر پہنچا دی اور بے شمار رومی اور بربری فوجوں نے حضرت عقبہؓ اور ان کے تین سو آدمیوں کو گھیر لیا۔ حضرت عقبہؓ کی جمعیت بربریوں اور عیسائیوں کی لاتعداد فوج کے مقابلے میں ہیچ تھی۔ تاہم ان بہادروں نے نہ اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کیا نہ فرار ہوئے بلکہ مارتے مرتے ہوئے ایک ایک کر کے ختم ہو گئے۔ (تاریخ الجزائر۔ محمد ابن مبارک)

صفحہ ۳۵ ؎ (موسیٰ بن نصیر) لخمی۔ ابو عبد الرحمٰن کنیت۔ بنو لخم کے خالص عربی النسل شخص تھے۔ سنہ ۱۹ھ میں بہ مقام وادی القریٰ (حجاز) پیدا ہوئے۔ ان کے والد حضرت معاویہ کی طرف سے سپہ سالار تھے۔ ان کی تربیت دمشق میں ہوئی۔ سنہ ۸۸ھ میں خلیفہ ولید نے انھیں شمالی افریقیہ کا گورنر مقرّر کیا۔ سنہ ۹۷ھ میں وادی القریٰ میں وفات پائی۔

(قاموس الاعلام)

؎ (خالدؓ بن الولیدؓ) بن المغیرۃ المخزومی القرشی۔ سیف اللہ لقب

تھا۔ صحابی اور صدرِ اسلام کے نام ور فاتح تھے۔ جاہلیت میں بھی قریش کے اشراف میں ممتاز تھے۔ فتح مکّہ سے قبل حضرت عمرؓو بن العاص کے ساتھ اسلام لائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی خلافت میں مسیلمہ اور دوسرے مرتدین سے لڑنے کے لیے انھی کو بھیجا۔ پھر ۱۲ھ میں عراق بھیجے گئے۔ جزیرہ ان کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اس کے بعد شام کے امیر مقرر ہوئے پھر حضرت عمر فاروق نے اپنے عہد میں انھیں عساکرِ شام کی قیادت سے معزول فرمایا اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو لشکر کی ولایت عطا کی تب بھی یہ ان کی کمان میں لڑتے رہے یہاں تک کہ ۱۴ھ میں فتح کامل ہو گئی۔ اعلیٰ درجے کے فاتح، خطیب اور فصیح اللسان مجاہد تھے۔ اوصاف و اخلاق میں حضرت عمرؓ سے بہت مشابہ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا قول ان کی نسبت مشہور ہے کہ "عورتیں خالد جیسا شخص پیدا کرنے سے عاجز رہ گئیں"۔ ۲۱ھ میں انتقال ہوا۔

(قاموس الاعلام)

۵۳ (عین التمر) فرات کی مغربی سمت میں ایک چھوٹا سا شہر ہے جس کے آس پاس مختلف گانو آباد ہیں۔ یہ مقام بلد العین کے نام سے بھی مشہور ہے۔ (مراصد الاطلاع۔ کتاب العین صفحہ ۲۹۴)

۵۴ (عبدالعزیز بن مروان) مروان بن حکم خلیفۂ ثالث بنی امیہ کے بیٹے اور باپ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے۔ بڑے سخی، بہادر اور سیاست داں سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ ابن عبدالعزیز انھی کے صاحب زادے ہیں جو 'عمرِ ثانی' کے نام سے مشہور ہیں۔

ہ (طارق بن زیاد) تقریباً سنہ ھ میں پیدا ہوئے.
نسلاً بربری تھے۔ موسیٰ بن نصیر والیٔ افریقیہ کے ہاتھ پر اسلام لائے
اسی لیے ان کے مولیٰ کہلائے۔ چوں کہ مولیٰ کے معنی "آزاد کردہ غلام"
بھی ہیں اس لیے علی العموم موسیٰ کے غلام کہلاتے ہیں۔ ان کے حالات
سے اندلس کی تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ کتاب زیرِ تحشیہ میں بھی ان
کے واقعات بہت تفصیل سے درج ہیں۔

ہ (بلاد بربر) بربر ایک ایسا نام ہے جو کثیر التعداد قبائل پر
شامل ہے و یہ قبائل جبالِ مغرب میں برقہ سے بحرِ محیط کے ساحل تک
اور جنوب میں بلادِ سوڈان تک پھیلے ہوتے ہیں۔ ان کے قبیلوں اور
قوموں کا شمار آسان نہیں۔ ان علاقوں میں جس مقام پر جو قبیلہ مقیم
ہوگیا وہ مقام اسی قبیلے کے نام سے موسوم ہوگیا۔ ان میں سے چند
کے نام یہ ہیں۔ ہوارہ، امنامہ، ضریسہ، مغبسہ، رنجومیہ، لیطہ، صدینہ،
مصمودہ، غمارہ، کمناسہ، قالبہ، واربہ، اتبنہ، کومیہ، سخور امکنتہ، ضرزبالہ،
قططہ، جیر، برانش، اکلان، قصدران، زرنجی، برغواطہ، زواغہ، کرلہ.

(مراصد الاطلاع)

ہ (اس کے بعد موسیٰ نے الخ) اس وقت تک موسیٰ کے ہاتھوں
تمام افریقیہ فتح ہوچکا تھا۔ مزید فتوحات کی اس لیے ضرورت تھی
کہ افریقیہ کی تمام قومیں مسلمان ہونے کے بعد پچاس برس کے اندر عربوں
سے ہم سری کا دعویٰ کرنے لگیں اور ان میں بغاوت و سرکشی کے آثار
پیدا ہوگئے۔ عرب حکام خصوصاً موسیٰ نے بڑی دُور اندیشی کے ساتھ
انھیں ملک گیری اور فتوحات وغیرہ جنگ جویانہ مشاغل میں مصروف

کر دینا ضروری سمجھا اس لیے وہ تمام نو مسلم افریقی اقوام کی فوج تیار کر کے اندلس کے ساحلی شہروں کی طرف بڑھے جو اندلس کے مقبوضہ تھے۔

(تاریخ خلافت الاندلس)

صفحہ ۳۶ لہ (سبتہ) پہلے یہ مقام بیزنطینی سلطنت کا علاقہ تھا، پھر افریقیہ کی حدود میں داخل ہوا۔ اس کے بعد اندلس کی قربت کی وجہ سے سلطنتِ اندلس کے مضافات میں شامل ہو گیا۔ اب یہ مراکش کا ایک متوسط درجے کا شہر ہے۔ فتوحاتِ اسلام کے دوران میں یلیان (کاونٹ جولین) اسی شہر کا گورنر تھا۔

(یلیان) اصل نام کاونٹ جولین ہے۔ رذریق سے پہلے جو بادشاہ اندلس کا فرماں روا تھا۔ یہ اس کا قریبی رشتے دار تھا اور شاہی خاندان کا رکنِ اعظم تھا۔ سبتہ کی گورنری اسی کو تفویض تھی۔ رذریق کے زمانے میں یہ اپنی لڑکی (فلورنڈا) کی بے آب روئی کا انتقام لینے کے لیے مسلمانوں سے مل گیا۔ بعض تاریخیں اس کے مسلمان ہونے کی بھی تائید کرتی ہیں اور اس کا اسلامی نام مسلم ظاہر کرتی ہیں۔

لہ (غیطشہ) عربی تاریخوں میں قوم قوط کے آخری بادشاہ کا نام غیطشہ ہی لکھا ہے مگر بعض اردو ترجموں میں وٹیزا اور اسپینش اسلام' ڈوزی میں وٹیکا درج ہے۔ اس بادشاہ کی نسبت عربی مؤرخین کا بیان ہے کہ اجلِ طبیعی سے مرا اور اس کے بعد رذریق کو بادشاہ بنایا گیا مگر انگریزی اور اسپینی زبان کی تاریخوں سے اس کے قتل پر زیادہ روشنی پڑتی ہے یعنی رذریق نے امرائے ملک کی مدد سے وٹیکا کو معزول کر کے قید کیا اور مار ڈالا۔ اس کے بعد خود تخت پر قابض ہو گیا۔ اس

بادشاہ کا زمانہ اوائل ۷۱۰ء سمجھنا چاہیے۔

۳۵ و ۳۶ مُصنّف اخبار مجموعہ نے شنبرت اور ابہ کو غیطشہ کی اولاد لکھا ہی، مگر عربی کی دوسری تاریخوں میں ضیطشہ کے تین بیٹے مذکور ہیں۔ ڈوزی نے اسپینش اسلام میں ابتہ Oppas کو وِیٹیکا کا بھائی لکھا ہی۔

اولادِ ضیطشہ کی نسبت یہ بیان کم زور معلوم ہوتا ہی کہ اہلِ ملک نے انھیں پسند نہ کیا اس لیے رذریق کو بادشاہ بنالیا گیا۔ صحیح یہ ہی کہ رذریق نے تختِ اندلس پر غاصبانہ قبضہ کرکے شاہِ ضیطشہ کو قتل کر ڈالا تھا۔ اس کی اولاد کے رذریق سے متنفّر ہونے کی یہی وجہ زیادہ قوی معلوم ہوتی ہی۔ اسی لیے انھوں نے رذریق سے غدّاری کی ٹھان لی اور انتقام لینے کے لیے مسلمانوں سے مل گئے۔

۳۸ (رذریق) اصل نام راڈرک Roderick ہی۔ یہ قومِ قوط کا آخری بادشاہ تھا جو ضیطشہ کے بعد تخت پر قابض ہوا تھا۔ باقی حالات خود کتاب زیرِ نظر میں دیکھیے۔

صفحہ ۳۶ (طلیطلہ) ٹولیڈو Toledo۔ وسطی اندلس کے ایک صوبے اور اس کے دارالحکومت کا نام ہی۔ یہ علاقہ زیادہ تر کوہی ہی مشرقی اور جنوبی حصّے میں جبلِ طلیطلہ کے سلسلے پھیلے ہوئے ہیں مگر بڑے بڑے وسیع ہموار اور مرتفع قطعات بھی موجود ہیں۔ شہرِ طلیطلہ سنگِ خارا کی ایک ناہموار پہاڑی پر آباد ہی جس کو سمتِ شمالی کے سوا باقی اطراف میں دریائے تاجہ گھیرے ہوئے ہی۔ شمالی سمت میں ایک دوسری فصیل نہایت مستحکم بنی ہوئی ہی مسلمانوں سے پہلے

یہی شہر اندلس کا دارالسلطنت تھا۔ مسلمانوں نے طلیطلہ سے قرطبہ میں منتقل کر لیا۔ اس شہر میں مسلمانوں کے دورِ عروج کے عجیب وغریب آثار اب بھی موجود ہیں جو ان کے کمالِ صنعت و مہارتِ تعمیر کی زندہ شہادت ہیں۔ اس مختصر میں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ اس شہر کے تاریخی حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ پہلے آئی بیری قوم کارپی ثانی کا مسکن تھا۔ پھر ۱۹۳ء میں رومیوں کا قبضہ ہوا۔ ۴۱۹ء میں قوطیوں کا دخل ہوا۔ جو ۷۱۱ھ تک قائم رہا۔ اسی سال یعنی ۹۲ھ مطابق ۷۱۱ء میں طارق بن زیاد نے اسے فتح کیا۔

(ج۔۱)

صفحہ ۲۷ ۱ (ریلیان کی لڑکی) اس لڑکی کا نام فلورنڈا تھا۔ یہ شاہِ ضیطشہ یا وتیکا کی نواسی تھی۔ اس کا باپ کاونٹ جولین ضیطشہ کا داماد تھا۔ اُردو کی بعض کتابوں میں اس کاونٹ کو ضیطشہ کا خسر لکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔

۲ (طریف) ان کی کنیت ابوزرعہ تھی۔ رمضان ۹۱ھ میں سب سے پہلے انھی نے اندلس کی سرزمین پر قدم رکھا اور پہلی فتح کا سکہ جمایا۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

صفحہ (۲۸) ۱ (جزیرۂ طریف) یہ پُرانا شہر مغربی اندلس کے صوبۂ قادس Cadiz. کے جنوبی حصے میں آبنائے جبل الطارق سے اٹھارہ میل مغرب میں واقع ہے۔

۲ جس بلند پہاڑی کو جائے پناہ قرار دیا تھا یہ وہی ہے جس کا نام جبل الطارق یا جبرالٹر رہتی دنیا تک مشہور رہے گا۔ یہ پہاڑی

جزیرۃ الخضرا کے منتہیٰ پر واقع ہے۔ اسی کے نیچے شہر قرطیجہ .Cartoya آباد ہے۔

طارق نے مسلمانوں میں یک سوئی اور جان نثاری کے جذبات پیدا کرنے کے لیے ایک دلیرانہ کام یہ بھی کیا تھا کہ جب موسیٰ کی بھیجی ہوئی اور طارق کے ساتھ کی ہوئی سب فوجیں اندلس میں آگئیں تو طارق نے مسجد تعمیر کرنے کے بعد سب سے پہلے جہاز اور کشتیاں جلا ڈالیں تاکہ مسلمانوں کے دل سے بھاگنے اور پسپا ہونے کا خیال ہی نکل جائے. اس موقع پر کسی نے اعتراض کیا تھا۔ اس اعتراض اور طارق کے جواب کو علامہ اقبال مرحوم نے ذیل کے قطعے میں نظم کیا ہے ؎

طارق چو برکنارۂ اندلس سفینہ سوخت — گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطاست

دوُریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم — ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست

خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت — ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

جہاز اور کشتیاں جلانے کا واقعہ نہایت مشہور ہے اور بہت کم تاریخیں اس کے ذکر سے خالی ہیں ۔ تعجب ہے کہ اخبار مجموعہ کے مصنف نے اتنے اہم واقعے کو نظر انداز کر دیا۔

اس موقع پر طارق نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے جو لاجواب تقریر کی تھی وہ عربی خطابت اور فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔

صفحہ (۳۹) لہ (بنبلونہ) یہ شہر شمالی اندلس کے صوبہ نبرہ یا نوار (NAVARRA) کا صدر مقام ہے اور رومی فاتح پامپی کی یادگار ہے۔ پہلے اسی کے نام پر پمپلونہ (RAMPLONA) تھا، عربوں نے بنبلونہ کرلیا۔ یہاں

رذریق کے عہد میں ایک بغاوت ہوئی تھی جسے فرو کرنے کے لیے رذریق خود گیا ہوا تھا۔ صوبۂ نوار ایک پہاڑی علاقہ ہے جس میں زراعت کم ہوتی ہے۔

صفحہ (۲۹) لہ (فتح جزیرہ) بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ الجزیرہ فتح کر کے طارق نے جن قیدیوں کو سزائے قتل دی تھی ان کے ٹکڑے ٹکڑے کروا کے دیگوں میں اُبلوا دیا تھا اور باقی قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ طارق کی یہ ایک جنگی چال تھی جس سے دشمنوں پر رُعب ڈالنا مقصود تھا۔ چناں چہ اس حرکت سے جدید حملہ آوروں کی ہیبت اہل اندلس پر بہت چھاگئی اور سب لوگ مسلمانوں سے خوف زدہ ہوگئے۔ (ابن القوطیہ)

سلہ (البحیرہ) یہ اندلس کی ایک اقلیم یا صوبے کا نام ہے۔ انگریزی میں اس کا نام Lagunadela Janda. ہے۔ اس صوبے کی ابتدا بحرِ ظلمات Atlantic Ocean. سے ہے اور بحرِ شام کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے۔ اس میں شریف ادریسی کے بیان کے مطابق جزیرۂ قادس، قلعۂ ارکش، بکہ، شریش، مدینہ ابن سالم اور طشانہ شامل ہیں۔ مگر اب ان میں سے شہرِ طشانہ صوبۂ اشبیلیہ میں ہے اور باقی سب شہر صوبۂ قادس میں شمار ہوتے ہیں۔ (جغرافیۂ اندلس)

سلہ اس عظیم الشان جنگ کا میدان بعض تواریخ میں اس مقام کو ظاہر کیا گیا ہے جو دریائے وادی لکہ کے بہاؤ پر واقع ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ جنگ البحیرہ کے قریب رود برباط یا وادیِ بکہ کے ساحل پر ہوئی۔ (سفرنامۂ اندلس۔ اسپینش اسلام)

صفحہ ۱۷۱ ؎ جب طارق ابن زیاد اندلس میں داخل ہوئے تو رذریق نے عیطشہ شاہِ مقتول کی اولاد سے مدد مانگی۔ یہ لوگ بہ ظاہر تعمیلِ حکم پر آمادہ ہوئے اور فوجیں تیار کر کے میدانِ جنگ میں آئے مگر انھوں نے راتوں رات طارق کے پاس کہلا بھیجا کہ رذریق ہمارے باپ کا غلام اور ہمارے دروازے کا کتّا تھا۔ اگر آپ لوگ ہمیں امان دیں تو ہم صبح کو آپ کے لشکر میں آملیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کے صلے میں ہمارے باپ کی متروکہ جائداد ہمیں مل جائے۔ اس جائداد میں تین ہزار کھیت تھے۔ طارق نے یہ شرط منظور کی اور انھیں موسیٰ بن نصیر کے پاس بھیج دیا۔ موسیٰ نے اپنی سفارش کے ساتھ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس روانہ کر دیا۔ ولید نے طارق کا وعدہ بحال رکھا اور بادشاہ کے تینوں بیٹوں کو تین ہزار کھیتوں کی مطلوبہ اراضی کے فرمان عطا کر دیے۔ اس اراضی کا نام صنایا الملوک قرار پایا۔ (ابن القوطیہ و اسپینش اسلام)

؎ (استجہ) انگریزی میں .Ecija ہے۔ آج کل صوبۂ اشبیلیہ .Savilla کے ایک ضلع کا صدر مقام ہے اور دریائے شنیل .The Xenil کے بائیں کنارے پر آباد ہے۔ یہاں دریا پر ایک پرانا پل ہے۔ پرانے کتبے، دو دروازوں اور فصیلوں کے قدیم آثار اب تک موجود ہیں۔ رومانیوں کے زمانے میں یہ شہر قرطبہ اور اشبیلیہ کا ہم سر تھا۔ ۹۲ھ میں طارق ابن زیاد نے اسے فتح کیا۔ پھر تقریباً (۵۲۹) برس مسلمانوں کے قبضے میں رہنے کے بعد عیسائیوں کی حکومت میں چلا گیا۔ (جغرافیۂ اندلس)

سے (مغیث رومی) قرطبہ کے فاتح ہیں۔ ان کا پورا نام مغیث بن الحرث بن الحویرث بن جبلہ بن الایہم الغسانی ہے۔ روم سے قید کر کے مشرق میں پہنچائے گئے اور عبد الملک ابن مروان نے اپنے بیٹے ولید کے ساتھ ان کی پرورش کی۔ دمشق میں تربیت پاکر طارق فاتح اندلس کے ساتھ ملکِ اندلس میں آئے۔ طارق نے انھیں فتح قرطبہ پر متعین کیا اور شوال ۹۲ھ میں یہ فتح قرطبہ سے فارغ ہوئے پھر تین مہینے کے محاصرے کے بعد محرم ۹۳ھ میں وہ کنیسہ فتح کیا جس میں شاہ قرطبہ جاکر قلعہ بند ہوا تھا۔ خاندانِ بنو مغیث کی بنیاد ڈالی جو بہت پھلا پھولا اور قرطبہ کے معززین میں نام ور ہوئے نہایت فصیح البیان شخص تھے۔ نظم و نثر بہت اچھی لکھتے تھے۔ فنِ سپاہ گری کے ماہر تھے۔ بڑے بہادر اور جفاکش تھے۔ ان کی ولادت و وفات کا سال معلوم نہ ہو سکا۔ (نفح الطیب)

سے (قرطبہ) Cardova. جنوبی اندلس کے ایک بڑے صوبے اور اس کے خاص شہر کا نام ہے۔ اس کا پرانا اسپینی نام 'کوردویہ' تھا۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں علاقہ قرطبہ کی وسعت، موجودہ صوبۂ قرطبہ کی وسعت سے کسی قدر زیادہ تھی۔

اس شہر کے عجیب و غریب آثار اور اُس کی وسعت و سرسبزی وغیرہ امور کے حالات سے بڑی بڑی کتابیں بھری ہیں۔ ضروری تفصیل اور تاریخی واقعات جغرافیۂ اندلس مؤلفہ مولوی عنایت اللہ صاحب سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس کا نام قرطبہ شام کے قدیم باشندوں یعنی فینیقی قوم کے لوگوں نے رکھا تھا جس کے معنی خوب صورت شہر کے ہیں

(جغرافیۂ اندلس، سفرنامۂ اندلس ماسٹر ولی محمد صاحب)

صفحہ (۴۲) لہ ریّہ Regio. یاقوت حموی کے بیان کے مطابق ریّہ ایک نہایت وسیع، زرخیز اور کثیر المحاصل کورہ (صوبہ) تھا اور تیس ضلعوں پر منقسم تھا۔ الرازی نے لکھا ہی کہ رَے کے بہت سے لوگ اندلس میں آکر آباد ہو گئے تھے اور رَے (ملکِ ایران) کے نام پر اس علاقے کا نام ریّہ ہو گیا تھا۔ جب اندلس میں مختلف قبائل کو مختلف قطعات تقسیم ہونے لگے تو رَے کے باشندوں کو مالقہ کے قریب سکونت کے لیے زمینیں ملیں اور وہ اس علاقے کو ریّہ کہنے لگے۔ جیسے قنسرین والے جیان کو قنسرین حمص والے اشبیلیہ کو حمص اور شام والے غرناطہ کو شام کہنے لگے اور مصر والوں نے مرسیہ کو مصر کہنا شروع کیا۔ غرض صوبۂ مالقہ کو اگرچہ بالعموم اقلیم ریّہ کہا جاتا ہی لیکن اہلِ رَے نے ریّہ نام کا ایک شہر بھی آباد کیا تھا۔

سلہ (غرناطہ) Granada. غرناطہ جنوبی اندلس کے ایک صوبے اور اس کے دارالحکومت کا نام ہی۔ یہ اندلس کا نہایت مشہور شہر ہی۔ عربی دَور میں غرناطہ کو شام یعنی دمشق کہتے تھے جس کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ فتحِ اندلس کے بعد دمشق کے رہنے والے عرب، غرناطہ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہی کہ غرناطہ دمشق سے بہت مشابہ تھا۔ دمشق کی طرح اس میں بھی متعدد چشمے، درخت اور سبزہ زار تھے۔ ابن مالک الرعینی کا قول ہی کہ غرناطہ دمشقی عربوں کے وطن سے بہت مشابہ تھا اس لیے لشکرِ دمشق کے لوگ وہاں آباد کیے گئے تھے۔ اسلامی سلطنت اندلس کے آخری دَور میں غرناطہ بنی نصر

کی سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔ آج کل اس کی آبادی اسّی ہزار ہے مسلمانوں کے وقت میں دو لاکھ تھی۔ اس شہر میں اسلامی تمدّن کی بے شمار نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ اندلس میں اسلامی سلطنت کا اختتام ہوا۔

(جغرافیۂ اندلس)

سے البیرہ Elbira سلاطینِ بنی اُمیّہ کے زمانے میں البیرہ سے وہ صوبہ مُراد تھا جسے بعد میں اقلیم غرناطہ کہنے لگے۔ اہلِ عرب کے عہد میں اس صوبے کا سب سے ممتاز شہر یا دارالحکومت قسطیلہ تھا اس لیے قسطیلہ کو مدینۃ البیرہ بھی کہتے تھے۔

شہرِ قسطیلہ دریائے شینل Thexenil سے شمال کی طرف شہرِ غرناطہ کے قریب واقع تھا۔ سنہ ھ میں جب اندلس میں اموی خلافت کا زوال شروع ہوا تو بربریوں کی بغاوتوں کی وجہ سے مدینۃ البیرہ کی ترقی بند ہوگئی اور لوگ پاس کے شہر غرناطہ میں آباد ہونے لگے اور اقلیم البیرہ کا خاص شہر غرناطہ بنا لیا گیا۔ (ج۔۱)

سے (شقندہ) Xecunda یہ قصبہ شہرِ قرطبہ سے جنوب مشرق میں وادی الکبیر کے اس پار واقع تھا۔ رومیوں کے عہد میں شہر تھا لیکن جب مسلمانوں نے فتح کیا اس وقت محض گانو کی حیثیت رکھتا تھا۔ وادی الکبیر کے ایک طرف قرطبہ اور دوسری طرف شقندہ واقع تھے۔ وادی الکبیر درمیان میں حائل تھا۔ سلاطینِ مروانیہ کے زمانے میں جب قرطبہ کا شہر بڑھا اور دریا کے دونوں کناروں پر عمارتیں بن گئیں تو شقندہ ایک علیحدہ گانو رہنے کے بجائے قرطبہ کا ایک حصّہ بن گیا۔

ھ طریل Tarcail اس کی جغرافیائی تشریح کسی کتاب

سے معلوم نہ ہو سکی۔ خود اخبارِ مجموعہ سے معلوم ہوتا ہو کہ قرطبہ کے قریب کا کوئی مقام تھا طرسیل اور شقندہ کے درمیانی کھیتوں کو مغیث نے اپنی کمین گاہ بنایا تھا۔

صفحہ (۲۴۴) ۵۱ دسلہ (باب الصورۃ) یہ شہرِ قرطبہ کے ایک دروازے کا نام ہو جسے صاحبِ اخبارِ مجموعہ نے باب القنطرہ اور باب الجزیرہ بھی لکھا ہو۔ جغرافیۂ اندلس سے معلوم ہوا ہو کہ قرطبہ کا ایک دروازہ باب جزیرۃ الخضرا کے نام سے تھا۔ یہ دروازہ جنوب رویہ واقع تھا اور اس سے وادی الکبیر کی طرف راستہ جاتا تھا۔ ممکن ہو باب الجزیرہ ہی باب جزیرۃ الخضرا ہو۔

باب القنطرہ (پُل والا دروازہ) پُل اترتے ہی ملتا تھا اور اس سے شہر میں جانے کا راستہ تھا۔ اس دروازے سے شہر میں داخل ہو کر کچھ دور سامنے ہی قرطبہ کی مشہور جامع مسجد تھی۔

۵۲ اشبیلیہ Svilla آج کل جنوب مغربی اندلس کا ایک صوبہ ہو اور اس صوبے کے دارالحکومت کا نام بھی یہی ہو۔ یہ شہر وادی الکبیر کے بائیں کنارے بحرِ محیط سے چوّن میل کے فاصلے پر واقع ہو۔ وانڈال قوم کے زمانے میں اندلس کا دارالحکومت تھا جب قوطیوں نے اس ملک پر قبضہ کیا تو انھوں نے طلیطلہ کو دارالسلطنت بنایا۔ قوطیوں کے بعد مسلمانوں کی نوبت آئی اور ذی الحج ۹۴ھ میں موسیٰ بن نصیر نے اشبیلیہ پر قبضہ کیا۔ جب موسیٰ بن نصیر دمشق کے قصد سے افریقہ روانہ ہوتے تو اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اندلس کا والی بنا گئے جو ذی الحج ۹۵ھ تک والی اندلس رہے۔ انھوں نے

اپنا مستقرِ حکومت اشبیلیہ رکھا۔ پھر سنہ ۱۰۰ھ میں جب سمح بن مالک الخولانی اندلس کے حاکم ہوئے تو انھوں نے اشبیلیہ کے بجائے قرطبہ کو دارالحکومت بنادیا (رج ۔۱)

باب اشبیلیہ۔ شہر قرطبہ کے جو سات دروازے مشہور تھے ان میں سے ساتواں یہ ہے۔ بعض لوگ اسے باب العطارین بھی لکھتے ہیں مگر باب اشبیلیہ کے نام سے عام طور پر مشہور ہے۔

سلہ شنت اجلح San Achilloh اسپینش ترجمے کے حواشی سے ظاہر ہے کہ قرطبہ میں اس نام کا ایک کلیسا کسی نصرانی شہید کے نام سے تھا جس کا اب نام و نشان باقی نہیں۔ بادشاہ یا والیِ قرطبہ اسی میں جاکر چھپا تھا۔

صفحہ (۴۴) سلہ (مالقہ) Malaga جنوبی اندلس کا ایک صوبہ ہے جس کا دارالحکومت بھی اسی نام سے موسوم ہے۔ شہرِ مالقہ جبالِ شرقیہ کے جنوبی دامن پر سمندر کے کنارے آباد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے دولت قرطاجنہ کے عہد میں یہ ایک بڑا مقام تھا۔ پھر رومیوں نے اسے ایک مستقل شہر بنادیا۔ مسلمانوں نے سنہ ۹۲ھ میں اسے فتح کرکے بڑھانا شروع کیا تو اس کی حیثیت ایک بڑے شہر اور بندرگاہ کی ہوگئی۔

اندلس میں دولتِ بنی امیہ کے زوال کے بعد سنہ ۴۲۶ھ سے سنہ ۴۴۹ھ تک مالقہ پر ادریسی خاندان نے حکومت کی جس کا پہلا بادشاہ یحییٰ بن علی بن حمود کا فرزند ادریس تھا۔ اسی ادریس کے نام سے یہ سلسلہ ادارسہ کہلایا۔ اس خاندان کے سات بادشاہ ہوئے

سنہ ۸۹۱ھ میں مالقہ پر عیسائی بادشاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابلہ کا قبضہ ہوگیا۔ مسلمانوں کی حکومت مالقہ کے علاقے پر تقریباً آٹھ سو برس رہی۔

صوبۂ مالقہ کے کسی حصّے کو الیرون یا الاردن بھی کہتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آغازِ عہدِ تسلط میں علاقۂ اردن ملکِ شام کی عربی فوجیں اس صوبے میں آباد ہوئی تھیں۔ (ج ۱۔ ص ۱۱۲)

۵ (تدمیر) Theodomir یہ علاقۂ مرسیہ Murcia کے قوطی سردار تھیوڈومیر کے نام سے منسوب ہے۔ تھیوڈومیر عربی میں آکر تدمیر ہوگیا۔ یہ شخص فتحِ اندلس کے وقت رذریق بادشاہِ اندلس کی طرف سے جنوب مشرقی حصّہ اندلس کا حاکم تھا۔ اوریولہ جو علاقۂ مرسیہ کا ایک شہر ہے اس کا پایۂ تخت تھا۔ اسلامی فتح کے بعد تدمیر نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کی اور اپنے علاقے کی حکومت پر برقرار رہا۔ تدمیر کے مرنے کے بعد علاقۂ تدمیر مسلمانوں کے انتظام میں آگیا۔ (ج ۱)

۵ اوریولہ Oriihvela مشرقی اسپین کے موجودہ صوبۂ لقنت Alcante کا مشہور شہر ہے۔ شہر مرسیہ سے شمال مشرق میں تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر دریائے شقر Thegucar کے کنارے آباد ہے۔ بنی امیۂ اندلس کے عہدِ حکومت اور طوائف الملوکی کے بعد پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں مرابطین نے اس کو اپنی حکومت مرسیہ کا پایۂ تخت قرار دیا۔ یہاں مسلمان صدیوں حکمراں رہے۔ (ج ۱)

صفحہ ۵۰ سلہ عورتوں کے بال کھلوانے کی تشریح یہ ہے کہ اس زمانے

ہیں اندلس کے لوگ بڑے بڑے لمبے بال رکھتے تھے جو کھلے رہتے اور چہرے کے آس پاس پھیلے رہتے تھے۔ ان سے مشابہت پیدا کرنے کے لیے عورتوں کے بال بھی مردوں کی طرح کھلوا دیے گئے تاکہ مرد معلوم ہونے لگیں۔

۵ جبلِ قرطبہ) اس کا انگریزی مرادف Sierade Cardova جبل العروس کی نسبت لکھا ہی کہ شہر قرطبہ اسی پہاڑ کے دامن پر آباد تھا۔ اس پہاڑ کا بلند ترین حصّہ قرطبہ کے شمال میں تھا۔ اسی کے نیچے مشہور شہر الزہرا آباد ہوا۔

قطلبیرہ Catalvera اسپینش نسخہ ص۱۵ کے حوالے سے معلوم ہوا کہ شہر قرطبہ کے شمال ہیں اس نام کا کوئی گانؤ تھا۔

۵ (جلیقیہ) Galacia اندلس کے شمال مغربی گوشے کا ایک بڑا صوبہ ہی۔ جلیقیہ کی زمین سمندر کی سطح سے بہت بلند ہی۔ صوبے کے گوشۂ شمال مغرب کی سرحد سے جو سمندر ملا ہوا ہی اس کو عربی جغرافیہ نویسوں نے مجمع البحرین لکھا ہی اور اسی ساحل کے ایک پہاڑ کو شمالی گوشۂ اندلس قرار دیا ہی۔ جلیقیہ کو مسلمانوں نے بار بار فتح کیا۔ پہلی اسلامی فتح موسیٰ بن نصیر کے زمانے میں ہوئی لیکن تقریباً سو برس بعد عیسائیوں نے جلیقیہ میں اتنا زور پکڑا کہ امیر الحکم کے بیٹے امیر عبدالرحمٰن الاوسط کو ۲۰۶ھ میں فوج کشی کرنی پڑی۔ ۳۸۷ھ میں محمد ابن ابی عامر المنصور کو فوج کشی کی ضرورت محسوس ہوئی اور وہ جلیقیہ کے شمال میں شنت یاقب سے بھی آگے تک پہنچ گیا۔ جہاں اس سے پہلے کسی

مسلمان کا قدم نہ پہنچا تھا۔ غرض جلیقیہ کچھ کم تین سو برس تک مسلمانوں اور عیسائیوں کی زور آزمائی کا دنگل بنا رہا (ج۔۱)

صفحہ (۴۶) سطر ۲ (وادی الحجارہ) Guadalajara or Guadalaxara شمالی اندلس کے ایک صوبے، اس کے دارالحکومت اور جس دریا پر یہ دارالحکومت واقع ہے۔ ان سب کا نام وادی الحجارہ ہے۔ شہر وادی الحجارہ کی شہر پناہ نہایت مضبوط ہے چشمے جا بجا جاری ہیں۔ مغربی جانب ایک چھوٹا دریا ہینا ریز ہے جس پر باغات تاکستان اور کھیت ہیں۔ زعفران کی پیداوار یہاں بہت ہے۔ سنہ ۹۲ھ میں اسے طارق بن زیاد یا طارق اور موسیٰ بن نصیر کی متحدہ فوج نے فتح کیا تھا۔ (ج۔۱)

سطر ۳ (فجّ طارق) نفح الطیب میں اس پہاڑی درّے کے متعلق لکھا ہے کہ جب طارق بن زیاد اندلس کے شہر فتح کرتے ہوئے طلیطلہ پہنچے تو شہر کو خالی پایا۔ کچھ یہودی البتہ ملے۔ طارق نے کچھ فوج شہر میں چھوڑ کر شہر یہودیوں کے سپرد کیا اور خود وادی الحجارہ کی طرف بڑھے۔ وادی الحجارہ سے آگے بڑھ کر پہاڑوں کا ایک سلسلہ ملا جسے انھوں نے ایک درّے سے عبور کیا۔ اس دن سے اس درّے کا نام 'فجّ طارق' ہوگیا۔ فجّ عربی میں پہاڑی درّے کو کہتے ہیں۔ یہ مقام نقشے میں موجودہ صوبۂ مجریط کے شمالی اضلاع میں جبلِ وادیِ رملہ کے سلسلوں کے شروع ہوتے ہی دکھایا جاتا ہے۔ طارق اس پہاڑی سلسلے سے نکلتے ہی مدینۃ المائدہ میں پہنچے تھے۔ (ج۔۱)

۵۴ (مدینۃ المائدہ) یعنی میز یا خوان والا۔ اس شہر کی نسبت مشہور ہے کہ اس مقام پر طارق بن زیاد کو طلیطلہ کے بھاگے ہوئے پادریوں سے "مائدۂ سلیمان" دست یاب ہوا تھا اور اس کے جنوب میں ایک شہر میہ یا امایہ نامی تھا جہاں سے طارق کو طلیطلہ کے بیت الملوک والے قیمتی زیور اور جواہرات ملے تھے۔ یہ خوان زمرد یا سونے چاندی کا تھا اور بیش قیمت ہونے کے علاوہ ایک بڑی صنعت اور برکت کی چیز سمجھا جاتا تھا۔ اس کے حاشیوں پر موتیوں اور ہیروں کی جھالر لگی تھی اور متن میں بھی نہایت نادر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ پائے خالص سونے کے تھے جن کی تعداد (۳۶۵) تھی۔ عیسائیوں کا خیال تھا کہ یہ مائدہ خاص کنیسۂ طلیطلہ کے لیے عیسائیوں نے بنوایا تھا۔ اور یہودی بیان کرتے تھے کہ یہ مائدہ دراصل معبدِ سلیمان علیہ السلام یعنی بیت المقدس واقع شام کے تبرکات میں سے تھا اور جب روم کے سپاہیوں نے بیت المقدس کو لوٹا تو غالباً اسی وقت یہ مائدہ بھی اہل یورپ کے ہاتھ لگا اور وہاں سے کسی طرح اندلس کے عیسائیوں میں پہنچ گیا۔ مذکورہ نسبت کی وجہ سے یہودی اسے مائدۂ سلیمان کہتے تھے۔ مدینۃ المائدہ کی نسبت مورخوں میں بہت اختلاف ہے کہ وہ کوئی علیحدہ شہر تھا بھی یا طلیطلہ ہی کا دوسرا نام تھا۔ (ج۔ا)

صفحہ ۴۷ سطر ۵ (امایہ) کا نام میہ یا امیہ بھی لکھا ہے۔ اکثر جغرافیہ نویس اس پر متفق ہیں کہ یہ شہر مدینۃ المائدہ کے جنوب میں غالباً اس سے قریب ہی واقع تھا۔

ٹ (موسیٰ کا حسد) یورپین مورخ بالعموم موسیٰ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ طارق کی فتوحات پر حسد کرنے لگے تھے۔ مصنف اخبارِ مجموعہ بھی اس خصوص میں ان کا ہم نوا ہی مگر یہ الزام متعدد وجوہ سے ناقابلِ تسلیم ہی۔ ایک تو یہ کہ اگر موسیٰ واقعی طارق کے دشمن ہوتے اور انھیں ان پر حسد ہوتا تو وہ طارق کے ساتھ جیسا سلوک چاہتے کر سکتے تھے۔ دمشق اندلس سے ہزاروں میل دُور تھا اور افریقیہ و اندلس کے تمام اختیارات موسیٰ کو حاصل تھے۔ انھوں نے طارق کے ساتھ جو سلوک کیا (جس کا ذکر آگے آتا ہی) وہ محض عدولِ حکمی پر تنبیہ کرنے کے لیے کیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہی کہ اگر موسیٰ کو واقعی حسد ہوتا تو اس واقعے کے بعد دوبارہ طارق کو اپنی فوج کا سردار نہ بناتے۔ حالاں کہ تمام تاریخیں متفق ہیں کہ تنبیہ کے بعد پھر موسیٰ نے فوج کا منصبِ اعلیٰ طارق ہی کو تفویض کیا تھا۔

صفحہ (۴۷) ٹ۵ (مدینۂ شذونہ) Madina Sidonia اسے مدینۂ شذونہ یا مدینۂ سیدونہ بھی لکھا ہی۔ آج کل جنوبی اندلس میں صوبۂ قادس کا ایک شہر شمار ہوتا ہی۔ یہ شہر بہت پُرانا ہی اور قادس سے جنوب مشرق میں اکیس میل کے فاصلے پر واقع ہی۔ پہلے اس کا شمار صوبۂ اشبیلیہ میں تھا۔ ۹۲ھ میں طارق نے اس شہر اور اس کے نواح کو فتح کیا۔ اسلامی عہد میں ایک مشہور مقام تھا۔ سوا تین سو برس دولتِ مروانیہ کا محکوم رہا۔ آخر میں حکومتِ اشبیلیہ سے متعلق ہوا۔ پھر مرابطین و موحّدین کے تصرف میں آیا۔ غرض پانچ سو برس سے کچھ زیادہ یہاں مسلمانوں کا قبضہ رہا۔

ﷺ (قرمونہ) Carmona جنوبی اندلس کا ایک شہر ہے جو مشرق میں شہرِ اشبیلیہ ۲۵ میل پر واقع ہے۔ پہلے یہ شہر رومیوں کے قبضے میں تھا پھر قوطیوں کی حکومت میں آیا۔ ۹۳ھ میں موسیٰ بن نصیر نے اسے فتح کیا۔ اس کا موجودہ اسپینی نام کارمونہ ہے۔ مسلمان کچھ اوپر ساڑھے پانچ سو برس قرمونہ پر حاکم رہے۔ مسلمانوں نے اسے فتح کر کے بہت مستحکم بنا دیا تھا۔ عالی شان عمارتیں اور باغ بنوائے تھے۔ بعض اسلامی طرزِ تعمیر کی عمارتیں اب بھی وہاں موجود ہیں۔

صفحہ ۴۸ ﷺ (باب قرطبہ) یہ قرمونہ کے ایک دروازے کا نام ہے جس سے قرطبہ کو جانے والی سڑک نکلی ہے۔ یہ دروازہ بہت پُرانا ہے جس سے رومانی اور اسلامی علاماتِ تعمیر ظاہر ہیں۔

ﷺ (باجہ) Beja آج کل یہ شہر پرتگال کے صوبۂ الیمتجو کا صدر مقام ہے۔ پرتگال کے پایۂ تخت لسبن سے جنوب مشرق میں ۹۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ غالباً ۹۳ھ میں موسیٰ بن نصیر نے فتح کیا اور تقریباً سوا تین سو برس تک قرطبہ کے اموی بادشاہوں کی حکومت میں رہا پھر بنو عباد، مرابطین اور موحدین نے قبضہ رکھا اور اسلامی تسلط باجہ پر کل ساڑھے پانچ سو برس کے قریب رہا۔ معتمد بن عباد سلطانِ اشبیلیہ اسی شہر میں پیدا ہوئے۔

ﷺ (بارده) Badojo مغربی اندلس میں صوبۂ بطلیوس کا ایک پُرانا شہر بطلیوس سے تیس میل پر مشرق میں وادی انہ کے داہنے کنارے پر آباد ہے۔ یہ شہر ۲۳ھ یا ۳۵ھ قبل مسیح میں آباد ہوا تھا۔ رومی دور میں اس کی وسعت اتنی بڑھ گئی تھی کہ نوّے ہزار

فوج اس میں رہتی تھی۔ اس شہر میں رومیوں کے آثار بھی اب تک بہ کثرت موجود ہیں۔ قوطیوں کی حکومت کا زمانہ آیا تو اس دوٗر میں بھی یہ شہر برابر ترقی کرتا رہا۔ ان کے زمانے میں مارده کے استحکامات میں پانچ قلعے اور چوراسی دروازے بیان کیے جاتے تھے۔ قوطیوں ہی کے عہد میں موسیٰ بن نصیر جمادی الاوّل ۹۳ھ میں بحرِ زقاق کو عبور کر کے اندلس میں داخل ہوتے اور شذونہ، قرمونہ، اشبیلیہ اور باجہ کو فتح کرتے ہوئے شوال ۹۳ھ میں مارده پہنچے اور اس کا محاصرہ کر کے سخت معرکہ آرائی کے بعد فتح کر لیا۔ اس کے بعد یہ شہر کچھ اوپر تین سو برس تک خلفاے دمشق وسلاطینِ بنی اُمیّہ اندلس کے تصرف میں رہا۔ پھر ملوکِ مرابطین اور ان کے بعد موحدین کا دوٗر دوٗرہ ہوا آخر ۶۲۶ھ میں یحییٰ المعتصم کے عہد میں مارده مسلمانوں کے قبضے سے نکل کر عیسائیوں کی حکومت میں چلا گیا۔ مجموعی حیثیت سے یہاں مسلمانوں کی حکومت (۵۳۳) برس رہی۔ (ج-۱)

صفحہ (۵۱) ۵ (لبلہ) مغربی اندلس میں صوبۂ ولبہ Huelva کا ایک چھوٹا سا شہر دریاے ٹنٹو Tinto کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ یہ شہر اشبیلیہ سے جانب مغرب تقریباً (۴۰) میل کی مسافت پر ہوگا۔ پہلی صدی ہجری کے آخر میں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا تھا مگر بہت جلد یہاں کے لوگوں نے بغاوت کر دی۔ موسیٰ بن نصیر اس وقت مارده کی فتح میں مصروف تھے۔ بغاوت کا حال سُن کر فوراً اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اس مہم پر بھیجا جنھوں نے اسے دوبارہ فتح کیا۔ تقریباً چھ سو برس مسلمانوں کے تصرف میں

رہنے کے بعد ساتویں صدی ہجری میں عیسائی قبضے میں چلا گیا۔

ڪه (عبدالعزیز ابن موسیٰ) بڑے نام ور اور فاتح امیر تھے۔ جب سلیمان بن عبدالملک موسیٰ بن نصیر سے ناراض ہوئے تو فوج کو حکم بھیجا کہ عبدالعزیز کو قتل کر دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل کے لیے لوگ عبدالعزیز کے پاس اس وقت پہنچے جب وہ محراب میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے۔ لوگوں نے اکبارگی ان پر تلواروں سے حملہ کیا اور ان کا سر کاٹ کر سلیمان کے پاس بھیج دیا۔ سلیمان نے یہ سر موسیٰ کو دکھایا مگر موسیٰ نے صبر سے کام لیا اور کہا اللہ اسے شہادت مبارک کرے۔ بلا شبہہ تم نے اسے ایسی حالت میں قتل کیا کہ وہ قائم و صائم تھا۔ (قاموس الاعلام۔ زرکلی)

عبدالعزیز نے شاہ رذریق کی بیوہ ایجیلونا سے شادی کی اور اسے عیسائی مذہب پر رہنے دیا۔ ایجیلونا کو ایلا، ایلو اور ام عاصم بھی کہتے ہیں۔ یہ بیوی بہت جلد امیر عبدالعزیز کے مزاج پر حاوی ہو گئی اور امورِ سلطنت میں دخیل ہونے لگی۔ بقیہ تشریح آگے آئے گی۔

(تاریخ اسلام)

له اس موقع پر عربی نسخے میں (رباھد) لکھا ہوا ہے جو غیر منقوط ہونے کی وجہ سے مشتبہ ہے اس لیے اس کی مزید شرح معلوم نہ ہو سکی۔

ڪه طلبیرہ Talvera وسطی اندلس کا ایک شہر ہے جو صوبۂ طلیطلہ میں دریائے تاجہ Tagus کے داہنے کنارے پر واقع ہے۔ یہ بہت پرانا شہر ہے۔ اس شہر میں مسلمانوں کے وقت کی ایک پرانی

عمارت اب بھی موجود ہے جس کی تعمیر چوتھی صدی ہجری کی بتائی جاتی ہے۔ اس شہر پر اسلامی حکومت پہلی صدی ہجری کے آخر سے شروع ہو کر پانچویں صدی تک قائم رہی۔ پھر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا۔

ٹ۵ (موسیٰ کا طارق کو تنبیہ کرنا) اس واقعے کی تشریح یہ ہے کہ جس وقت طارق نے رذریق کو شکست دے کر تمام یورپ میں اسلامی فتح و نصرت کا ڈنکا بجایا تو فوراً مژدۂ فتح قاصد کے ہاتھ موسیٰ کو پہنچایا اور خود لشکر اسلام کے دستے اِردگرد روانہ کر کے فتحِ اندلس کی تکمیل میں مصروف ہوئے۔ موسیٰ بن نصیر اس فتحِ عظیم کا حال سُن کر بہت خوش ہوئے اور بشارت نامہ خلیفہ کی خدمت میں بھیج کر خود اندلس جانے کا تہیہ کیا اور ایک خط طارق بن زیاد کے نام روانہ کیا کہ تم جس قدر حصۂ ملک فتح کر چکے ہو اسی پر قابض رہو اور پیش قدمی ترک کر دو۔ اس کے بعد موسیٰ بن نصیر اٹھارہ ہزار کا لشکر لے کر قیروان سے روانہ ہوئے اور قیروان میں اپنی جگہ اپنے بیٹے کو حاکم مقرر کیا۔

جس وقت طارق کے پاس امیر موسیٰ کا خط پہنچا ہے اس وقت تک طارق جزیرہ نمائے اندلس کا جنوبی حصہ یعنی صوبۂ اندلوسیہ فتح کر چکے تھے لیکن جزیرہ نما کے بڑے بڑے مرکزی شہر اور دارالسلطنت طلیطلہ عیسائی فوجوں کی چھاؤنیاں بنے ہوئے تھے اور اندیشہ تھا کہ عیسائی سردار متحد ہو کر اپنی پوری طاقت سے حملہ نہ کر دیں۔ موسیٰ کا خط پہنچنے پر طارق نے سردارانِ لشکر کو جمع کر کے موسیٰ کا حکم سنایا۔ سب نے یہی رائے دی کہ اگر اس حکم کی تعمیل کی گئی تو اندیشہ ہے کہ

عیسائی ہر طرف سے حملہ آور ہو کر فتحِ اندلس کے کام کو بے حد دشوار بنا دیں گے۔
کاونٹ جولین نے بھی یہی رائے دی۔ اس لیے طارق موسیٰ کے حکم کی تعمیل سے قاصر رہے اور امرائے لشکر کے اتفاق اور حالات کے اقتضا سے فتوحات جاری رکھیں اور لشکر کے تین حصّے کر دیے۔ ایک حصّہ طلیطلہ کے لیے، دوسرا مالقہ و ریّہ کے لیے، تیسرا البیرہ و غرناطہ کے لیے۔ ان تینوں مہموں کی تفصیل کتاب میں درج ہے۔

طارق سے موسیٰ کے ناراض ہونے کا سبب اسی قدر ہے۔ اس سے زیادہ اس واقعے کی کوئی اصلیت نہیں۔ حسد وغیرہ کا الزام خلافِ واقعہ ہے۔ اگر حسد و عداوت کا لگاؤ ہوتا تو موسیٰ طارق کو دوبارہ فوج کا سپہ سالار نہ بناتے حالاں کہ تمام مستند و سنجیدہ مورخین اس سے متفق ہیں کہ موسیٰ نے طارق کو اس تنبیہہ کے بعد پھر فوج کی سپہ سالاری عطا کی تھی۔ اس کے بعد امیر موسیٰ نے طارق کو ایک زبردست فوج دے کر آگے روانہ کیا اور خود طارق کے پیچھے چلے۔

اسی سلسلے میں مائدہ والی کہانی پر بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے جو عیسائی مورخوں کے دماغ کی پیداوار ہے اور اسے خوب فروغ دیا گیا ہے۔ طارق کا اپنے افسر اور آقا سے اس طرح چالاکی اور فریب کے ساتھ پیش آنا اور ایک مدّت پہلے سے موسیٰ کو زک دینے کے لیے یہ منصوبہ گانٹھنا کہ جب خلیفہ کے حضور میں باریاب ہوں گے تو اس کیا دی کے ساتھ موسیٰ کا جھوٹ اور ان کی خیانت ثابت کریں گے۔ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ اس قسم کی عیارانہ پیش قدمی و جسارت اس دور کے مسلمانوں کی طبعی خصوصیات و راست بازی سے قطعاً

بعید معلوم ہوتی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ موسیٰ کو میز کا چوتھا پایہ بنوانا پڑا اور موسیٰ سے کسی ایک شخص نے بھی یہ نہ کہا کہ یہ میز جب ہم نے عیسائی مفروریں سے چھینی ہے تو اس کے چاروں پائے سالم تھے آپ اس چوتھے پائے کو تلاش کریں۔ ہزارہا آدمی تو اس سے واقف ہوں اور موسیٰ اتنی مشہور چیز کے ایسے واقعے سے بے خبر رہیں اور یہی سمجھتے رہیں کہ یہ میز اسی حالت میں عیسائیوں سے چھینی گئی تھی!! (اس واقعے کی مزید تشریح آگے آتی ہے) (تاریخ اسلام جلد سوم مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

؎۵ سرقسطہ Saragossa شمالی اندلس کا ایک صوبہ ہے۔ قوطیوں کے دورِ حکومت میں اس شہر کو سیاراگوستا کہتے تھے، عربوں نے اسی کو معرب کرکے سرقسطہ کہا اور آج کل ساراگوسا کہلاتا ہے۔ اس مقام پر اہلِ عرب کا قبضہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں ہوا۔ موسیٰ بن نصیر نے ۹۴ھ میں فتح طلیطلہ کے بعد سرقسطہ کو مع اس کے ملحقات کے فتح کیا۔ چھیالیس برس تک اندلس کے امرانے سرقسطہ پر اپنے ماتحت صوبہ داروں کے ذریعے سے حکومت کی۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن الداخل کے عہد سے بنی ہود کا دور ختم ہونے تک سرقسطہ برابر مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت میں رہا۔ یہاں مسلمانوں نے کُل (۴۱۸) برس مسلسل حکومت کی۔

یہ شہر دریائے ابرہ کے کنارے واقع ہے۔ اس کا دوسرا نام المدینۃ البیضا بھی تھا جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہاں گچ اور قلعی کا پتھر بہ کثرت ملتا تھا۔ سرقسطہ کا علاقہ بہت بڑا اور آباد ہے۔ رقبہ بہت پھیلا ہوا ہے۔ شاہراہیں وسیع، راستے کشادہ، عمارات و مکانات کا سلسلہ ملا ہوا ہے۔ اس شہر میں

سب سے بڑی اسلامی یادگار الہافریہ یا الجعفریہ نامی ایک بڑا محل اب بھی باقی ہے جو غالباً بنی ہود کے بادشاہ ابوجعفر المقتدر کے نام سے تعمیر ہوا ہے۔ (ر ج-۱)

(سلیمان بن عبدالملک) دمشق میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی ولید کی وفات کے دن ۹۶ھ میں خلیفہ ہوئے۔ اس روز یہ مقام رملہ میں تھے ان کے ہاتھ پر کسی نے بیعت سے انکار نہ کیا۔ انھوں نے اس خوشی میں قیدیوں کو رہا کیا۔ قید خانے خالی کروائے اور مجرموں کی خطائیں معاف کیں۔ بڑے عقل مند، فصیح البیان اور فتوحات کے بہت حریص تھے۔ انھوں نے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور مسلمہ بن عبدالملک کی قیادت میں جہازوں پر سوار کرا کے قسطنطنیہ کے محاصرے کے لیے بھیجا۔ ان کے زمانے میں جرجان اور طبرستان فتح ہوئے جو ترکوں کے قبضے میں تھے۔ ان کی حکومت دو سال آٹھ ماہ سے زیادہ نہ رہی۔ ان کی قیام گاہ دابق اور پایۂ تخت دمشق تھا (۵۴-۹۹ھ)

اس تمام واقعے میں عبدالعزیز کا قتل صرف تاج پہننے کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے اور اس شکل سے در پردہ مسلمانوں کے متعصب اور تنگ نظر ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ دوسری تاریخوں کا بہ غور مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ دراصل قتلِ عبدالعزیز کی بنا زیادہ تر خود عبدالعزیز کی طرف راجع ہے جس کی شرح یہ ہے کہ ایک طرف تو عبدالعزیز نے اپنی بیوی امّ عاصم یا ایجیلونا کے دخیل ہونے کی وجہ سے عیسائیوں کو بڑھانا شروع کر دیا تھا اور عرب سرداروں میں عبدالعزیز سے ناراض اور عیسائی خوش تھے۔ دوسری طرف

عبدالعزیز کے باپ موسیٰ بن نصیر کے ماخوذ ہونے کی خبر پہنچی کہ نئے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے خراج کا بقایا ادا نہ کرنے کی وجہ سے انھیں قید کر لیا ہے۔ اس خبر سے عبدالعزیز کو سخت صدمہ ہوا اس لیے وہ امّ عاصم کے ذریعے سے عیسائیوں کو قوی بنانے اور خلیفہ دمشق کی حکومت سے آزاد کرانے کی تدابیر میں مصروف ہو گئے اور خلیفہ سلیمان کو اپنی طرف سے غافل رکھنے کے لیے اندلس کے خراج کی ایک معقول رقم اور تحائف وہدایا دمشق روانہ کیے۔ خلیفہ کو امیر عبدالعزیز کے منصوبوں کا علم اپنے پرچہ نویسوں سے ہو چکا تھا۔ خراج لانے والوں سے بھی اس اطّلاع کی تصدیق و تائید ہوئی اس لیے خلیفہ نے عبدالعزیز کے خلاف جرم بغاوت قائم کر کے اندلس کے پانچ مسلمان سرداروں کے نام حکم بھیجا کہ اگر عبدالعزیز کی نیت بد ہے تو اسے بلا توقّف قتل کر دو۔ چناں چہ ان پانچوں نے جن میں حبیب بن عبیدہ بھی ہیں باہم مشورہ کر کے عبدالعزیز کو واجب القتل قرار دیا اور خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ عبدالعزیز کے بعد ان کے پھوپھی کے بیٹے بھائی ایّوب بن حبیب لخمی کو اندلس کا امیر بنایا۔ یہ اس کا ثبوت ہے کہ انھوں نے واقعی عبدالعزیز کو لائقِ سزا سمجھ کر قتل کیا۔ اگر ذاتی عداوت کا لگاؤ ہوتا تو ان کے خاندان میں حکومت باقی نہ رکھتے۔

عام تاریخوں میں یہ تو مذکور ہے کہ سلیمان نے عبدالعزیز کو قتل کروادیا تھا مگر اصل بات بہت کم لوگوں نے لکھی ہے۔ ان میں سے بیش تر نے اس معاملے میں خلیفہ سلیمان کو مُلزم گردانا ہے حالاں کہ

سلیمان کا سلوک موسیٰ کے ساتھ بھی قرینِ انصاف تھا۔ ان پر دو الزام تھے ایک تو خلیفہ کے اس حکم کی تعمیل نہ کرنا کہ دمشق پہنچنے میں عجلت نہ کرو، تحائف وخراج وغیرہ لے کر اس وقت پہنچو جب سلیمان تخت نشین ہوجائیں۔ دوسرا بقایائے خراج کا مطالبہ جو بہت زیادہ تھا اسے بیباق نہ کرنا۔ ان دونوں الزاموں کی وجہ سے موسیٰ کو گرفتار کیا گیا تھا اور ایسا کرنا اس وقت کی سیاست کے لحاظ سے بہت ضروری تھا۔ اس طرح عبدالعزیز کا واقعہ بھی نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو سلیمان کو حق بہ جانب ثابت کرتا ہے۔ (تاریخ اسلام جلد سوم)

بہ ہر حال عبدالعزیز سے اس لغزش کا ظہور، بشریت کا مقتضا سمجھنا چاہیے، ورنہ ان کا دورِ حکومت مسلمانوں کے لیے بہت بابرکت ثابت ہوا تھا۔ مذہبی آزادی کے ساتھ اس نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ جو غلام اسلام قبول کرے گا وہ مسلمان ہوتے ہی اپنے غیر مسلم آقا کی غلامی و قید سے آزاد سمجھا جائے گا۔ عیسائیوں کے پاس غلاموں کی بڑی تعداد تھی اور ان کے ساتھ چوپایوں کا سا سلوک ہوتا تھا۔ عبدالعزیز کے اس اعلان سے ہزارہا غلام مسلمان ہوکر آزاد ہوگئے اور مسلمانوں کو قلتِ تعداد کی جو شکایت تھی وہ بھی جاتی رہی۔ (تاریخ اسلام)

صفحہ (۵۳) لہ ایوب بن حبیب کا انتخاب اس شرط کے ساتھ کیا گیا تھا کہ محمد بن یزید فرماں روائے قیروان اور خلیفہ سے منظوری حاصل کی جائے۔ اگر اس انتخاب کو خلیفۃ المسلمین یا والیٔ روائے منظور نہ کریں تو پھر امیر وہ ہوگا جسے خلیفہ یا والی روائے مقرر کریں گے۔ جس وقت ایوب بن حبیب امیر ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ

اشبیلیہ میں عیسائی اور یہودی بڑی تعداد میں آباد ہیں اور عبدالعزیز کے خاص طرزِ عمل سے زیادہ قابو پا چلے ہیں تو انھوں نے اشبیلیہ سے دارالامارت منتقل کر کے قرطبہ کو اندلس کا دارالسلطنت قرار دیا۔ یہ کام بھی ایّوب بن حبیب کا نمایاں کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد امیر ایّوب نے افریقیہ و مراکش سے بربری و عربی قبائل کو بلاکر مختلف شہروں اور قصبوں میں آباد کیا۔ اس طرح عیسائیوں کی بغاوت کا اندیشہ ایک حد تک دور ہوگیا۔ سرحدوں پر قلعے بنوائے اور حفاظتی فوج رکھی۔ ملک کا دورہ کر کے حالات سے واقفیت حاصل کی اور ہر جگہ کا انتظام وہاں کی ضرورت کے مطابق کیا۔

امیر ایوب اپنی امارت کے چھ مہینے ہی پورے کرنے پائے تھے کہ حرب بن عبدالرحمٰن ان کی معزولی کا حکم لیے ہوئے آپہنچے۔ دراصل ان کی مستعدی و جفاکشی کے حالات سن کر محمد بن یزید حاکم قیروان کو شبہہ ہوا کہ ایوب بھی موسیٰ و عبدالعزیز ہی کے خاندان کا فرد ہے ممکن ہے کسی وقت تکلیف دہ ثابت ہو اس لیے محمد نے اپنے اختیار سے حرب کو سندِ حکومت دے کر اندلس بھیجا اور دربارِ خلافت میں اطلاع بھیج کر منظوری حاصل کرلی۔ (تاریخ اسلام)

صفحہ ۴۸ (لیسانہ) Lucena موجودہ صوبۂ قرطبہ کا ایک شہر ہے۔ شہر قرطبہ سے جنوب مشرق میں تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر ایک چھوٹے دریا کے کنارے واقع ہے جو دریائے شنیل میں مل جاتا ہے۔ اسلامی عہد میں اس شہر میں مسلمانوں کے علاوہ یہودی بہ کثرت آباد تھے۔ اسی لیے اس کو یہودیوں کا شہر بھی کہتے تھے چناں چہ بعض جگہ اسے

الیسانۃ الیہود لکھا گیا ہے۔ کتاب زیر ترجمہ میں لیسانہ ایک عمارت کا نام لکھا ہے ممکن ہے اسی عمارت کا احاطہ بڑھتے بڑھتے بعد میں ایک شہر کی صورت بن گیا ہو۔ (جغرافیۂ اندلس)

صفحہ (۵۵) سطر (الحر) ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض تاریخوں میں حرب بن عبد الرحمٰن ثقفی لکھا ہے لیکن صحیح نام حر بن عبد الرحمٰن ثقفی معلوم ہوتا ہے۔ اخبار مجموعہ میں ان کے باپ کا نام عبد اللہ لکھا ہے۔ اسی طرح افریقیہ کے جس گورنر نے انھیں مامور کیا تھا ان کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے عبید اللہ بن زید کے بجائے محمد بن یزید لکھا ہے۔ بہ ہر حال حر نے اندلس پر حاکم ہونے کے بعد موسیٰ و عبد العزیز اور ایوب کے زمانے کے عمال کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا اور عیسائیوں اور یہودیوں سے بھی تشدد سے پیش آئے۔ انھوں نے افریقیہ کے گورنر کے پاس وفد بھیج کر ان کے تبادلے کی استدعا کی اور جب وہ متوجہ نہ ہوا تو خلیفۂ دمشق کے پاس ایک وفد روانہ کیا۔ اس وقت حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہو چکے تھے انھوں نے حر کو معزول کر کے سمح بن مالک کو والیِ اندلس مقرر کیا۔ حر کی حکومت دو برس آٹھ مہینے رہی۔

صفحہ ۵۶ (عمر بن عبد العزیزؒ) یہ عبد العزیز ابن مروان کے صاحب زادے ہیں۔ خلفائے بنی مروان میں سب سے زیادہ نیک نام، نہایت عادل و متقی اور اہلِ خیر خلیفہ تھے۔ عمر ثانی کے لقب سے ملقب ہیں۔ ان کی خلافت کا زمانہ بہت تھوڑا ہے۔

صفحہ (۵۷ (سمح بن مالک خولانی) یہ صوبۂ افریقیہ کی افواج کے سپہ سالار تھے اور طارق کے ہم راہیوں میں سے تھے۔ حضرت عمر

ابن عبدالعزیز نے انھیں اندلس کا والی بنایا تو انھوں نے سب سے پہلے عدل و داد پھیلانے اور رعایا میں خوش حالی بڑھانے کی کوشش کی۔ پھر خلیفۃ المسلمین کے حکم سے ملکِ اندلس کی مردم شماری کرائی۔ ہر قوم ہر قبیلہ اور ہر مذہب کے لوگوں کی تعداد معلوم کی۔ بربریوں کو غیر آباد علاقوں میں آباد کرکے ان میں زراعت و حرفت کا شوق پیدا کیا۔ ملک کے جغرافیے کی ترتیب، دریاؤں، پہاڑوں اور شہروں کی باہمی مسافتیں ان کے ہر قسم کے اقتصادی و تجارتی حالات، بنادر وغیرہ کی کیفیت، تجارتی اشیا کی فہرست وغیرہ مشرح معلومات مرتب کیں۔ جزیہ، عُشر، خُمس اور خراج وغیرہ کے قوانین نافذ کیے۔ تجارت و زراعت میں سہولتیں پیدا کیں۔ شہر سرقسطہ میں ایک مسجد اور قرطبہ میں دریاے وادی الکبیر کا مشہور و معروف پل تیار کرایا۔ اس کے علاوہ جابجا دوسری مسجدیں اور پُل بنوائے غرض ان کا زمانہ اندلس میں بڑی خیر و برکت کا زمانہ تھا اور انھیں ایران اندلس میں وہی نسبت تھی جو خلفاے دمشق میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو تھی۔ گویا سمح بہت سی خوبیوں میں خلیفۂ وقت کا صحیح پرتو تھے۔ جب یہ ملک کے اندرونی انتظام و استحکام سے فارغ ہوئے تو خلیفہ سے اجازت لے کر ملک کے اس حصّے میں داخل ہوئے جو آج کل جنوبی فرانس کہلاتا ہے۔ اس کا دارالحکومت شہر ناربون تھا۔ یہ علاقہ نہایت اہم اور ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا مگر سمح نے جبل البرتات سے گزر کر اس پر حملہ کیا اور اسے فتح کرکے تمام ریاست پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد طولوز پر حملہ کیا یہاں بڑا سخت معرکہ ہوا۔ چوں کہ ناربون کو فتح کرنے کے بعد فوج

کا بڑا حصّہ اس علاقے میں چھوڑنا پڑا اس لیے طولوز پر چڑھائی کرتے وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہو گئی ان کے برخلاف ڈیوک آف ایکیوٹین ایک عظیم الشان فوج سے مقابلے پر آیا تھا۔ اس طرح مسلمانوں کی مختصر سی فوج اور عیسائیوں کے کثیر التعداد لشکر میں کوئی تناسب باقی نہ رہا۔ ادھر عین اس وقت جب کہ مسلمان عیسائیوں کو شکست دینے والے تھے سمح کے گلے میں ایک تیر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ تاہم انھوں نے عبدالرحمن غافقی کو اپنا امیر و سپہ سالار منتخب کیا جو موقع کی نزاکت دیکھ کر بڑی ہوش مندی و استقلال کے ساتھ اسلامی فوجوں کو پیچھے ہٹا لے گئے۔ مسلمانوں کے اتنے بڑے حوصلہ شکن سانحے کے باوجود عیسائی ان کے تعاقب کی جرأت نہ کر سکے۔ اس معرکے میں ایک تہائی مسلمان شہید ہوئے۔

صفحہ (۵۷) لے (یزید بن عبدالملک) ۱۰۳ھ مطابق ۷۲۱ء میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد خلیفہ ہوا۔ اس کی وفات ۱۰۵ھ میں ہوئی۔ (قاموس الاعلام جلد سوم صفحہ ۱۱۶۱)

لے (حنظلہ بن صفوان) الکلبی۔ مسلمانوں کے بہادر سرداروں میں مشہور ہیں۔ ان کے بھائی بشر بن صفوان گورنر افریقیہ نے ۱۰۳ھ میں انھیں مصر کا امیر مقرر کیا اور یزید بن عبدالملک نے انھیں برقرار رکھا۔ جب یزید کے بعد ہشام خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ۱۰۵ھ میں حنظلہ کو معزول کر دیا اس کے بعد دوبارہ ۱۱۹ھ میں مصر کا امیر بنا دیا۔ اس مرتبہ یہ ۱۲۴ھ تک امیرِ مصر رہے بعد ازاں افریقیہ کے

والی مقرر ہوئے اور ۱۲۷ھ تک اس عہدے پر مامور رہے۔ اس کے بعد اہلِ افریقیہ نے انھیں نکال دیا اور ملکِ شام کو واپس ہوئے۔ تقریباً ۱۳۰ھ میں وفات پائی۔ (قاموس الاعلام۔ زرکلی)

۱۱؎ (بشر ابنِ صفوان) حنظلہ کے بھائی ہیں۔ محتاط و عاقل اور بہادر شخص تھے۔ پہلے ۱۰۱ھ میں یزید بن عبدالملک کی طرف سے مصر کے حاکم ہوئے۔ پھر ۱۰۳ھ میں افریقیہ کی امارت کا حکم ملا۔ یہ وہاں گئے اور قیروان میں قیام کیا۔ صقلیہ وغیرہ کی جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ (قاموس الاعلام)

۱۲؎ (عنبسہ ابن سحیم کلبی) فاتح اور بہادر غازیوں میں تھے۔ ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں اندلس کے حاکم تھے۔ ۱۰۳ھ میں ولایتِ اندلس تفویض ہوئی تو فرنگیوں سے جنگ کی اور ایک مدت تک قرقشونہ Carcassomne کا محاصرہ کرنے کے بعد اسے بہ حالتِ صلح فتح کیا۔

انھوں نے ملک کا انتظام نہایت قابلیت سے کیا اور رعایا کو انواع واقسام کے فائدے پہنچائے۔ بلائی یا پلیو نامی عیسائی جس کا ذکر انھی تعلیقات میں کسی جگہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔ عنبسہ ہی کے ابتدائی عہدِ حکومت میں اُبھرا اور بالآخر اس کی شورشوں سے ایک عیسائی حکومت کی بنیاد مضبوط ہو گئی۔ عنبسہ نے ملکِ فرانس پر چڑھائی کی اور تمام جنوبی فرانس کو فتح کر لیا اور فرانس کے وسط میں پہنچ کر مشرق و مغرب کی جانب فوجیں پھیلا دیں۔ فرانسیسیوں پر ان شکستوں کا صدمہ بہت گراں گزرا اور انھوں نے آہستہ آہستہ ایک مناسب وقت اور موزوں

مقام پر پوری طاقت سے اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا اس موقع پر بھی مسلمانوں نے اپنی بہادری کی دھاک بٹھادی مگر امیر عنبسہ نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا اور سب سے آگے بڑھ کر بہ ذاتِ خود عیسائیوں پر حملہ کیا اور ان کی صفیں چیرتے ہوئے شہید ہوئے۔ نتیجے میں جنگِ طوبور کی طرح یہاں بھی مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۰۷ھ میں ہوا۔

(تاریخ اسلام)

صفحہ ۵۸ لہ (یحیی بن مسلم کلبی) ان کے باپ کا نام بعضوں نے سلمہ بھی لکھا ہے اور غالباً وہی زیادہ صحیح ہے۔ یہ سنہ ۱۰۷ھ کے آخر میں اندلس کے حاکم ہوئے۔ ان کے مزاج میں تشدّد اور ضد کا مادّہ بہت تھا اس لیے اندلس کی رعایا ان سے ناراض ہوگئی اور والیِ افریقیہ کی خدمت میں شکایتیں پہنچیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو برس چند ماہ اور بعض کے نزدیک اٹھارہ ماہ حکومت کرنے کے بعد معزول ہوگئے اور ان کی جگہ عثمان بنِ ابی نسعہ والیِ اندلس مقرّر ہوئے۔

۲ہ (عثمان بنِ ابی نسعہ) عبید ابن عبدالرحمٰن والیِ افریقیہ کے حکم سے سنہ ۱۱۰ھ میں والیِ اندلس مقرّر ہوئے مگر صرف پانچ ماہ حکومت کرنے پائے تھے کہ ان کے بجائے حذیفہ بن الاحوص قیسی کا تقرّر ہوگیا۔

۳ہ (حذیفہ بن الاحوص) سنہ ۱۱۰ھ کے آخر تک حاکمِ اندلس رہے۔ محرم سنہ ۱۱۱ھ میں ان کے بجائے ہثیم بن عفیر مقرّر ہوئے۔

۴ہ (ہثیم بن عبید (یا عفیر) کلابی (یا کنانی)) شامی الاصل تھے۔ لوگ اس کی سخت گیری و تشدّد سے ناراض ہوگئے اور حسبِ دستور

شکایتی وفد افریقیہ اور اس کے بعد دمشق پہنچا وہاں سے محمد بن عبداللہ الاشجعی خفیہ تحقیقات پر مامور ہوئے جنھوں نے واجبی تحقیقات کے بعد ہیثم کو معزول کیا اور فرمانِ خلافت کی تعمیل میں خود ولایت اندلس پر حکمرانی کرنے لگے ہیثم کی حکومت تقریباً دو برس رہی۔

۵ (عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی) اخبار مجموعہ میں ان کا نام بہ اعتبارِ ترتیب ہیثم بن عفیر کے بعد آیا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ ہیثم کے بعد امیر ہوئے ہوں گے لیکن دراصل ہیثم کے بعد محمد بن عبداللہ الاشجعی نے اندلس پر حکومت کی۔ گو اس کی میعاد چند ماہ سے زیادہ نہ تھی۔ صاحب اخبار مجموعہ نے ان کا ذکر اس خیال سے چھوڑ دیا ہوگا کہ انھیں ہیثم کے خلاف تحقیقات کرنے کے لیے اندلس بھیجا گیا تھا اس سلسلے میں انھوں نے ہیثم کو گرفتار کرکے خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا اور خود کئی ماہ اندلس میں قیام کرکے وہاں کے انتظامات درست کیے۔ پھر عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی کو امیرِ اندلس مقرر کرکے دمشق روانہ ہوگئے۔

بہرحال عبدالرحمٰن غافقی ۱۱۳ھ میں اندلس کے حاکم ہوئے۔ تاریخ خلافت الاندلس (نواب ذوالقدر جنگ بہادر) اور تاریخ اسلام وغیرہ سے ظاہر ہے کہ عبدالرحمٰن غافقی دو مرتبہ اندلس کی امارت پر فائز ہوئے۔ پہلی مرتبہ فوج نے انتخاب کیا اور ذی الحج ۱۰۲ھ سے صفر ۱۰۳ھ تک امیر رہے اس کے بعد شعبان ۱۱۳ھ سے رمضان ۱۱۴ھ تک حکومت کی۔ اس مرتبہ اسی امارت کی حالت میں شہید ہوئے۔ ان کا دور بھی اہلِ اندلس کے لیے بہت خیر و برکت کا زمانہ تھا۔

اکثر شہروں اور قصبوں میں مدرسے، مسجدیں اور پُل بنوائے اور ملکِ فرانس پر فوج کشی کی۔ اس مہم میں عثمان لخمی جو ڈیوک آف ایکیوٹین کی عیسائی لڑکی سے اس شرط پر شادی کر چکا تھا کہ بیوی کو مسلمان نہ بنائے گا، ڈیوک کے اشارے سے سدِراہ ہوا۔ عبدالرحمٰن کے ایک سردار نے اس سے جنگ کر کے اسے قتل کیا۔ اب عبدالرحمٰن غافقی جبل البرتات کی رُکاوٹ کو دُور کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ ناربون یا اربونہ کو عبور کیا اور بورڈیو پر قبضہ کر کے دریائے دارددن کے کنارے عیسائیوں کے ایک زبردست لشکر کو شکستِ فاش دی۔ پھر شہر پائی ٹیرس پر قبضہ کرتے ہوئے شہرِ ٹورس کی طرف بڑھے جو فرانس کا مرکزی مقام تھا۔ اس شہر کے قریب ایک میدان میں عیسائیوں کی بے شمار افواج سے مقابلہ ہوا۔ اس موقع پر چارلس مارٹل فرماں روائے فرانس اور ڈیوک آف ارکیوٹین کی زبردست فوجوں کے علاوہ ہر طرف سے بے تعداد عیسائی فوجیں اُمنڈ آئی تھیں۔ ان کے مقابلے میں اسلامی لشکر کوئی نسبت نہ رکھتا تاہم عبدالرحمٰن غافقی نے نشۂ شجاعت سے چوُر ہو کر کوئی پروا نہ کی اور جی کھول کر لڑے مگر عین اس وقت جب کہ عیسائی مسلمانوں کے مقابلے میں بھاگنے والے تھے عیسائیوں کی ایک محفوظ فوج جو گھات میں تھی پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئی اور مسلمان جو لڑتے لڑتے شل ہو چکے تھے اس غیر متوقع حملے کی تاب نہ لا سکے تاہم عبدالرحمٰن نے بھاگنے پر موت کو ترجیح دی اور اپنے پیش رووں کی پیروی میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کی شہادت کے بعد میدان میں ٹھیرنا مصلحت نہ سمجھا اور رات ہی کو وہاں سے کوچ کر گئے۔ باوجود

اس سانحے کے عیسائی اتنی جرأت نہ کر سکے کہ مسلمانوں کا تعاقب کرتے بلکہ اس کے برخلاف بڑی عجلت کے ساتھ اپنے دارالحکومت کو روانہ ہو گئے۔ یہ لڑائی ۱۱۴ھ میں ہوئی تھی۔ (تاریخ اسلام جلد سوم)

۵۷ (عبدالملک بن قطن محاربی الفہری) یہ بھی دو مرتبہ اندلس کے والی مقرر ہوئے۔ ایک بار ۱۱۴ھ سے ۱۱۶ھ تک اور دوبارہ صفر ۱۲۳ھ سے ذی قعدہ ۱۲۳ھ تک حکومت کی۔ پہلے دور میں ان سے کئی غلطیاں ایسی ہوئیں جن سے مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا اور افریقیہ کے گورنر نے ناخوش ہو کر معزول کر دیا۔ دوسری مرتبہ انھوں نے اپنی حکومت میں شامیوں کے ساتھ جو بُرے سلوک اور ظالمانہ برتاؤ کیے تھے اس کے انتقام کے لیے شامیوں نے انھیں گرفتار کر لیا اور ان سو سال کے بوڑھے کو قتل کر کے اپنا دل ٹھنڈا کیا۔

دوبارہ انتخاب کے موقع پر بھی ان کی عمر بہت زیادہ تھی۔ بڈھے پھوس تھے مگر باوجود اس کے عقل و حواس بالکل دُرست اور جسم جوانوں کی طرح چُست تھا۔ مدینے کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۳ھ میں قتل کر دیے گئے۔ (تاریخ اسلام جلد سوم)

۵۸ (افرنجہ) عربوں نے جس وقت اسپین فتح کیا ہے تو جبل البرانس Pyrenese کے مشرقی سلسلے سے جو علاقے ملحق تھے وہاں کے رہنے والوں کو الفرنج اور مغربی سلسلے سے ملے ہوئے ملک کے رہنے والوں کو جلالقہ کہتے تھے۔ جبل البرانس کے پار ملکِ فرانس کو بھی ارض الفرنج لکھتے تھے لیکن بعد میں افرنجہ کا لفظ خاص طور پر استعمال ہونے لگا۔ قیطلونیہ اور شمالی ارغون کو ارض الفرنج یا افرنجہ کہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ

اسلامی فتح سے سو برس کے اندر فرانسیسیوں نے قبطلونہ پر قبضہ کرلیا۔ اس رعایت سے بھی ان علاقوں کو جو درحقیقت اندلس میں تھے افرنجہ کہنے لگے۔ (جغرافیۂ اندلس)

۵ (ہشام ابن عبدالعزیز) صحیح نام ہشام بن عبدالملک ہے صاحب اخبار مجموعہ سے سہو ہوا ہے۔ ہشام کا ذکر یزید ابن عبدالملک کے بعد ہی آیا ہے۔ یہ دونوں یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے تھے۔ ہشام ۷۱ھ میں دمشق میں پیدا ہوا اور اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کی وفات کے بعد ۱۰۵ھ میں خلافت پائی۔ اس کے دور میں ۱۲۰ھ میں زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے چودہ ہزار کوفیوں کے ساتھ چڑھائی کی۔ ہشام نے فوج بھیجی جس نے مقابلہ کرکے زید کو شکست دی اور قتل کردیا۔ ان کی جمعیت منتشر کردی۔ اس کے عہد میں خاقانِ ترک سے نہایت خوف ناک جنگ ہوئی جس میں خاقان مارا گیا۔ اس کا سالِ وفات ۱۲۵ھ ہے۔ (قاموس الاعلام جلد سوم صفحہ ۱۱۲۴)

صفحہ (۵۸) لہ (عقبہ بن حجاج) انھیں بعض مورخوں نے عتبہ بھی لکھا ہے لیکن صحیح نام عقبہ ہی ہے۔ یہ ۱۱۶ھ تا ۱۱۷ھ میں افریقیہ کے گورنر کی طرف سے اندلس کے والی مقرر ہوئے۔ ان سے پہلے کے دو تین حاکم اندلس میں بدنام ہو چکے تھے مگر یہ بہت نیک نام ہوئے۔ عدل و انصاف، عقائد کی پختگی اور متانت و سنجیدگی نے انھیں ہر دل عزیز بنا دیا اور اندلس کے تمام باشندے ان سے خوش رہے۔ ہر گانو اور ہر بستی میں ایک ایک عدالت قائم کی۔ مرکزی عدالت علیحدہ تھی۔ ہر بستی میں کم از کم ایک ایک مدرسے کا انتظام تھا اور ملک کے خراج کا ایک

حصّہ مدارس کے مصارف کے لیے مخصوص تھا۔

اندلس پر ان کی حکومت پانچ سال رہی۔ اس مدت میں انھوں نے کئی بار فرانس پر حملے کیے اور شہر اربونہ (ناربون) تک قبضہ کر کے دریاے ارون کے کنارے متعدد قلعے تیار کیے اور شان دار فتوحات کے بعد ملک کا نہایت اچھا انتظام کیا۔ اشاعتِ اسلام کی بہت کوشش کی۔ ان کا دستور تھا کہ واجب القتل قیدیوں کو پہلے قبولِ اسلام کا موقع دیتے تھے۔ ماہِ صفر ۱۲۳ھ میں قرطبہ میں وفات پائی۔

(تاریخ خلافت الاندلس و تاریخ اسلام جلد سوم)

صاحب اخبار مجموعہ نے ان کا سنہ ولایت ،،حکومت اندلس ۱۱۱ھ لکھا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

صفحہ (۶۱) سطر ۵ (اربونہ) (Narbonne) فرانس کا شہر ہے جو بحرِ متوسط کے ساحل سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ۱۰۰ھ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں جب السمح بن مالک الخولانی اندلس میں والی مقرر ہوکر آئے تو انھوں نے فرانس پر فوج کشی کی اور اربونہ فتح کر کے طلوشہ کے معرکے میں مصروف تھے کہ سخت زخمی ہو گئے مگر طلوشہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے اربونہ کی شہر پناہ اور قلعے درست کیے بلکہ ان کو زیادہ بڑھاکر بنوایا۔ ۱۳۵ھ میں چارلس مارٹل اور پیپن شاہانِ فرانس نے اربونہ پر قبضہ پانے کے لیے بڑے زور لگائے مگر ہمیشہ پسپا ہونا پڑا۔ ۱۷۷ھ میں فرانسیسیوں نے پھر زور پکڑا۔ امیر ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل نے اپنے سپہ سالار عبدالملک بن عبدالواحد بن مغیث (فاتحِ قرطبہ) کو اس مہم پر بھیجا جنھوں نے

جرندہ فتح کر کے اس کی شہر پناہ مسمار کر دی پھر اربونہ کا بھی یہی حال کیا۔ اس کے بعد ۳۸۱ھ میں ایک دغاباز نے دھوکے سے یہ شہر مسلمانوں کے قبضے سے نکلوا دیا۔ یہ شہر کچھ کم اسی برس اسلامی حکومت قرطبہ کے ماتحت رہا۔

(جغرافیۂ اندلس)

ؐ۵ (البتہ) Alava آج کل یہ ایک صوبہ ہے جو اندلس کے شمال میں جبل البرانس کے مغربی حصے کے جنوب میں واقع ہے۔ ابتدائی فتوحات میں مسلمانوں نے اپنا دخل کر لیا تھا مگر یہاں عیسائیوں کی قوت بڑھتی گئی۔ چناں چہ ۱۵۰ھ میں ارض البتہ وقلاع یعنی البہ اور قشتالیہ کے ملک پر فوج کشی کی گئی۔ اس کے بعد ۲۵۱ھ میں امیر محمد بن عبدالرحمٰن ثانی کے زمانے میں مسلمانوں نے شمالی اندلس پر چڑھائیاں کر کے یہاں کی عیسائی ریاستوں پر بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ اس ملک کا شمالی حصہ بالکل کوہستانی ہے۔ (ج-۱)

ؐ۵ (صخرہ Sagra معجم البلدان میں لکھا ہے کہ یہ مقام اقلیم اکشونیہ یا اکشونبہ واقع تھا۔ اکشونبہ سے پرتگال کے جنوبی صوبۂ الغرب Algarva کا ایک ضلع ہے۔ یہاں طرف الغرب CapestVincant سے بہت قریب سمندر کے کنارے الصخرہ ایک چھوٹا سا مقام تھا جس کو اسپینی زبان میں ساگیریس Sageres کہتے ہیں۔ شریف ادریسی نے اس کا نام شنقرش لکھا ہے۔ (ج-۱)

صفحہ (۶۱) ، (بلائی) ۹۴ھ میں مسلمان اندلس کے شمال مغربی اضلاع فتح کرنے میں مصروف ہوئے اور اشتوراس Asturies اور جلیقیہ کا ایک حصہ ان کی فتوحات میں شامل ہوا۔ اسی ابتدائی زمانے

میں قوطیوں کا ایک سردار پلایو .Pelayo جس کو عربوں نے بلائی لکھا ہے اندلس سے بھاگ کر استورِاس میں آیا اور یہاں ایک پہاڑ کی کھو میں جس کا نام کوواڈونگا Govadouga تھا اور جسے عربوں نے صخرۃ بلائی لکھا ہے پناہ گزیں ہوا۔ بلائی کے ساتھ تین سو آدمی اور تھے۔ ان سب نے اس پوشیدہ مقام میں رہ کر ان عیسائی حکومتوں کی بنیاد ڈالی جنھوں نے صدہا برس میں طرح طرح کے انقلابات کے بعد ترقی کرتے کرتے آخرکار اندلس سے مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ (ج۔ا)

صفحہ(۶۴) ؎ (موسیٰ اور مائدہ کا قضیہ) اس قصّے کی طرف پہلے کسی مقام پر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ یہ من گھڑت افسانہ ہے۔ موسیٰ جیسے اولوالعزم اور راست باز فاتح سے جو یورپ فتح کر کے قسطنطنیہ تک پہنچنے کا عزم رکھتا ہو ایسی دناءت اور پست ہمتی پر آمادہ ہونے کی توقع خلافِ عقل ہے۔ اندلس اور ممالکِ مغرب کی تاریخ لکھنے والوں میں ابنِ خلدون کا بیان سب سے زیادہ قابلِ اعتبار ہے مگر وہ اس کہانی کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ صرف اتنا لکھتے ہیں کہ جب موسیٰ بن نصیر خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی خدمت میں حاضر ہوتے تو خلیفہ نے موسیٰ کے اس ارادے پر ناراضی ظاہر کی کہ وہ یورپ کے ملک فتح کرتے ہوئے قسطنطنیہ پہنچنا چاہتے تھے اور اس طرح مسلمانوں کو خطرہ اور ہلاکت میں ڈالنے کی جرأت رکھتے تھے۔ دراصل موسیٰ کے اسی ارادے کی خبر سن کر موسیٰ کو خلیفہ ولید نے طلب بھی کیا تھا اسی لیے سلیمان نے اپنے زمانے میں موسیٰ کو ان کی خودرائی وخودسری پر تنبیہہ کی۔ ابنِ خلدون کا یہ بیان بالکل قرینِ قیاس ہے اور اس میں میز والی کہانی کا کوئی ذکر نہیں۔ (تاریخِ اسلام)

صفحہ (۶۶) لہ (نہروان) بغداد کے نیچے ایک وسیع ضلع ہے جس میں کئی متوسط درجے کے شہر و قصبات ہیں۔ مثلاً اسکاف، جرجرایا، صافیہ وغیرہ۔ (مراصد الاطلاع)

لہ (بقدورہ) ملک الجزائر کے ضلع وہران میں ایک مقام ہے جہاں ۱۲۳ھ میں ہشام بن عبدالملک نے ایک فوج کلثوم بن عیاض والیِ افریقیہ کی سرکردگی میں بربریوں کی سرکوبی کے لیے بھیجی تھی۔

صفحہ (۷۲) لہ (القرن) یہ مقام قیروان کا ایک ربض یا نواحی حصہ تھا۔ (بہ حوالہ نسخہ اسپینی اخبار مجموعہ)

لہ (اصنام) شہر قادس Cadiz کے قریب جس قدر علاقہ تھا جس میں طرف الاغر Trafalgar کا ضلع بھی شامل تھا۔ اس کو بھی اہلِ عرب اقلیم الاصنام کہتے تھے۔ مگر اخبار مجموعہ میں جس موقع پر یہ نام آیا ہے وہ افریقیہ سے متعلق ہے۔ غالباً افریقیہ میں بھی کوئی جگہ اس نام کی ہوگی۔ (مترجم)

لہ (عبدالرحمٰن ابنِ زیاد) بیشتر تاریخوں میں ان کا نام زیاد بن عمر نظر سے گزرا ہے۔ بہرحال یہ ایک سوداگر تھے اور انھوں نے اپنی رحم دلی کی وجہ سے بے کس شامیوں کی مدد کی۔ عبدالملک ابن قطن نے انھیں اس نیکی کی سزا بہت سخت دی اور قتل کر ڈالا۔ (تاریخ خلافت الاندلس وغیرہ)

صفحہ ۷۳ لہ (استرقہ) Astorga اس شہر کا نام اشتورقہ اور اشتوریقہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ شمال مغربی اندلس کا مشہور شہر ہے۔ اس کی شہر پناہ اب تک رومیوں کے زمانے کی بنی ہوئی موجود ہے۔ مسلمانوں کی فتح کے کچھ عرصے بعد اشتوراس، جلیقیہ اور لیون میں عیسائی حکومتیں قائم ہوئیں تو استرقہ عیسائیوں کے حق میں پناہ کی جگہ بن گیا۔ انھوں نے ایک قلعہ

بھی بنوایا جس کے آثار اب تک باقی ہیں۔ اسلامی فتح کے بعد اس شہر اور اس کے نواح میں بربری آباد ہو گئے۔ لیکن پھر جنوب کی طرف ہٹ آئے۔ چوتھی صدی ہجری تک اس پر مسلمانوں کا قبضہ رہا۔

صفحہ (۷۴) لہ (جزیرۂ ام حکیم) یہ جزیرہ مشہور شہر جزیرۃ الخضرا کے سامنے واقع ہے۔ یہ جزیرہ بہت چھوٹا ہے۔ اس کا اسپینی نام ایلا وردی Islavarde ہے جس کے معنی ہیں سرسبز جزیرہ اس کے سامنے جو شہر واقع تھا اس کا نام بھی جزیرۂ ام حکیم کی مناسبت سے جزیرۃ الخضرا رکھ لیا گیا (ج-۱)

صفحہ (۷۵) لہ (قوریہ) Coria صوبۂ قاصرش Caceres سے تقریباً ۳۵ میل شمال مغرب میں ایک شہر ہے۔ اسلامی فتوحات کے شروع زمانے میں یہاں بربر آباد ہو گئے تھے بلکہ اس کے تمام اطراف جلیقیہ، مارده وغیرہ صدیوں تک بربر کے مقامات رہے۔ محمد بن ابی عامر المنصور نے جب ۳۸۷ھ میں جلیقیہ پر لشکرکشی کی ہے تو اس وقت اسلامی لشکر نے قرطبہ سے چل کر قوریہ ہی میں پڑاؤ کیا تھا۔ قوریہ میں مسلمان تقریباً تین سو برس تک حکمراں رہے۔

صفحہ ( ) لہ (تاجہ) The Tagus یہ اسپین کا سب سے طولانی دریا منبع سے دہانے تک ۵۶۵ میل مسافت کا ہے۔ پہلے یہ شمال مغرب کی طرف بڑھتا ہے پھر اس کا رُخ بالکل مغرب کی طرف ہو جاتا ہے۔ مقام سنترین کے آگے بحر محیط تک اس کا پاٹ ایسا چوڑا ہو جاتا ہے کہ اس میں جہاز چل سکتے ہیں۔

صفحہ (۷۶) لہ (دار ابی ایوب) یہ مکان غالباً حضرت ایوب بن

حبیب اللخمی سے منسوب ہی جو تابعی تھے اور ذی الحجہ ۹۷ھ سے ذی الحجہ ۹۸ھ تک عبدالعزیز بن موسی والی اندلس کے قتل ہونے کے بعد اندلس کے امیر رہے تھے۔

(مضر) یہ ایک قبیلے کا نام ہی جو حزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر سے منسوب ہی۔ یہ قبیلہ عدنانی سلسلے کے عربوں میں بنی ربیعہ کی شاخ سے تعلق رکھتا ہی۔ بنی ربیعہ بن نزار میں سے بعض لوگ اپنے کو اسدی کہتے تھے یعنی اسد بن ربیعہ بن نزار کی اولاد اور بعض اپنے کو محاربی کہتے تھے یعنی محارب بن عمر بن ودیعہ بن بکیر بن قصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ کی اولاد۔ اسدی یا اسد کی اولاد میں سب سے زیادہ شریف یہی بنی مضر سمجھے جاتے ہیں۔ (ج-۱)

صفحہ (ابن قطن) عبدالملک ابن قطن پر ایک تشریحی نوٹ اس سے پہلے دیا جا چکا ہی۔ یہاں اس امر کی توضیح مقصود ہی کہ یہ واقعہ حرہ (مقام حرہ کی لڑائی) میں شریک ہو چکے تھے اس وجہ سے انھیں شامیوں سے نفرت تھی۔ شامیوں نے عبدالملک کی بدسلوکی سے بھانپ لیا تھا کہ یہ واقعہ حرہ میں حجازیوں کو جو شکست ہوئی تھی اس کا کینہ نکال رہا ہی۔ اس لیے بالآخر عبدالملک کو قتل کر ڈالا۔

صفحہ (۷۸) لہ (المدورل) Almadovar اسپین اور پرتگال میں اس نام کے کئی شہر ہیں۔ صوبہ قادس میں اس نام کی ایک ندی بھی ہی جو جبال رندہ Ronda سے نکل کر جنوب مشرق میں بہتی ہوئی البحیرہ میں گرتی ہی۔ اس نام کے چند شہر یہ ہیں:۔

(۱) حصن المدور۔ یہ شہر قرطبہ سے مغرب میں وادی الکبیر کے

کنارے واقع ہی۔

(۲) المدور۔ قلعۂ رباح سے جنوب مشرق میں موجودہ صوبۂ قرطبہ کا ایک شہر ہی۔

(۳) المدور۔ صوبۂ کونکہ Cuenca کا ایک شہر ہی۔

(۴) المدور۔ جنوبی پرتگال میں شہر مرتلہ Mertola کے مغرب میں بھی ایک شہر ہی۔ (ج۔۱)

۵ (حکم بن ہشام) اپنے باپ ہشام کے بعد ۱۸۰ھ مطابق ۷۹۶ء میں تخت نشین ہوئے اور ۲۵ ذی قعدہ ۲۰۶ھ مطابق ۸۲۲ء میں وفات پائی۔ باقی حالات خود اصل کتاب میں حسب موقع درج ہیں۔

صفحہ (۷۹) له (راقوہ برطورہ) اس مقام کی تشریح کسی اور کتاب میں نہ مل سکی۔ خود کتاب زیر ترجمہ میں قرطبہ سے اس کا فاصلہ پچیس میل ظاہر کیا ہی۔ (مترجم)

صفحہ (۸۰) له اس مرتبہ ثعلبہ بن سلامہ عاملی شوال ۱۲۴ھ سے رجب ۱۲۵ھ تک اندلس کا حاکم رہا۔ چوں کہ یہ شخص یمنی تھا اس لیے اس نے اندلس پر قابض ہو کر اہل یمن کی بہت طرف داری کی۔ اہل یمن پر بے جا احسانات اور دوسرے عربوں پر تشدد کی وجہ سے تمام عربی قبائل ثعلبہ سے ناراض ہو گئے اور مجبوراً حنظلہ بن صفوان گورنر افریقیہ سے شکایت کی جنھوں نے ابوالخطار حسام بن ضرار کو امارتِ اندلس پر مامور کیا۔

صفحہ (۸۱) له مسارہ (مصارہ) شہر قرطبہ کے مغرب میں اور اسی شہر سے متعلق اس نام کا ایک وسیع میدان تھا۔ یہاں ۱۳۸ھ میں یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری اور عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام میں پہلی

جنگ ہوئی تھی جس نے عبدالرحمٰن بن معاویہ کو اندلس کا مالک بنا دیا۔

(ج ۱۰)

صفحہ ۸۴ لہ (ابوالخطار حسام بن ضرار کلبی) رجب ۱۲۵ھ سے رجب ۱۲۷ھ تک اندلس کے والی رہے۔ ان کا دورِ حکومت ابتداءً بہت کامیاب و قابلِ تعریف رہا۔ مگر تھوڑے دن بعد ثعلبہ کی طرح انھوں نے اپنے ہم قوم یمنیوں کی بے جا حمایت شروع کر دی جس کی وجہ سے قبائلِ مضر دشمن ہو گئے۔ خصوصاً قبیلۂ قیس بہت برہم ہوا۔ اور اپنی عداوتوں کے باعث یہ شکست کھا کے مارے گئے۔

اندلس کے صوبوں کے نام شام کے علاقوں پر انھی کے زمانے میں رکھے گئے تھے مثلاً صوبۂ البیرہ کا نام اہلِ دمشق نے شام

" اشبیلیہ " " حمص " حمص } رکھا۔

جیاں کا نام " بنی قناصرین نے قنسرین

صفحہ (۸۴) لہ (کسکر) ایک وسیع علاقہ ہے جس کا پایۂ تخت یا صدر مقام واسط ہے جو کوفے اور بصرے کے درمیان واقع ہے۔ کسکر کی حد مشرقی جانب میں دریائے نہروان کے آخری سرے سے ملتی ہے۔ یہ علاقہ نشیبی ہونے کی وجہ سے بہت زرخیز تھا۔ اس میں چاول بہت زیادہ ہوتا تھا۔ (مراصد الاطلاع)

صفحہ (۸۶) لہ (نہر ابی فطرس) رملہ علاقۂ فلسطین کے قریب ایک موضع ہے جو شمالی سمت میں رملہ سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا مخرج وہ چشمے ہیں جو نابلس کے قریب والے پہاڑ میں ہیں۔ اسی نام کا دریا شہر ارسوف و یافہ کے درمیان بحرِ شور میں گرتا ہے۔ (مراصد الاطلاع)

صفحہ (۶۵) لہ (مروان) مروان بن محمد بنی امیہ دمشق کا آخری خلیفہ جو مروان الحمار کے نام سے مشہور ہے۔ بنی عباس سے شکست کھاکر مصر جانا چاہتا تھا کہ شہر بوصیر میں ابو العباس سفاح کے بھائی صالح کے ہاتھ گرفتار ہوا اور جمادی الثانی ۱۳۲ھ میں قتل کیا گیا۔

صفحہ ۷۵ لہ (دیر حنا) حیرہ میں ایک پُرانا دیر (کنیسہ) ہے جس کے مقابل ایک بلند منارہ دیدبان کی طرح واقع ہے۔ مراصد الاطلاع) اسپینش نسخے میں لکھا ہے کہ شہر قنسرین کے متصل یہ ایک قریہ تھا اور حلب کے جنوبی وغربی مضافات میں واقع تھا۔ عہد اسلامی میں شاہی محلوں اور تفریح گاہوں کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ مگر اب نہ قنسرین باقی ہے نہ دیر حنا۔

صفحہ سلہ (رصافہ) یہ لفظ رصیف سے مشتق ہے۔ اس کے لغوی معنی ایسی جگہ کے ہیں جہاں پتھر کی سِلوں کا فرش ہو۔ اس نام کے دو مقام ہیں۔ ایک رصافۂ قرطبہ، دوسرا رصافۂ بلنسیہ۔ رصافۂ قرطبہ دراصل ایک نزہت گاہ کا نام ہے جسے عبد الرحمٰن الداخل نے اپنے زمانۂ حکومت میں قرطبہ سے مغرب کی سمت میں تعمیر کیا تھا اور اس کا نام اپنے دادا خلیفۂ ہشام کی سیرگاہ واقع دمشق کے نام پر رصافہ رکھا تھا۔ اس میں عبد الرحمٰن نے ایک عالی شان قصر بنواکر ایک بڑا پُر فضا باغ لگایا تھا اور رفتہ رفتہ یہاں ایسی آبادی ہوگئی تھی کہ وہ ایک شہر سا معلوم ہونے لگا۔

(جغرافیۂ اندلس)

صفحہ (۹) لہ (قنسرین) یہ شہر حلب سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ پہلے نہایت آباد و معمور مقام تھا۔

صفحہ (۸۹) ۲ے (سیاہ جھنڈے) عباسی لشکروں کے جھنڈے سیاہ رنگ کے تھے۔ یہ رنگ عباسیوں کی حکومت کے نشان کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

صفحہ (۹۱) ۱ے (مسلمہ بن عبدالعزیز) یہاں بھی مصنّف کا سہو معلوم ہوتا ہی۔ مسلمہ بن عبدالملک ہونا چاہیے جو اپنے عہد کے اموی بہادروں اور قائدوں میں بہت مشہور تھا۔ اس کی مشہور فتوحات میں قسطنطنیہ والی مہم خصوصیت سے اہم ہو جس میں مسلمہ اپنے بھائی سلیمان کے عہد میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں کی فوج لے کر گیا اور فتح پائی۔ مسلمہ نے سنہ ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔ (قاموس الاعلام)

(باری) اس مقام کا پتا نہ چل سکا۔ یہاں بربری علاقے کا کوئی گانو مُراد ہی۔

صفحہ ۹۲ ۱ے (مکناسہ) جن بربری قبیلوں کی تشریح اس سے پہلے ہو چکی ہو انھی میں ایک قبیلہ اس نام کا بھی ہی۔ بربری علاقے کے گانو اور قصبے ان کے قبیلوں کے نام سے موسوم تھے۔ چناں چہ مکناسہ قبیلہ بھی ہو اور گانو بھی جغرافیۂ اندلس میں لکھا ہو کہ مکناسہ بالا اندلس Mequinenza موجودہ صوبۂ سرقسطہ کے بالکل مشرقی سرحد پر دریاے ابرہ کے کنارے اب بھی ایک شہر ہی۔ (صفحہ ۴۸۷) (مترجم)

(النفزہ) یہ بھی ایک بربری قبیلے اور گانو کا نام ہی۔ شاطبہ والے بنو طحان اسی بڑے قبیلے سے متعلق تھے۔

اس موقع پر صاحب اخبار مجموعہ نے بہت اختصار سے کام لیا ہی۔ واقعات کی صورت یہ ہی کہ ایک دن ایک یمنی اور ایک کنعانی عرب میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ یمنی ابوالخطار کا

چچیرا بھائی تھا۔ دونوں فیصلے کے لیے امیر (ابوالخطار) کے پاس پہنچے۔ امیر ابوالخطار نے کنعانی کے موافق شہادت ہونے کے باوجود اپنے بھائی کی طرف داری کی اور فیصلہ اسی کے حق میں صادر کیا۔ کنعانی ناراض ہوکر صمیل کے پاس گیا۔ امیر کی شکایت کی اور اس سے مدد مانگی۔

صفحہ ۹۴ صمیل اپنی قوم کا بہت پاس کرتا تھا ظلم و ناانصافی سے اسے سخت نفرت تھی۔ بنی مضر کا سردار ہونے کی حیثیت سے کنعانی کی حمایت کرنا اس کا فرض تھا اس لیے وہ فوراً ابوالخطار سے ملا اور اس کی بے جا طرف داری کی شکایت کی۔ ابوالخطار نے بجائے اس کے کہ نادم ہوتے صمیل سے نامناسب سلوک کیا اور دونوں میں بات اتنی بڑھ گئی کہ ابوالخطار نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ صمیل کو مار کر قصرِ امارت سے نکال دیں۔ اس کے بعد صمیل نے اپنی قوم کو جمع کیا اور یمنی و مضر کا وہ معرکہ ہوا جس کا ذکر ابوالخطار کی امارت میں کیا جا چکا ہے۔

۵۲ (مرجِ راہط) مرج وسیع و میدانی سبزہ زار یا چراگاہ کو کہتے ہیں۔ مرجِ راہط، راہط کی طرف منسوب ہے اور دمشق کے نواح میں واقع ہے۔ یہاں قوم مرج راہط سے بنی مضر وغیرہ شامی قبائل مُراد ہیں۔

۵۳ (ثوابہ) ثوابہ بن سلامہ جذامی قبیلہ بنی جذام سے تھے۔ صمیل وغیرہ نے بنی مضر کے رسوخ سے کام لے کر فوج کی طرف سے انھیں اندلس کا حاکم تجویز کیا پھر چند روز بعد خلیفہ سے بھی ان کے تقرر کی منظوری منگوالی۔ ابوالخطار والے یمنی گروہ کے مقابل جو مضر کا گروہ صف آرا تھا اس کی قیادت ثوابہ ہی کے سپرد تھی

یہ رجب ۱۲۷ھ میں منتخب ہوئے اور ربیع الثانی ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔

صفحہ (۱۰۰) لہ (صخرہ) واستورس کے ایک پہاڑ میں ایک کھوتھی جس کا نام کوادونگا Covadonga تھا۔ اسی کھو کو عرب مورخ صخرۂ بلائی لکھتے ہیں۔ قوطیوں کا سردار بلائی اسی مقام میں پناہ گزیں ہوا تھا۔

(واستورس) یہ وہی مقام ہے جسے اسٹریاس اور اشتوراس بھی کہتے ہیں اور انگریزی میں Austurias لکھتے ہیں۔ شمالی اندلس کا ایک پرانا صوبہ ہے۔ اس کے شمال میں خلیج بسکے (بشکونس) مشرق میں قشتالیہ Old Castile جنوب میں صوبۂ لیوں اور مغرب میں صوبۂ جلیقیہ Galicia ہے۔ اسپین کے صوبوں کی جدید تقسیم میں اشتوراس یا واستورس کا نام اویدو Oviedo رکھ دیا گیا مگر پرانا نام بھی مستعمل رہا۔ اسے ۱۴۵ھ میں مسلمانوں نے قوطیوں سے فتح کیا اور اس کے ساتھ جلیقیہ کا بھی ایک حصہ سر کیا۔ (ج۔ ا)

صفحہ (۱۰۰) ۲ھ (اصیلا) اندلس کا ایک شہر ہے جو غالباً طلیطلہ کے مضافات میں تھا۔ بعض لوگوں نے مغرب کے قریب ایک مقام کا نام (اصیلہ) بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی فصیل میں پانچ دروازے تھے اور یہ مقام سمندر سے قریب تھا۔ جس وقت موجیں اٹھتی تھیں تو اس کی جامع مسجد کی دیوار سے ٹکراتی تھیں۔ مغرب میں اس جگہ کا فاصلہ طنجہ سے ایک منزل کا ہوگا۔ (مراصد الاطلاع)

۳ھ (وادی برباط) یہ ان دریاؤں میں ہے جو بحر زقاق یا بحر محیط میں گرتے ہیں۔
۴ھ (بڑی سرحد) عربی میں (ثغر الاکبر) لکھا ہے جس کے یہی معنی ہیں۔

مگر جغرافیۂ اندلس سے واضح ہی کہ ثغر یعنی سرحدی مقامات کو دو حصّوں
میں تقسیم کر دیا تھا۔ نبرہ سے ملحق اسلامی علاقے ثغر الادنیٰ کہلاتے تھے
اور شمالی اسپین کا علاقہ قیطلونیہ، ارغون اور بلنسیہ کا بڑا حصّہ ثغر الاعلیٰ
کے نام سے موسوم تھا۔ (ج-۱)

صفحہ (۲ ۱) لہ (جیان۔ قنسرین) Jaen وسطی اندلس کے
جنوبی حصّے میں آج کل ایک صوبے کا نام ہی اور اس کے صدر شہر کا بھی
یہی نام ہی۔ جیان کا شہر نہر بلون یا وادی بلون Guadabullon سے
ایک میل مغرب میں جبلِ کوریا جبلِ کوز کے شمال مشرقی دامن پر
واقع ہی۔ یہ نام اہلِ عرب کا رکھا ہوّا ہی۔ اس نام کا ایک شہر ملکِ شام
میں پہلے سے موجود تھا۔ اندلس میں اس شہر کے مقام پر ایک پرانا
رومی شہر اورگی یا اورجی Aurge تھا اہلِ عرب نے اس کو بھی
جیان کے ساتھ شامل رکھا اور اسے اوریہ جیان کہا جو غالباً اورگی
کا معرّب ہی۔

مسلمانوں نے یہ شہر سنہ ۹۲ھ میں فتح کیا۔ کچھ دنوں کے بعد جب
لشکرِ شام کے وہ لوگ جن کو قنسرین واقع شام سے تعلّق تھا یہاں
آباد ہوتے تو انھوں نے جیان کا نام قنسرین رکھ دیا۔ یہ شہر علم و فضل
اور صنائع وغیرہ کے لحاظ سے بہت مشہور تھا۔ یہاں تقریباً پونے چھ سو
برس اسلامی حکومت رہی۔ (ج-۱)

(دریاے آنہ) یا وادی انہ۔ اس دریا کا پرانا نام اناس
The Anas تھا جس کو عربوں نے آنہ یا یانہ کرلیا۔ یہ دریا ان ہی
پہاڑوں کے قریب سے نکلا ہی جہاں سے دریاے شقر Jucar.

نکلا ہی۔

صفحہ (۳۷) لہ (مغیلہ) مضافاتِ شذونہ (اندلس) میں ایک وسیع ضلع ہی جس میں ایک قلعہ بھی ہی۔ (مراصدالاطلاع)

صفحہ (۱۱۶) لہ (منکب یا المنکب) جنوبی اندلس کا ایک چھوٹا سا شہر غرناطہ کے جنوب میں ساحلِ بحرِ متوسط پر واقع ہی۔ یہ وہ مقام ہی جہاں عبدالرحمٰن الداخل ۱۳۸ھ میں پہلی مرتبہ جہاز سے اتر کر اندلس میں داخل ہوئے تھے۔ المنکب اب ایک غیر معروف ساحلی شہر ہی مسلمانوں کے زمانے میں بڑا مقام تھا۔ ۹۲ھ سے ۸۹۴ھ تک (۸۰۲) برس مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔ (ج۔۱)

لہ (طروش) .Torrox اس نام کے تین مقامات معلوم ہوئے ہیں۔ (۱) طرش صوبۂ غرناطہ کے ساحل پر المنکب .Almunecar سے ۱۳ میل مغرب میں ایک شہر اور بندرگاہ یہ مقام زیادہ پرانا نہیں۔ (۲) دوسرا مقام وہ ہی جس کو اہلِ عرب حصن طرش کہتے تھے۔ وہ اس ساحلی شہر طرش سے فاصلے پر تھا۔ حصن طرش موجودہ صوبۂ مالقہ کے بالکل شمالی سرحد پر ایک شہر یا قلعہ تھا۔ عبدالرحمٰن الداخل المنکب کے ساحل پر اُتر کر اسی مقام پر پہنچے اور عبیداللہ بن عثمان کے عالی شان محل میں مہمان رہے تھے۔ (۳) تیسرا مقام قریۂ طرش ہی۔ اس کی نسبت یہ بیان ہی کہ وادی آرو کے کنارے جزیرۂ خضرا کے علاقے کا ایک گاؤں تھا جو عبدالملک معافری کو بہ طورِ جاگیر ملا تھا۔

(البشکنس یا بسکے) Biscay عربوں نے جس وقت اندلس کو فتح کیا ہی تو جبل البرانس Pyrenees کے مغربی سلسلے سے جو ملک سے

ہوتے تھے ان کے رہنے والوں کو جلالقہ یا لشکنس کہتے تھے۔ اور اس طرف کے علاقے بھی لشکنس کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ (جغرافیہ اندلس)

(وادی شرنبہ) وادی یا دریائے شرنبہ شہر مجریط Madrid. سے قریب مشرق کی سمت میں بہتا ہوا گزرتا ہے اور شہر ارنیش .Aranjuez سے قریب ہی دریائے تاجہ میں رل جاتا ہے۔

(جغرافیۂ اندلس صفحہ ۳۵)

(دارش۔ ایرش) اس کے متعلق کوئی قابلِ اطمینان بیان نہ ملا۔ جغرافیۂ اندلس میں صرف اتنا لکھا ہے کہ جنوبی اندلس میں مالقہ کے پہاڑوں میں کوئی مقام تھا۔

صفحہ (۱۲۵) ۱؎ (قلنبیرہ Colombera) شہرِ اشبیلیہ کے قریب طشانہ اور برنت کے شہر تھے اور انھی میں سے کسی کے قریب قلنبیرہ واقع تھا۔

(ر ج۔ ا)

۲؎ طشانہ .Tocina یہ شہر موجودہ صوبۂ اشبیلیہ کی حدود میں شہرِ اشبیلیہ سے شمال کی سمت میں تقریباً ۲۵ میل کے فاصلے پر باتیں کنارے کے قریب آباد ہے۔ نظم حکومت کے اعتبار سے طشانہ کا تعلق ہمیشہ اشبیلیہ کے صوبہ داروں یا بادشاہوں سے رہا۔ (ر ج۔ ا)

۳؎ قسطونہ (قسطلونہ) .Cazlona اصل کتاب میں قسطونہ اور اس کے اسپینی ترجمے میں Cazlona درج ہے جو عربی میں قسطلونہ کہلاتا ہے۔ بہ ظاہر طباعت کی غلطی سے قسطونہ چھپ گیا ہے۔

صفحہ ۱۲۶ ۱؎ قسطلونہ صوبۂ جیان میں شہرِ جیان کے قریب شمنتان کے پہاڑوں میں واقع تھا۔ اندلس کے ساتویں تاج دار امیر عبداللہ کے زمانہ

(۲۷۵ھ ۔ ۳۰۰ھ) میں یہاں عبید اللہ بن امیہ بن الشالیہ نے بغاوت کی تھی اور خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے زمانے میں اطاعت قبول کی۔

(ج ۔ ا)

صفحہ (۱۲۸) لہ (بابش) شریف ادریسی نے لکھا ہے کہ یہ اقلیم بجانہ (موجودہ صوبۂ المریہ) کے قلعوں میں سے ایک قلعہ ہے۔ اس کا موجودہ نام والیز روبیو Velez Rubio ہے۔ یہ اب بھی صوبۂ المریہ Abmeria کے شہروں میں ایک بڑا شہر ہے۔ عرب مورخوں کے بیان کے مطابق یہاں ایک قلعہ قلعۂ بلج کے نام سے مشہور تھا جسے بلج بن بشر القشیری نے جو دوسری صدی ہجری کے اوائل میں اندلس کے والی ہو گئے تھے تعمیر کرایا تھا۔ (ج ۔ ا)

صفحہ (۱۴۳) لہ (منتیشہ) Mentessa. معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کورۂ جیان کے علاقے میں یہ ایک پرانا شہر ہے جو باغوں، نہروں اور چشموں پر واقع ہے۔

صفحہ (۱۳۶) زندمین ۔ تدمیر) اسپینش ترجمے میں لکھا ہے کہ قرطبہ کے جانب شمال ایک میل کے فاصلے پر ایک قلعہ تھا۔

صفحہ ۱۳۶ لہ (ارملہ) جغرافیۂ اندلس اور دوسری کتب جغرافیہ میں اس کا حال نہیں ملا۔ اخبار مجموعہ (کتاب زیر ترجمہ) سے واضح ہے کہ یہ موضع صوبۂ البیرہ میں واقع تھا۔ (مترجم)

اسپینش ترجمے میں اسے غرناطہ کے قریب بتایا ہے۔

صفحہ (۱۳۷) لہ (بلاط الحر) قرطبہ میں والیِ اندلس الحر بن عبدالرحمٰن الثقفی (۹۸ ۔ ۱۰۰ھ) کے ایک محل کا نام تھا۔ (ج ۔ ا)

صفحہ (۱۴۵) ؎ (لقنت) Alcante جنوب مشرقی اندلس کے ایک صوبے اور اس کے دارالحکومت کا نام ہی۔ نفح الطیب میں اسے حکومتِ مرسیہ کا ماتحت علاقہ بیان کیا ہی اور شریف ادریسی نے کورۂ کونکہ کا شہر کہا ہی۔ آج کل لقنت خود ایک صوبہ ہی۔ ۱۰۰ھ میں مسلمانوں کے قبضے میں آیا اور پانچ سو چھیاسی برس مسلمانوں کے تصرف میں رہنے کے بعد ۶۸۴ھ میں عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ (ج۔ ا)

صفحہ (۱۴۷) ؎ (مورور) .Maron موجودہ صوبۂ اشبیلیہ میں شہر اشبیلیہ سے جنوب مشرق میں تقریباً ۳۵ میل کے فاصلے پر ایک شہر اب تک موجود ہی۔ اس کا اسپینی نام مورون ہی۔ معجم البلدان میں اس کو اعمال قرمونہ کا ایک کورہ لکھا ہی۔ قرمونہ بھی اشبیلیہ کے قریب ہی ہی۔ (ج۔ ا)

؎ (وادیِ کنذا) یہ مقام بہ ظاہر وادی کزنہ The Cuzna ہی۔ وادیِ کنذا کے نام کا کوئی پتا نہ چل سکا۔

جغرافیۂ اندلس میں وادیِ کزنہ کی تشریح میں لکھا ہی کہ آج کل یہ ایک دریا کا نام ہی جو صوبۂ قرطبہ میں سلسلۂ جبالِ قرطبہ سے نکل کر جنوب کی سمت میں بہتا ہوا شہرِ قرطبہ سے مشرق میں دس گیارہ میل کے فاصلے پر وادیِ الکبیر میں مل جاتا ہی۔ (ج۔ ا)

صفحہ (۱۴۷) ؎ (قریش) صوبۂ قرطبہ میں حصن لورہ .Lora del Rio سے تقریباً ۲۰ میل شمال میں حصن قسنطینۃ الحدید Constantina کے قریب ایک قلعہ تھا۔ (ج۔ ا)

(فحص البلوط) فحص البلوط سے مراد موجودہ صوبۂ قرطبہ کا

شمالی حصّہ ہی یا اس سے متّصل کمپودی کلاٹ راوا علاقہ قلعۂ رباح مُراد ہی۔ انھی علاقوں میں کہیں یہ مقام تھا جہاں سیماب کی کان تھی۔ اسپین کے موجودہ نقشے میں اس مقام کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ (ج-۱)

صفحہ (۱۴۲) لے (قلعۂ رعواق) اخبار مجموعہ میں اس قلعے کا یہی نام لکھا ہی اور اسپینش ترجمے میں بھی Kalaa Rawak درج ہی لیکن تاریخی جغرافیہ اندلس میں اس کا نام راعوق لکھّا ہی اور یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ یہ اشبیلیہ کے قریب ایک قلعہ تھا انھی واقعات کا ذکر کیا جو اخبار مجموعہ میں درج ہیں۔

(مترجم)

لہ (ولجہ) شریف ادریسی نے اس کو ایک اقلیم قرار دے کر سرتہ Monacidde zorita فتہ Hita اور قلعۂ رباح .Calatrava کے شہر درج کیے ہیں۔ ان شہروں کے موقع کو دیکھ کر قیاس ہوتا ہی کہ اقلیم ولجہ میں کم سے کم موجودہ صوبے سودادریال Chidad Real صوبۂ کونکا اور صوبۂ طلیطلہ کے کچھ حصّے شامل تھے۔ (ج-۱)

لہ (وادی ابرہ) The Ebro یہ بڑا دریا (۴۲۰) میل لمبا ہی۔ یہ شمال مغرب سے مشرق کی سمت میں بہتا ہوا طرطوشہ کے شہر سے کچھ دوُر آگے بڑھ کر بحرِ متوسط میں گر جاتا ہی۔ اس دریا میں بہت سے دریا ملتے ہیں جن کے اطراف میں متعدّد بڑے بڑے شہر واقع ہیں۔ مثلاً طرطوشہ، مکناسہ، روطہ، سرقسطہ وغیرہ۔

لہ (نہرِ اعظم) یہ اندلس کا بڑا مشہور دریا ہی اور وادی الکبیر The Guadalquiror کے نام سے زیادہ مشہور ہی۔ ان دونا موں کے علاوہ اسے نہرِ قرطبہ یا نہرِ اشبیلیہ بھی کہتے ہیں اس کا منبع کورۂ جیان

کے مشرقی پہاڑوں میں ہی جن میں ایک کا نام جبل شقورہ Sierra de Segura. ہی۔ اس دریا کے کنارے بہت سے شہر اور قلعے ہیں۔ یہ دریا بحرِ محیط میں جا ملتا ہی۔ (جغرافیۂ اندلس صفحہ ۳۲)

صفحہ (۱۴۸) لہ (اوریط) معجم البلدان میں اسے فحص البلوط کا ایک علاقہ لکھا ہی جس میں مسطاسہ نام کا ایک قلعہ ہی۔ فحص البلوط سے موجودہ صوبۂ قرطبہ کا شمالی حصّہ مُراد ہی۔ (ج ۔ ا)

صفحہ ۱۴۹ لہ (لبلہ) Niebla. مغربی اندلس میں صوبۂ ولبہ Huelva. کا ایک چھوٹا سا شہر دریائے ٹنٹو The Tinto. کے بائیں کنارے پر واقع ہی شہرِ اشبیلیہ سے مغربی جانب اس کا فاصلہ تقریباً چالیس میل ہوگا۔ پہلی صدی ہجری کے آخر میں یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہونے کے بعد بہت جلد باغی ہوگیا۔ موسی بن نصیر اس وقت ماردہ کی فتح میں مصروف تھے۔ لبلہ کی بغاوت کا علم ہوا تو عبدالعزیز نے اپنے بیٹے کو اس مہم پر بھیجا جنھوں نے دوبارہ اسے فتح کیا۔ یہاں چھ سو برس کے قریب اسلامی حکومت رہی ساتویں صدی ہجری میں عیسائی قابض ہو گئے۔ (ج ۔ ا)

صفحہ (۱۵۰) لہ (الفنتین) جنوبی اندلس میں لوشہ Loja. اور غرناطہ Granada. کے درمیان لوشہ کے قریب موجودہ صوبۂ مالقہ کا ایک شہر تھا۔ اس کو الفنتین یا الفینن بھی لکھا ہی۔ قدیم جغرافیہ نویس اسے کورۃ البیرہ یعنی صوبۂ غرناطہ کا علاقہ بیان کرتے ہیں۔ (ج ۔ ا)

صفحہ (۱۵۲) لہ (قوریہ) Coria. صوبۂ قاصرش Caceres. سے تقریباً ۳۵ میل شمال مغرب میں ایک شہر ہی۔ پانچویں صدی ہجری کے وسط میں قوریہ عیسائی مملکت کا ایک شہر تھا۔ اس کے علاقے بہت

تروتازہ تھے۔ ان میں بیش تر انگور اور انجیر کے باغ تھے۔ (رج۔۱)

(بمبیسر) یہ نام جہاں تک معلوم ہو سکا بنبذر کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ تاریخی جغرافیۂ اندلس میں بنبذر کی تشریح میں لکھا ہے کہ قرطبہ اور زواغہ کے درمیانی علاقوں میں دریاے بمبزر .The Bembazar بہتا ہے۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل کے حالات میں ایک قلعے کا بھی ذکر ہے جو اسی نام سے موسوم ہے۔

صفحہ ۱۵۳ لہ (الغرب) پرتگال کا ایک جنوبی علاقہ .Algarve کے نام سے مشہور ہے۔ (رج۔۱)

صفحہ (۱۵۵) لہ (وادی شوش) .The Guadajoz یہ مدیطا قلیم کنبانیت .Compania کی زمینوں کو شاداب کرتا ہوا جس کے قریب قلعۂ یحصب واقع ہے۔ قرطبہ کے جنوب میں کچھ فاصلے پہ وادی الکبیر میں جا ملتا ہے۔

(رج۔۱)

صفحہ (۱۵۵) لہ (بربنس) اس مقام کا نام ابن برینس بھی آیا ہے۔ صوبۂ اشبلیہ کے شہر قرمونہ سے شمال مغرب میں وادی الکبیر کے جنوب میں دریا سے بہت قریب ایک شہر اس نام کا اب تک موجود ہے۔ (رج۔۱)

صفحہ ۱۵۶ سہ (شنتبریہ) .Sontebria حال کی تحقیقات کے مطابق موجودہ صوبۂ طلیطلہ یا اس سے متصل کونکہ کے مشہور گوادی ایلا کے کنارے واقع تھا۔ سنہ ۲۷۰ھ کے قریب امیر محمد بن عبدالرحمٰن ثانی کے زمانے میں بربر خاندان کا ایک مشہور شخص سلیمان یہاں کا حاکم تھا۔ جو ہمیشہ تختِ قرطبہ کا مطیع رہا لیکن اس کی اولاد نے بغاوت کی۔ امیر عبداللہ کا زمانہ آیا تو اسی بغاوت کے سلسلے میں شاہی فوجوں نے یہ شہر باغیوں سے

چھین لیا۔ مسلمانوں کے وقت میں شنت بریہ بڑا آباد شہر تھا۔ (ج۔۱)
صفحہ (۱۵۵) لہ (قارلہ) یا قرلہ سے فرانس کا بادشاہ شارلیمن مراد ہے۔

(ج۔۱)

صفحہ (۱۶۳) (وفات عبدالرحمٰن الداخل) اس موقع پر عبدالرحمٰن الداخل کے چند ضروری حالات اور لکھے جاتے ہیں۔ عبدالرحمٰن الداخل ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ معاویہ نے (بہ عمر ۱۲ سال) خلیفہ ہشام کے عہد میں ۱۱۸ھ میں انتقال کیا۔ عبدالرحمٰن کو خلیفہ ہشام نے پرورش کیا۔ وہ انھیں اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ اندلس کی مشہور مسجدِ قرطبہ اور باغ رصافہ ان ہی کے عہد میں تعمیر ہوئے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی عمارتیں، مسجدیں، حمّام، پل اور قلعے ان کی یادگار ہیں۔ یہ نہایت نیک سیرت اور منصف مزاج امیر تھے۔ رعایا میں اگر کوئی مرجاتا تو خود بھی اس کے جنازے میں شرکت کرتے تھے۔ عام نمازوں میں اور جمعے کی نماز میں امامت خود کرتے تھے۔ بیماروں کی عیادت بھی ضرور کرتے تھے۔ نہایت سنجیدہ، خوش تقریر، معاملہ فہم اور منتظم شخص تھے۔ سیاست کے ماہر اور بڑے فیّاض تھے۔ رحم دل، رعایا پرور اور رعیت کے سچّے بہی خواہ تھے۔ ۱۷۱ھ یا ۱۷۲ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں وفات پائی اور قرطبہ میں دفن ہوئے۔

(تاریخ خلافت الاندلس)

صفحہ (۱۶۶) لہ (ہشام) ہشام ابن عبدالرحمٰن الداخل۔ ماہ شوال ۱۳۹ھ میں پیدا ہوا۔ باپ کے انتقال کے وقت صوبۂ ماردہ کا صوبے دار تھا۔ اس کی تخت نشینی کی رسم ماردہ ہی میں ادا ہوئی۔ ہشام کے عہد میں علم وفضل اور ہر قسم کے کمالات کو بہت ترقی ہوئی۔ یہ نہایت عادل و منصف مزاج

بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں حضرت مالک بن انس کے پاکیزہ خیالات اندلس میں بہت رائج ہوئے۔ رعایا نے اس کی معدلت پروری سے متاثر ہوکر اسے العادل کا خطاب دیا تھا۔ اس کا سالِ وفات ۱۸۰ھ ہے۔ مسجد قرطبہ کی تعمیر اسی کے عہد میں اختتام کو پہنچی۔ (تاریخ خلافت الاندلس)

صفحہ (۱۷۰) لے (الحکم) ۱۸۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کے بادشاہ ہونے ہی اس کے چچا عبداللہ اور سلیمان باغی ہوگئے۔ الحکم ان کے انسداد کی طرف متوجہ ہوا تو عیسائیوں نے موقع پاکر ۱۸۵ھ میں برشلونہ پر حملہ کرکے قبضہ کرلیا مگر الحکم نے جلد ہی عبدالکریم بن مغیث کی سرکردگی میں فوج بھیجی اور عیسائیوں سے ملک خالی کرالیا۔ اس کے عہد میں کئی اہم بغاوتیں وقوع میں آئیں اور سب اس کے حسنِ انتظام سے فرو ہوگئیں۔ ۲۰۰ھ میں اس نے اپنے وزیر عبدالکریم ابنِ مغیث کی سرکردگی میں فرانس پر فوجیں بھیجیں جو حدودِ جلیقیہ میں داخل ہوکر سرحدی قلعوں پر قابض ہوگئیں۔ الحکم کا انتقال ۲۵ رذی قعدہ ۲۰۶ھ میں ہوا۔ (تاریخ خلافت الاندلس)

سے (قاضی) ان بزرگ کا نام ابنِ عمران ہے۔ یہ قاضی محمد بن بشیر سے پہلے الحکم کے مقرر کردہ قاضی تھے۔ (تاریخ خلافت الاندلس)

صفحہ (۱۷۳) لے (محمد بن بشیر) ان کے والد سعید بن بشیر امیر عبدالرحمٰن الداخل کے عہد میں قرطبہ کے قاضی تھے اور نہایت واجب التعظیم عالم تھے۔ محمد بن بشیر کا ایک واقعہ یہ بھی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے کہ الحکم کے چچا سعید الخیر بن عبدالرحمٰن الداخل نے ان کے یہاں ایک متنازعہ دستاویز پیش کی تھی۔ اس دستاویز پر جتنے شاہدوں کے دست خط تھے

وہ سب مرچکے تھے صرف الحکم زندہ تھا۔ فریقِ ثانی کو اِصرار تھا کہ دستخطوں کی تصدیق ضروری ہو۔ قاضی نے الحکم کو طلب کیا۔ الحکم نے تحریری تصدیق بھیج دی۔ قاضی نے مسترد کردی اور عدالت میں آکر اصالتاً تصدیق کرنے کی ہدایت کی۔ بالآخر الحکم نے قاضی کا فیصلہ قبول کیا اور خود حاضر ہوکر تصدیق کی۔ محمد بن بشیر نے ۱۹۸ھ میں قرطبہ میں انتقال کیا۔

(تاریخ خلافت الاندلس)

صفحہ (۱۸۲) لہ (عبدالرحمٰن بن الحکم) یہ بادشاہ نہایت نیک، ہردل عزیز اور بیدار مغز تھا۔ رعایا اس کی عظیم الشان فتوحات کی وجہ سے اسے المظفر کہتی تھی۔ اس کے عہد میں غرسیہ کا عیسائی بادشاہ دورانِ جنگ میں مارا گیا۔ ۲۲۵ھ میں تفلیس بادشاہِ قسطنطنیہ نے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی درخواست کی جو عبدالرحمٰن نے منظور کرلی۔ اس نے قرطبہ میں سب سے پہلی بار آب رسانی کا محکمہ قرطبہ میں قائم کیا۔ پانی کے کئی خزانے بنواکر نلوں کے ذریعے سے شہر میں پانی پہنچایا۔ ملک میں پُل، راستے اور بڑے شہروں میں مسجدیں بنائیں۔ مسجدِ قرطبہ کی تعمیر میں اضافہ کیا۔ ۳۱ سال حکومت کرکے ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ خلافت الاندلس)

صفحہ (۱۸۹) لہ (محمد بن عبدالرحمٰن بن الحکم) اس نے کئی بار جلیقیہ کے عیسائیوں کو شکست دی۔ ۲۵۱ھ میں اس کے بیٹے المنذر نے شاہ الفانسو کو شکست دی۔ یہ بھی علم و کمال کا قدردان تھا۔ ۲۷۳ھ میں انتقال کرگیا۔ (تاریخ خلافت الاندلس)

صفحہ (۱۹۲) لہ (کرکر) اس مقام کو جغرافیۂ اندلس میں تلقرہ کے عنوان سے درج کیا ہو۔ یہ شہر شمالی اندلس میں دریائے ابرو The Ebro

کے شمال میں شہر قلہرہ (Calahoura) سے چھ سات میل پر اب تک موجود ہے۔ ایک کرکرا ور بھی تھا جو غالباً صوبۂ بطلیوس کا کوئی مقام تھا۔

صفحہ (۱۹۰) لے (ہاشم) بہ ظاہر یہ کوئی دوسرا ہاشم معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ مصنّفِ اخبار مجموعہ امیر محمد کے ذکر میں ہاشم کا قتل ہونا بیان کرچکا ہے۔

(مترجم)

صفحہ ۱۹۸ لے ۔بشتر Babstre یہ قلعہ ببشترا ور بشتر کے نام سے مشہور ہے۔ اس قلعہ کی جغرافیائی تشریح میں بڑا اختلاف ہے۔ عربی علمائے جغرافیہ کے تمام بیانات اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ مقام مالقہ یا ریہ کے علاقوں سے ہے۔ یہ مقام ابنِ حفصون کا مستقر تھا جو خلافتِ قرطبہ کا بڑا دشمن تھا۔ اس کا پر دادا ایک شریف قوطی خاندان کا آدمی تھا جو عیسائی مذہب ترک کرکے مسلمان ہوگیا تھا۔ وہ اور ابنِ حفصون کا باپ دونوں مسلمان مرے۔

صفحہ (۱۹۹) لے (حصن یا قلعۂ بلائی) پُرانا اسپینی نام پولی .Poli اور اب اس مقام کو اگوئی لار Aguila کہتے ہیں۔ یہ مقام صوبۂ قرطبہ کے جنوبی حصّے کا ایک شہر مدینۃ الیسانہ Lucana سے تقریباً دس بارہ میل مغرب میں واقع ہے۔ ملوکِ مروانیہ کے زمانے میں یہاں بربری آباد تھے۔ یہ مقام مدّت تک ابنِ حفصون باغی کے تصرّف میں رہا۔ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے زمانے میں اس پر شاہی قبضہ ہوا۔ صوبۂ قرطبہ میں حصن بلائی اس سڑک پر واقع ہے جو قرطبہ سے سنجیلہ کو آئی ہے جہاں دریائے شنیل The Xenil پر ایک پُل بندھا ہے۔ (جغرافیۂ اندلس)

۹۸ ا (امیر عبداللہ) اس کے زمانے میں سلطنت میں بہت ضُعف

پیدا ہوگیا تھا۔ اس نے ۲۵ سال حکومت کی اور سنہ ۳۰۰ھ میں وفات پائی
(تاریخ خلافت الاندلس)

صفحہ (۲۰۲) لہ (عبدالرحمٰن الناصر) ۲۷۷ھ میں پیدا ہوا اور سنہ ۳۰۰ھ میں بیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس کا زمانہ ہر حیثیت سے کامیاب اور اقبال مندانہ رہا۔ نہایت بلند اقبال و جامع اوصاف بادشاہ تھا۔ مشہور عیسائی باغی ابن حفصون کی بغاوت کا اسی کے عہد میں خاتمہ ہوا۔ اس کے عہد میں بربریوں کا ملک افریقیہ بغیر کشت و خون کے اس کے قبضے میں آگیا۔ الناصر نے پے در پے اور زبردست فتوحات حاصل کرنے کے بعد قرطبہ پہنچ کر اپنی رعایا کی خواہش سے ان کے دلوں میں مذہبی جوش پیدا کرنے کے لیے امیرالمومنین الناصر الدین اللہ، کا لقب اختیار کیا۔ ۲ رمضان سنہ ۳۵۰ھ کو ۷۳ سال کی عمر میں قصر الزہرا میں انتقال کیا جو اسی کا بنوایا ہوا مشہور زمانہ محل تھا۔

قصر الزہرا کے علاوہ اس کے زمانے کی بے تعداد یادگاریں ضرب المثل ہیں جن کے ذکر سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ (تاریخ خلافت الاندلس)

لہ (منذر بن سعید) البلوطی القرطبی اندلس میں قاضی القضاۃ تھے۔ امیر عبدالرحمٰن الناصر کے عہد میں قرطبہ کے قاضی ہوئے اور الناصر کی زندگی بھر اس خدمت پر مامور رہے۔ اس کے انتقال کے بعد الحکم خلیفہ ہوا تو انھوں نے استعفیٰ دے دیا جو الحکم نے منظور نہیں کیا۔ مورخین خصوصاً فتح بن خاقان ان کے بہت مداح و ثناگر ہیں۔ یہ صاحب تصنیف تھے ان کا انتقال ۳۵۵ھ میں ہوا۔ جامع مسجد زہرا کے امام تھے مشہور خطیب اور نڈر فقیہہ تھے۔ (قاموس الاعلام جلد سوم و المقری)